ایرانی انقلاب
امام خمینی اور شیعیت
از: مولانا محمد منظور نعمانی
ناشر
الفرقان بکڈپو
۳۱ نیا گاؤں مغربی
لکھنؤ

ایرانی انقلاب
امام خمینی
اور شیعیت

از: مولانا محمد منظور نعمانی

ناشر:
الفرقان بکڈپو ۳۱ نیا گاؤں مغربی (نظیر آباد) لکھنؤ ۲۲۶۰۱۸

ناظرینِ کرام سے مصنفؒ کی درخواست

کتاب کے مطالعہ سے جیسا کہ آپ محسوس فرمائیں گے اس عاجز نے یہ کتاب کبرسنی کے ضعف اور مختلف امراض میں مبتلا ہونے کی حالت میں اللہ تعالیٰ ہی کی مدد و توفیق سے اپنے دینی بھائیوں کو زیغ و ضلال اور عقیدہ کے فساد سے بچانے کے لئے دینی فریضہ سمجھ کر لکھی ہے اب اللہ تعالیٰ کی توفیق ہی سے یہ تیار ہو کر آپ تک پہنچی ہے آپ سے درخواست ہے کہ اللہ کے دین کی خدمت ہی کی نیت سے اپنے دوسرے بھائیوں تک اس کو پہنچانے اور اس کا مطالعہ کرانے کی جو کوشش آپ کر سکیں اس میں دریغ اور کمی نہ فرمائیں اور اس سلسلہ میں اپنے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات خلفائے راشدین کے لشکر کا سپاہی سمجھیں اللہ تعالیٰ آپ کو اس کی توفیق دے اور آپ کے اور اس عاجز کے اس عمل کو قبول فرمائے۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

۲۱ صفر ۱۴۰۵ھ - ۱۶ نومبر ۱۹۸۴ء

نام کتاب ——— ایرانی انقلاب امام خمینی اور شیعیت

ایڈیشن ——— دسمبر ۱۹۸۴ء

صفحات ——— ۲۹۶

کتابت ——— دلشاد لکھنوی

طباعت ——— لکھنؤ پبلشنگ ہاؤس

باہتمام ——— محمد حسان نعمانی

ناشر ——— الفرقان بکڈپو، لکھنؤ

قیمت:

بیس روپئے صرف

فہرست عنوانات و مضامین

حرفِ آخر

مقدمہ

از: مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلحمدُ للہِ وحدَہٗ والصلوٰۃُ والسلامُ علیٰ من لا نبیَّ بعدَہٗ:

اسلام کا اوّلین اور مثالی عہد کیسا تھا؛ خدا کے سب سے بڑے اور آخری پیغمبر کی تعلیم وتربیت کے عملی نتائج کیا نکلے؟ اور ان انسانوں کی سیرت وکردار کا کیا حال تھا، جنھوں نے آغوشِ نبوّت اور دامنِ رسالت میں تربیت پائی تھی؟ قومی، نسلی اور خاندانی سلطنتوں کے بانیوں اور حصولِ اقتدار کے خواہشمندوں سے اس کو کچھ امتیاز حاصل تھا یا نہیں؟ اس کا اپنے خاندان کے معاملہ میں طرزِ عمل اور خود اس خاندان کا اس کی مقدّس اور عظیم شخصیت سے فائدہ اُٹھانے کے بارے میں رویّہ کیا تھا؟ دین کی دعوت، صداقت وحقیقت کے اعلان اور عزیمت پر

عمل کرنے کے بارے میں اہلِ بیت کی سیرت و کردار کیا نظر آتا ہے؟ اور پھر ان اوّلین مسلمانوں اور نبی کے تربیت یافتہ گروہ کے (جن میں اُس کے صحبت یافتہ لوگ بھی تھے جن کو "صحابہ" کے لفظ سے یاد کیا جاتا ہے اور اس کے گھر کے افراد بھی تھے جن کو "اہلِ بیت" کے لقب سے پکارا جاتا ہے) باہمی تعلقات کی نوعیت کیا تھی؟ اس مثالی عہد میں جن لوگوں کے ہاتھوں میں زمامِ کار و اقتدار آئی (جن کو خلفائے راشدین کے نام سے یاد کیا جاتا ہے) عیش و راحت اور مرفہ الحالی کے وسیع امکانات اور غیر محدود اختیارات کی موجودگی میں ان کا شخصی و خانگی زندگی میں طرزِ عمل اور اپنے وسیع حدودِ حکومت میں مخلوقِ خدا کے ساتھ معاملہ معتبر تاریخ کی روشنی میں کیسا ثابت ہوتا ہے؟ جس آسمانی صحیفہ پر اس پورے دین کی اساس ہے اس کی صحت و حفاظت کی حقیقت کیا ہے؟

ان سوالات کے جو جوابات دیئے گئے ہیں، ان سے دو متقابل و متضاد تصویریں بنتی ہیں، ایک تصویر وہ ہے جو اہلِ سنّت کے عقائد کی روشنی میں دنیا کے سامنے آتی ہے، دوسری وہ جو فرقہ امامیہ اثنا عشریہ کے عقائد، بیانات اور ان کی دین کی تشریح اور تاریخ اسلام کی تعبیر اور اس کے خاص تصوّر سے تیار ہوتی ہے ان دونوں تصویروں میں کوئی مماثلت و اتفاق نہیں ہے۔

اب ہر وہ شخص جس کو اللہ نے عقلِ سلیم انصاف کا مادّہ اور انسانی تاریخ سے واقفیت کا موقع عطا کیا ہے آسانی سے فیصلہ کر سکتا ہے کہ ان میں سے کون سی تصویر ایک ایسے دین کے لئے موزوں و قابلِ قبول ہو سکتی ہے جو ساری دنیا کے لئے رحمت و ہدایت بنا کر بھیجا گیا ہے اور جو اس بات کا مُدّعی ہے کہ اس دین پر ہر زمانہ میں عمل ہو سکتا ہے اور اس سے بہترین نتائج برآمد ہو سکتے ہیں اور جس کا عقیدہ و اعلان ہے کہ اس دین کے دنیا میں لانے والے پیغمبر کو اپنی کوششوں میں سب سے زیادہ کامیابی ہوئی اور اس کا عہد اس دین اور دعوت کی تاریخ میں ہر عہد سے زیادہ باسعادت و بابرکت تھا (اور عقل و نقل کے لحاظ سے ایسا ہی ہونا چاہیئے) اس سے بہتر اس انسانیت کے لئے کونسی تصویر قابلِ فخر و مفید ہو سکتی ہے، جس کی تاریخ زیادہ تر "نائے و نوش" بہ "عیش کوش" ذاتی اور قومی اغراض کے لئے جنگ و جدال، حصولِ اقتدار کے لئے جدّ و جہد اور پھر اقتدار سے فائدہ اٹھانے اور اپنے وابستگان کو فائدہ پہنچانے کی تاریخ ہے۔ اسلام کے اس دورِ اوّل میں افراد ہی نہیں ایک پورا انسانی معاشرہ

توہین و تذلیل کی پھر اپنی مذہبی عدالت میں ان پر مقدمہ چلایا اور صلیب (سولی) کے ذریعہ سزائے موت دیے جانے کا فیصلہ کیا گیا ـــــ پھر اس وقت کی برسر اقتدار رومی حکومت کے قانون کے مطابق اس سزائے موت کے فیصلے کے نفاذ کے لیے رومی حاکم (گورنر) کی منظوری بھی حاصل کرلی اور اپنے نزدیک حضرت مسیح کو صلیب پر چڑھوا کر سزائے موت دلوا بھی دی، اور قاعدہ اور رواج کے مطابق لاش دفن بھی کردی گئی اور یہ لوگ مطمئن ہو گئے کہ ہم نے اِس مدعیِ نبوت کو ختم کر دیا[1] اور اس کی دینی دعوت کی جڑ کاٹ دی۔ لیکن حضرت مسیح کے مخلص اور صادق العہد حواریوں نے اِن انتہائی ناسازگار حالات میں بھی ان کی لائی ہوئی ہدایت کی دعوت و تبلیغ اور دور دراز علاقوں تک جا کر اس کی منادی کا سلسلہ جاری رکھا اور ان کی مخلصانہ و درویشانہ جدوجہد اور قربانی کو قبولیت اور کامیابی حاصل ہوتی رہی اور اس کے امکانات ظاہر ہو گئے کہ یہ دینی دعوت کسی وقت قبول عام حاصل کرلے گی۔

---

[1] معلوم ہے کہ عیسائی دنیا نے بھی حضرت مسیح علیہ السلام کے دشمن یہود کی یہ بات مان لی ہے کہ حضرت مسیح کو صلیب پر چڑھا کے سزائے موت دی گئی اور اسی پر اُن کے کفارہ کے عقیدے کی بنیاد ہے اور موجودہ انجیلوں میں بھی (جن کا محرف ہونا قطعی دلائل سے ثابت ہے) یہی بیان کیا گیا ہے لیکن قرآن مجید کا بیان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح کو صلیب کے ذریعہ سزائے موت دیے جانے کی یہودیوں کی اسکیم ناکام کردی۔ اپنی قدرت کاملہ سے ان کو آسمان پر اٹھالیا اور ایک اور شخص کو جسے صورۃً اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح علیہ السلام کے مشابہ بنا دیا تھا، سولی پہ چڑھا دیا گیا (بعض روایات کے بموجب یہ شخص وہی غدار منافق تھا جس نے جاسوسی کی تھی) حضرت مسیح علیہ السلام کے ایک جلیل القدر حواری برناس بھی تھے انکی مرتب کی ہوئی انجیل کا بیان قرآن مجید کے اس بیان کے بالکل مطابق ہے لیکن جب عیسائی دنیا نے پولوس کی شیطانی کوششوں سے متاثر ہو کر تثلیث اور کفارہ کا عقیدہ اختیار کرلیا (جس کا بیان ابھی آئے گا) تو عیسائیوں نے برناس کی اس انجیل کو نامعتبر قرار دے دیا۔

اسی زمانے میں یہ غیر معمولی واقعہ رونما ہوا کہ ایک مشہور یہودی عالم جس کا نام ساؤل تھا جو دین عیسوی کا انتہائی درجہ کا دشمن تھا اوراس کے قبول کرنے والوں کو ہر ممکن طریقہ سے ستاتا، ان پر خود شدید مظالم کرتا اور دوسروں سے کراتا تھا۔ یہی اس کا محبوب ومرغوب شغل تھا ــــ اس نے ہمارے نزدیک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت ــــ اچانک اور کہا جاسکتا ہے کہ ڈرامائی انداز میں دعویٰ کیا کہ میں عیسائیت اور عیسائیوں کے خلاف اپنی جدوجہد ہی کے سلسلے میں دمشق جارہا تھا۔ راستہ میں ایک منزل پر آسمان سے زمین تک ایک نور ظاہر ہوا اور آسمان ہی سے یسوع مسیح کی آواز مجھے سنائی دی، انھوں نے مجھے مخاطب کرکے عبرانی زبان میں فرمایا کہ "اے ساؤل تو مجھے کیوں ستاتا ہے" ــــ اور انھوں نے مجھے ایمان لانے اوران کے دین کی خدمت اور منادی کرنے کی دعوت دی اور وصیت فرمائی۔ میں یہ معجزہ دیکھ کران پر ایمان لے آیا اور اب میں نے اپنے کو اس دین کی خدمت اور منادی کے لیے وقف کردیا ہے ــــ اُس نے اپنا نام بھی بدل ڈالا اور ساؤل کے بجائے پولوس نام رکھ لیا۔

اس کے بعد اس نے حضرت مسیح کے حواریوں کے پاس جاکر اپنے اس مکاشفہ یا مشاہدے اور انقلاب حال کا ذکر کیا تو اکثر حواری اس کی اب تک کی زندگی اور ظالمانہ رویہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس پر اعتماد کرنے اور اس کے اس اظہار و بیان کو واقعہ اور حقیقت ماننے کے لیے تیار نہیں تھے، انھیں اس کے بارے میں شک شبہ تھا لیکن ایک جلیل القدر حواری برنباس نے اس کی بات کو قبول کرلیا اور دوسرے حواریوں کو بھی آمادہ کرلیا کہ وہ بھی قبول کرلیں۔ اس کے بعد یہ ساؤل حواریوں کے ساتھ شامل ہوگیا اور پھر اس نے ایسا رویہ اختیار کیا کہ عام عیسائی اس کو مسیحی مذہب کا پیشوائے اعظم سمجھنے لگے، اس طرح عوام میں اس کو غیر معمولی مقبولیت اور مقتدائیت کا مقام حاصل ہوگیا۔

اس کے بعد اس نے دین عیسوی کی اندر سے تخریب و تحریف کا کام شروع کیا (جو فی الحقیقت

اس کا اصل مقصد و منصوبہ تھا) اس نے اپنی غیر معمولی ذہانت اور فراست سے سمجھ لیا کہ عیسائیوں کو حضرت مسیح کے لائے ہوئے اصل دین سے دور اور گمراہ کرنے کا آسان راستہ یہ ہے کہ ان کے سامنے حضرت مسیح کی شان کو حد سے زیادہ بڑھایا جائے۔ ان کو ابن اللہ یا خدائی کا شریک یا خود خدا کہا جائے، اور صلیب کے واقعہ کی حقیقت یہ بتائی جائے کہ انھوں نے اپنے پر ایمان لانے والے سارے انسانوں کے گناہوں کی سزا اور عذاب کے عوض خود یہ تکلیف اٹھالی اس طرح اُن کا صلیب پر چڑھایا جانا ان پر ایمان لانے والوں کے گناہوں کا کفارہ اور نجات کا وسیلہ بن گیا۔

اس کے بعد اُس نے اسی راستہ سے کام شروع کیا، اُس کا تیر ٹھیک نشانے پر بیٹھا اور عام عیسائیوں میں الوہیت مسیح اور ابنیت اور تثلیث اور کفارہ کے عقیدے تیزی سے مقبول ہوئے ـــــ قیاس یہ ہے کہ حضرت مسیح کے اُن حواریوں نے جو اُس زمانے میں موجود تھے اور ان کے صحیح العقیدہ شاگردوں نے عیسائی امت کو اصل دین عیسوی پر قائم رہنے اور ان مشرکانہ اور گمراہانہ عقیدوں سے محفوظ رکھنے کی کوشش ضرور کی ہوگی، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ان کی یہ مصلحانہ کوششیں زیادہ کامیاب نہ ہوسکیں اور حضرت مسیح کے اس دنیا سے اٹھائے جانے پر پوری ایک صدی بھی نہیں گزری تھی کہ عام عیسائیوں میں حضرت مسیح علیہ السلام کے لائے ہوئے دین عیسوی کے بجائے پولوس کا بنایا ہوا یہ نیا مشرکانہ دین ہی عیسائیت کے عنوان سے مقبول ہوگیا اور پھر ایسا ہوا کہ دنیا کے قریب قریب تمام ہی عیسائیوں نے اسی دین کو اپنا لیا اور تثلیث اور کفارہ عیسائیت کے بنیادی عقیدے تسلیم کرلیے گئے۔

یہ جو کچھ عرض کیا گیا، دین عیسوی میں پولوس کے ذریعہ ہونے والی تحریف کی تاریخ کا بہت مختصر بیان ہے۔ تفصیل ان کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہے جو مستقل اس موضوع پر لکھی گئی ہیں۔ خاص کر حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی علیہ الرحمہ کی "اظہار الحق" کا ترجمہ

"بائبل سے قرآن تک" اور اس کا مقدمہ از مولانا محمد تقی عثمانی (کراچی)

اسلام میں شیعیت کا آغاز :

اسلام میں شیعیت کے آغاز کی تاریخ بعینہ وہی ہے جو سطور بالا میں موجودہ محرف عیسائیت کی بیان کی گئی ہے اور اس کو اصل اسلام سے وہی نسبت ہے جو پولوس کی ایجاد کی ہوئی عیسائیت کو حضرت مسیح علیہ السلام کے لائے ہوئے اصل دین عیسوی سے ہے جو بلاشبہ دین حق تھا۔

چونکہ راقم سطور نے اس وقت شیعیت اور اس کی تاریخ پر کوئی مستقل کتاب لکھنے کا ارادہ نہیں کیا ہے بلکہ اس وقتی تقاضے کے تحت جس کا ذکر اوپر کیا گیا صرف ایک مقالہ لکھنا ہی پیش نظر ہے اور اس میں بھی اصل مطمح نظر شیعہ مذہب کی بنیادی اور مسلم و مستند کتابوں کی روشنی میں اس کا بقدر ضرورت تعارف کرانا اور اس کی اصل حقیقت سے اُن حضرات کو واقف کرانا ہے جو ناواقفی کی وجہ سے اس کے بارے میں غلط فہمی میں مبتلا ہیں اور اس کے داعیوں اور علمبرداروں کے آلۂ کار بن کر شیعیت کے فروغ اور مسلمانوں میں اس کی مقبولیت کی راہ ہموار کر رہے ہیں ـــــ اس لیے صرف تمہید کے طور پر اس کے آغاز کا مختصر تذکرہ کرنا ہے۔

ابن جریر طبری کی تاریخ الامم والملوک، ابن کثیر دمشقی کی البدایہ والنہایہ، ابن حزم اندلسی کی الفصل فی الملل والنحل، شہرستانی کی الملل والنحل، اور ان کے علاوہ بھی بعض تاریخی ماخذ کے مطالعہ سے شیعیت کے آغاز کے بارے میں جو کچھ معلوم ہوا ہے، راقم سطور یہاں اُس کا صرف حاصل ہی اپنے الفاظ میں نذر ناظرین کر رہا ہے (جو کچھ عرض کیا جا رہا ہے وہ مندرجہ بالا ماخذ میں دیکھا جا سکتا ہے۔)

جیسا کہ معلوم ہے قریب قریب پورا جزیرۃ العرب عہد نبوی ہی میں اسلام کے زیر اقتدار آ گیا تھا، اور اسلام اور مسلمانوں کی کوئی دشمن طاقت، نہ مشرکین کی نہ اہل کتاب یہود و نصاریٰ کی وہاں ایسی باقی رہی تھی جو دعوت اسلام کا راستہ روک سکے۔ پھر عہد صدیقی میں (جس کی مدت بہت ہی مختصر سوا دو سال کے قریب ہے) یہ صورت حال مزید مستحکم ہوئی اور جزیرہ کے حدود سے باہر پیش قدمی کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا۔ اس کے بعد خلافت فاروقی کے قریباً دس سالوں میں اسلامی دعوت اور عسکری فتوحات کا سلسلہ اتنی تیزی سے بڑھا کہ اُس وقت کی دنیا کی دو بڑی شہنشاہیوں (روم و فارس) کے بیشتر مقبوضہ علاقے اسلام کے زیر اقتدار آ گئے۔ پھر فاروق اعظم کی شہادت کے بعد حضرت عثمان کے دور خلافت میں بھی اسلامی دعوت اور فتوحات کا یہ سلسلہ قریب قریب اسی رفتار سے جاری رہا۔ اس مدت میں مختلف ملکوں، علاقوں اور قوموں اور طبقوں کے بے شمار لوگ اپنے قدیم مذاہب و ادیان کو چھوڑ کر اسلام میں داخل ہوئے۔ یہ عام طور سے وہی تھے جنھوں نے اسلام کو دین حق اور وسیلۂ نجات سمجھ کر دل سے قبول کیا تھا۔ لیکن ان میں بہت سے ایسے بھی تھے جنھوں نے منافقانہ طور پر اسلام قبول کر کے اپنے کو مسلمانوں میں شامل کیا تھا اور وہ اپنے دلوں میں مسلمانوں کے خلاف شدید بغض و عداوت رکھتے تھے وہ اسی ارادے اور منصوبے کے ساتھ مسلمانوں میں شامل ہوئے تھے کہ ان کو جب بھی موقع ملے وہ کوئی فتنہ برپا کر کے اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچائیں گے۔

اسی طبقہ میں علاقہ یمن کا ایک یہودی عالم عبداللہ بن سبا تھا، اس نے حضرت عثمانؓ کے دور خلافت میں اپنے قبول اسلام کا اعلان کیا۔ بعض روایات میں یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ وہ مدینہ منورہ حضرت عثمانؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ ہی کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ غالباً اس کو امید رہی ہوگی کہ اس طرح اس کو ایک امتیاز اور حضرت عثمانؓ کا خصوصی درجہ کا حسن ظن اور اعتماد حاصل ہو جائے گا۔ لیکن حضرت عثمانؓ

کی طرف سے اس کے ساتھ کوئی امتیازی برتاؤ نہیں کیا گیا ـــــ بعد میں اس کا جو کردار سامنے آیا اس سے معلوم ہو گیا کہ اس نے اسی ارادے اور منصوبے کے تحت یہودیت چھوڑ کے اسلام قبول کیا تھا جس کے تحت ساؤل (پولوس) نے یہودیت چھوڑ کے عیسائیت کو قبول کیا تھا۔ اس کا اصل مقصد مسلمانوں میں شامل ہو کر اور اپنے خاص کرتبوں سے ان میں مقبولیت حاصل کر کے اندر سے اسلام کی تخریب و تحریف اور ان کے درمیان اختلاف و شقاق پیدا کر کے فتنہ و فساد برپا کرنا تھا ـــــ مدینہ منورہ کے مختصر قیام میں غالباً اس نے اپنی ذہانت سے اندازہ کر لیا کہ یہاں اور پورے علاقۂ حجاز میں ضروری درجہ کا دینی شعور عام ہے اور دین کے ایسے پاسبان موجود ہیں جن کے ہوتے ہوئے وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ اس کے بعد وہ بصرہ اور پھر شام گیا، یہاں بھی اس کو اپنے منصوبے کے مطابق کام کرنے کا موقع نہیں ملا۔ اس کے بعد وہ مصر پہنچا یہاں اس نے ایسے لوگوں کو پا لیا جن کو وہ آلۂ کار اور اپنی مفسدانہ مہم میں مددگار بنا سکے۔ اُس نے غالباً عیسائیت کی تحریف و تخریب میں پولوس کی کامیابی سے یہ سبق سیکھا تھا کہ کسی امت اور مذہبی گروہ کو گمراہ کرنے کا آسان راستہ یہ ہے کہ اس کی نظر میں مقدس اور محبوب ترین شخصیت کے بارے میں غلو اور افراط کا رویہ اختیار کیا جائے۔ مورخین کا بیان ہے کہ اس نے سب سے پہلے ان لوگوں میں یہ شوشہ چھوڑا کہ مجھے اُن مسلمانوں پر تعجب ہے جو عیسیٰؑ کی اس دنیا میں دوبارہ آمد کا تو عقیدہ رکھتے ہیں اور سید الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اس طرح آمد کے قائل نہیں، حالانکہ آپ حضرت عیسیٰؑ اور تمام ہی انبیاء سے افضل و اعلیٰ ہیں آپ یقیناً دوبارہ اس دنیا میں تشریف لائیں گے ـــــ اس نے یہ بات ایسے ہی جاہل اور ناتربیت یافتہ لوگوں کے سامنے رکھی جن میں اس طرح کی خرافات کے قبول کر لینے کی صلاحیت دیکھی ـــ پھر جب اس نے دیکھا کہ اس کی یہ بات مان لی گئی (جو اسلامی اور قرآنی تعلیم کے یکسر خلاف تھی) تو اس نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خصوصی قرابت کی بنیاد پر آپ کے ساتھ غیر معمولی عقیدت و محبت کا اظہار کرتے ہوئے اُن کی شان میں طرح طرح کی غلو کی باتیں کرنا شروع کیں، ان کی طرف عجیب عجیب "معجزے" منسوب کر کے ان کو ایک مافوق البشر ہستی باور کرانے کی کوشش کی اور جاہلوں سادہ لوحوں کا جو طبقہ اس کے فریب کا شکار ہو گیا تھا وہ ان ساری خرافات کو بھی قبول کرتا رہا۔ اس طرح اس نے اپنی سوچی سمجھی اسکیم کے مطابق تدریجی طور پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں ایسے خیالات رکھنے والے اپنے معتقدین کا ایک حلقہ پیدا کر لیا اور پھر ایک مرحلہ پر ان کا یہ ذہن بنایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت اور امامت وحکومت کی سربراہی دراصل حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حق تھا، ہر نبی کا ایک وصی ہوا ہے اور وصی ہی نبی کے بعد اس کی جگہ امت کا سربراہ ہوتا ہے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے وصی حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے اس نے بتلایا کہ تورات میں بھی آپ ہی کو وصی رسول بتایا گیا تھا لیکن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد لوگوں نے سازش کر کے آپ کا حق غصب کر لیا اور بجائے آپ کے ابو بکر کو خلیفہ بنا دیا گیا اور انھوں نے اپنے بعد کے لیے عمر کو نامزد کر دیا پھر ان کے بعد بھی آپ کے خلاف سازش ہوئی اور عثمان کو خلیفہ بنا دیا گیا جو اس کے بالکل اہل نہ تھے اور اب وہ اور ان کے عُمّال ایسے ایسے غلط کام کر رہے ہیں۔

ملحوظ رہے کہ یہ وہ زمانہ تھا جب مصر اور بعض دوسرے شہروں میں بھی حضرت عثمان کے بعض عمال کے خلاف شکایات اور الزامات کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا ــــ اس صورتحال اور اس فضا سے عبداللہ بن سبا نے پورا فائدہ اٹھایا ــــ اس نے کہنا شروع کیا کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر اور امت میں پیدا ہونے والے بگاڑ کی اصلاح کی فکر و کوشش ہر مسلمان کا فرض ہے، اس لیے ہم کو اس بگاڑ کی اصلاح کے لیے جو عثمان اور ان کے عمال کی وجہ سے امت میں پیدا ہو گیا ہے کھڑا ہو جانا چاہیے اور اس کو ختم کرنے کے لیے وہ سب کچھ کرنا

چاہیے جو ہمارے امکان میں ہو۔

یہ سب کچھ عبداللہ بن سبا نے انتہائی ہوشیاری و رازداری اور یہودی فطرت کے مکر و فریب سے اس طرح کیا جس طرح زیر زمین خفیہ تحریکیں چلائی جاتی ہیں اور مصر کے علاوہ دوسرے بعض شہروں اور علاقوں میں بھی اپنے کچھ ہم خیال بنا لیے ــــ

پھر ایک وقت آیا جب اس نے اپنے دام افتادہ معتقدین اور ان کے ذریعہ دوسرے بہت سے جاہلوں سادہ لوحوں کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف جدوجہد کرنے پر آمادہ کر لیا۔ اس کے بعد ایک مرحلہ پر خفیہ طور پر پروگرام بنا لیا گیا کہ فلاں دن ہم سب اجتماعی طور پر ایک لشکر کی شکل میں مدینۂ منورہ پہنچیں گے ــــ پھر ایسا ہی ہوا۔ عبداللہ بن سبا اور اس کے چیلوں کے گمراہ کیے ہوئے باغی اوباشوں کا ایک پورا لشکر مدینہ پہنچ گیا۔

آگے جو کچھ ہوا، یہاں اس کا ذکر کرنے کی ضرورت نہیں (ان سطروں کے سب ہی پڑھنے والے واقف ہوں گے) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، جو اس وقت کی دنیا کی سب سے بڑی حکومت کے فرمانروا تھے اگر ان باغیوں کے خلاف طاقت استعمال کرنے کی صرف اجازت دیدیتے تو ہرگز وہ نہ ہو سکتا جو ہوا لیکن آپ نے نہیں چاہا کہ آپ کی جان کی حفاظت کے لیے کسی کلمہ گو کے خون کا قطرہ زمین پر گرے اس کے بجائے خود مظلومانہ شہید ہو کر اللہ کے حضور پہنچ جانا پسند فرمایا اور دنیا میں مظلومانہ شہادت اور قربانی کی ایک لاثانی مثال قائم کر دی[1]۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ

---

[1] یہاں یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ عبداللہ بن سبا اور اس کا گروہ جو اس فتنہ کا اصل ذمہ دار تھا جس کے نتیجہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہوئے، ان کا منصوبہ تو جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے، اسلام کی تخریب اور مسلمانوں میں اختلاف پیدا کر کے خود اسلام کو نقصان پہنچانا اور اس کی طاقت کو توڑنا تھا، انھوں نے جو کچھ کیا اسی مقصد کے لیے کیا تھا۔ ایسے مفسدوں فتنہ پردازوں کا قلع قمع کرنا اور ان کے خلاف طاقت

(باقی صفحہ آئندہ پر)

اس خونی فضا میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ چوتھے خلیفہ منتخب ہوئے آپ بلاشبہ خلیفہ برحق تھے امت مسلمہ میں اس وقت کوئی دوسری شخصیت نہیں تھی جو اس عظیم منصب کے لیے قابل ترجیح ہوتی لیکن حضرت عثمان کی مظلومانہ شہادت کے نتیجہ میں (یا کہا جائے کہ اس کی خداوندی پاداش میں) امت مسلمہ دو گروہوں میں تقسیم ہوگئی اور نوبت باہم جنگ و قتال کی بھی آئی جمل اور صفین کی دو جنگیں ہوئیں عبداللہ ابن سبا کا پورا گروہ جس کی اچھی خاصی تعداد ہوگئی تھی حضرت علی مرتضیٰ کے ساتھ تھا، اس زمانہ اور اس فضا میں اس کو پورا موقع ملا کہ لشکر کے بے علم اور کم فہم عوام کو حضرت علیؓ کی محبت اور عقیدت کے عنوان سے غلو کی گمراہی میں مبتلا کرے یہاں تک کہ اس نے کچھ سادہ لوحوں کو وہی سبق پڑھایا جو پولس نے عیسائیوں کو پڑھایا تھا اور ان کا یہ عقیدہ ہوگیا کہ حضرت علی اس دنیا میں خدا کا روپ ہیں اور اُن کے قالب میں خداوندی روح ہے اور گویا وہی خدا ہیں۔ کچھ احمقوں کے کان میں یہ پھونکا کہ اللہ نے نبوت و رسالت کے لیے درحصل حضرت علی ابن ابی طالب کو منتخب کیا تھا وہی اس کے مستحق اور اہل تھے اور حامل وحی فرشتے جبرئیل امین کو ان ہی کے پاس بھیجا تھا لیکن ان کو اشتباہ ہوگیا اور وہ

(بقیہ صفحہ گذشتہ)

استعمال کرنا تو اسلامی حکومت کا یعنی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا فرض تھا۔ یہ اُن کا ذاتی مسئلہ نہیں تھا۔ پھر انھوں نے ان کے خلاف طاقت استعمال کیوں نہیں کی ؟ ___ لیکن واقعہ یہ ہے کہ چوں کہ ان لوگوں کی یہ تحریک اور ساری کارروائی خفیہ تھی اس لیے اس وقت یہ حقائق سامنے نہیں آئے تھے۔ یہ سب کچھ تو بعد کے واقعات سے اور تاریخ کی چھان بین سے معلوم ہوا ہے۔ اُس وقت تو بس یہی بات سامنے تھی کہ یہ لوگ حضرت عثمان کے برسر حکومت رہنے کے خلاف ہیں اس لیے حضرت عثمان نے وہ رویہ اختیار فرمایا اور اپنی جان اور اپنے اقتدار کے تحفظ کے لیے خونریزی اور دوسروں کی جان لینے کے بجائے اپنی جان دیدینا اپنے حق میں بہتر سمجھا۔ وکان امر اللہ قدرا مقدورا۔

غلطی سے وحی لے کر حضرت محمد بن عبداللہ کے پاس پہونچ گئے (استغفراللہ ولاحول ولاقوۃ الا باللہ)

مؤرخین نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ جب حضرت علی مرتضیٰ کے علم میں کسی طرح یہ بات آئی کہ ان کے لشکر کے کچھ لوگ ان کے بارے میں اس طرح کی باتیں چلا رہے ہیں تو آپ نے ان شیاطین کو قتل کرا دینے اور لوگوں کی عبرت کے لیے آگ میں ڈلوا دینے کا ارادہ فرمایا لیکن اپنے چچازاد بھائی اور خاص رفیق و مشیر حضرت عبداللہ بن عباس اور کچھ ان جیسے اور لوگوں کے مشورہ پر اس وقت کے خاص حالات میں اس کارروائی کو دوسرے مناسب وقت کے لیے ملتوی کر دیا[1]

بہرحال جمل اور صفین کی جنگوں کے زمانہ میں عبداللہ بن سبا اور اس کے چیلوں کو اس وقت کی خاص فضا سے فائدہ اٹھا کر حضرت علیؓ کے لشکر میں ان کے بارے میں غلو کی گمراہی پھیلانے کا پورا پورا موقع ملا اور اسکے بعد جب آپ نے عراق کے علاقہ میں کوفہ کو اپنا دارالحکومت بنالیا تو یہ علاقہ اس گروہ کی سرگرمیوں کا خاص مرکز بن گیا اور چوں کہ مختلف اسباب ووجوہ کی بنا پر (جن کو مؤرخین نے بیان کیا ہے) اس علاقہ کے لوگوں میں ایسے

---

[1] بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی کی الوہیت کا عقیدہ رکھنے والے اور اس کی دعوت دینے والے یہ شیاطین ان ہی کے حکم سے قتل کیے گئے اور آگ میں ڈالے گئے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے "منہاج السنہ" میں اس کا ذکر فرمایا ہے۔ (ص ۷، ج ۱)

اور شیعوں کی اسماء الرجال کی مستند ترین کتاب "رجال کشی" میں بھی امام جعفر صادق سے متعدد روایتیں نقل کی گئی ہیں جن سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ عبداللہ بن سبا حضرت علی مرتضیٰ کی الوہیت کا عقیدہ رکھتا اور اس کی دعوت دیتا تھا اور بالآخر حضرت علی مرتضیٰ نے اس کو آگ میں ڈلوا کر ختم کرا دیا۔ رجال کشی طبع بمبئی ۱۳۱۷ھ ص ۷۰

تمدن، نظامِ حکومت اور طرزِ زندگی، اعلیٰ اقدار، بے لچک اُصولوں، ہدایت عام اور فلاحِ انسانی کی بنیاد پر قائم ہوا، اور وہ خلیفۂ راشد سیدنا عمر بن عبدالعزیز کے اس قول کی تصدیق و تصویر تھی جو انھوں نے ایک موقعہ پر فرمایا تھا۔ "اِنّ محمّدًا صلّی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلّم انّما بُعِثَ ھادیًا ولم یُبعث جابیًا"[1] (رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم ہادی بنا کر بھیجے گئے تھے، جابی (تحصیل دار اور محصّل خراج) بنا کر نہیں بھیجے گئے تھے)۔

اس کے برخلاف فرقۂ امامیہ کے عقائد اور بیانات کی روشنی میں اوّلین مسلمانوں کی جو تصویر ابھر کر سامنے آتی ہے اس کے پیش نظر ایک ذہین تعلیم یافتہ شخص یہ سوال کرنے میں حق بجانب ہے کہ جب اسلامی دعوت اپنے سب سے بڑے داعی کے ہاتھوں اپنے دورِ عروج میں کوئی دیرپا اور گہرا نقش مُرتّب نہ کر سکی اور جب اس دعوت پر ایمان لانے والے اپنی نبی کی آنکھ بند ہوتے ہی اسلام کے وفادار اور امین نہ رہ سکے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم نے جس صراطِ مستقیم پر اپنے متبّعین کو چھوڑا تھا اس میں سے گنتی کے چار آدمی اس پر قائم رہے تو ہم یہ کیسے تسلیم کر لیں کہ اس دین و دعوت کے اندر نفوسِ انسانی کے تزکیہ اور تہذیبِ اخلاق کی صلاحیت ہے، وہ انسان کو حیوانیت کی پستی نکال کر انسانیت کی بلند چوٹی تک پہنچا سکتی ہے، فرض کیجئے اسلام کا ایک نمائندہ مغربی ممالک کے کسی مرکزی مقام پر یا کسی غیر مسلم ملک میں اسلام کی صداقت پر سحر انگیز تقریر کر رہا ہے، ایک شخص جس نے مذہب اثنا عشری کی کتابیں پڑھی ہیں اس کو برملا ٹوک دیتا ہے اور کہتا ہے کہ پہلے اپنے گھر کو دیکھئے اور اپنی خبر لیجئے آپ کے نبی کی تیئیس ۲۳ سالہ محنت شاقہ کا نتیجہ صرف چار پانچ آدمی ہیں، جو آپ کی وفات کے بعد آپ کے راستہ پر گامزن رہے، آپ کس منھ سے غیر مسلموں کو اسلام کی دعوت دیتے ہیں اور ان کے ثبات و استقامت کی کیا ضمانت ہے؟ — کیا اس کا جواب ممکن ہے؟

پچھلے برسوں میں جب آیت اللہ روح اللہ خمینی صاحب نے اسلامی انقلاب کی دعوت دی، اور "پہلوی" سلطنت کا تختہ اُلٹ کر بقول خود حکومتِ اسلامیہ قائم کی اور ایک نئے دور کا آغاز کیا تو اس کی پوری توقع تھی (اور اس کے پورے آثار و قرائن موجود تھے) کہ وہ اپنی دعوت کو عام کرنے اور اس کو مقبول بنانے کے لئے شیعہ سنّی اختلاف کی قدیم و مسلسل تاریخ کا یہ نزاعی ورق نہ کھولیں گے اور اگر اس کو کتاب

---

[1] کتاب الخراج امام ابو یوسف ص۵۰

غالیانہ اور گمراہانہ افکار و نظریات کے قبول کرنے کی زیادہ صلاحیت تھی اس لیے یہاں اس گروہ کو اپنے مشن میں زیادہ کامیابی حاصل ہوئی۔

شیعوں میں مختلف فرقے :

یہاں تک جو کچھ عرض کیا گیا یہ شیعیت کے آغاز کا مختصر تذکرہ تھا چونکہ یہ دعوت و تحریک خفیہ طور پر اور سرگوشیوں کے ذریعہ چلائی جا رہی تھی، اس لیے اس سے متاثر ہونے والے سب ایک ہی خیال اور عقیدے کے نہیں تھے۔ اس کے داعی جس سے جو بات اور جتنی بات کہنا مناسب سمجھتے وہی کہتے اور اگر وہ قبول کر لیتا تو بس وہی اس کا عقیدہ بن جاتا۔۔۔ اس وجہ سے ان میں ایسے لوگ بھی تھے جو حضرت علیؓ کی الوہیت یا ان کے اندر خداوندی رُوح کے حلول کے قائل تھے اور ایسے بھی تھے جو اُن کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے بھی افضل و اعلیٰ اور نبوت و رسالت کا اصل مستحق سمجھتے تھے اور جبرئیل امین کی غلطی کے قائل تھے اور ایسے بھی تھے جو رسول اللہ صلعم کے بعد کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نامزد امام وامیر اور وصی رسول مانتے تھے اور اس بنا پر خلفاء ثلاثہ (حضرت ابوبکر، حضرت عمر و حضرت عثمان رضی اللہ عنہم) اور ان تمام صحابہ کرام کو جنھوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ان حضرات کو خلیفہ مانا اور دل سے ان کا ساتھ دیا۔ (معاذ اللہ) کافر و منافق یا کم از کم غاصب و ظالم اور غدار کہتے تھے۔ ان کے علاوہ بھی اسی طرح کے مختلف عقائد و نظریات رکھنے والے گروہ تھے۔ ان سب میں نقطۂ اشتراک حضرت علی مرتضیٰؓ کے بارے میں غلو تھا اور جیسا کہ معلوم ہو چکا اس غلو کے درجات مختلف تھے۔ ابتدائی دور میں یہ ایک دوسرے سے ممتاز الگ الگ فرقے نہیں بنے تھے۔ بعد میں مختلف اسباب سے جن کا مؤرخین نے ذکر کیا ہے ان کے مختلف فرقے بنتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ ان کی تعداد ستّر سے بھی اوپر پہونچ گئی ان کی کسی قدر تفصیل

"ملل ونحل" کے مطالعہ سے معلوم کی جاسکتی ہے، "تحفہ اثنا عشریہ" میں حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے بھی ان فرقوں اور ان کے عقائد و نظریات اور باہمی اختلافات کا ذکر فرمایا ہے۔ حضرت علیؓ کے بعد اماموں کی تعیین کے بارے میں بھی ان میں اتنے اختلافات ہیں کہ ان کو شمار کرنا مشکل ہے ـــــ ان میں بہت سے تو وہ ہیں جن کا غالباً اب دنیا میں کہیں وجود نہیں، تاریخ کی کتابوں کے اوراق ہی میں ان کا نام و نشان باقی رہ گیا ہے۔ لیکن چند فرقے مختلف ممالک میں ہمارے اس دور میں بھی پائے جاتے ہیں، ان میں تعداد کے لحاظ سے اور بعض دوسری حیثیتوں سے بھی "اثنا عشریہ" کو امتیاز اور اہمیت حاصل ہے اور ہم کو ان صفحات میں اسی فرقہ کے بارے میں عرض کرنا ہے کیونکہ روح اللہ خمینی صاحب اثنا عشری ہیں، اُن کا تصور اسلام ان کا مذہب اور ان کے عقائد و نظریات وہی ہیں جو اثنا عشریہ کی مسلّم بنیادی کتابوں میں بیان کیے گئے ہیں اور جن کو وہ اپنے "ائمہ معصومین" کی طرف منسوب کرتے اور ان کی تعلیم و تلقین یقین کرتے ہیں۔[1]

---

[1] اسلام میں شیعیت کے آغاز اور پھر شیعوں کے مختلف فرقوں کے بارے میں یہاں تک جو کچھ عرض کیا گیا اُس سے ناظرین کرام نے سمجھ لیا ہوگا کہ عبداللہ بن سبا نے شیعیت کی صرف بنیاد ڈالی اور تخم ریزی کی تھی، اس کے بعد شیعوں کے جو مختلف فرقے اور اُن کے مذاہب وجود میں آئے وہ عبداللہ بن سبا کے بلاواسطہ یا بالواسطہ فیض یافتہ لوگوں کی تصنیف ہیں۔ اثنا عشری مذہب بھی ایسے ہی کچھ لوگوں کی تصنیف ہے ـــــ راقم سطور کے علم میں ہے کہ شیعہ علماء و مصنفین عبداللہ بن سبا سے برائت ظاہر کرتے ہیں بلکہ قریبی زمانے کے بعض شیعہ مصنفین نے تو اس کو ایک فرضی ہستی قرار دیا ہے اور اس کے وجود ہی سے انکار کیا ہے لیکن یہ ایسی ہی بات ہے جیسے کہ کوئی دعویٰ کرنے لگے کہ کربلا میں حضرت حسینؓ کی شہادت کا جو واقعہ بیان کیا جاتا ہے وہ صرف افسانہ ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں۔ شیعوں کی اسماء الرجال کی مستند ترین کتاب "رجال کشی" میں عبداللہ بن سبا کا ذکر کیا گیا ہے اور متعدد سندوں سے امام جعفر صادق

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

اس مذہب کی تفصیلی واقفیت تو اس کی مستند کتابوں کے مطالعہ ہی سے حاصل ہو سکتی ہے یہاں ہم اس کے صرف چند اُن بنیادی عقائد کا ذکر کریں گے جن پر اثنا عشری مذہب کی بنیادیں قائم ہیں۔ ان کے مطالعہ سے ناظرین کو معلوم ہو جائے گا کہ ان کا تصور اسلام اور بنیادی عقائد کتاب وسنت اور جمہور امت سے کس قدر مختلف ہیں اور اس اختلاف کی نوعیت کیا ہے اور اس کو حنفی شافعی مالکی، حنبلی، اہل حدیث وغیرہ مسلمانوں کے مختلف مکاتب فکر کا سا اختلاف سمجھنے والے اور عوام کو یہ تاثر دینے والے حقیقت سے کتنے ناواقف ہیں اور دینی نقطۂ نظر سے وہ کتنی بڑی غلطی کر رہے ہیں اور دین کے معاملہ میں اپنے پر اعتماد کرنے والے مسلمانوں کی گمراہی کی کتنی عظیم ذمہ داری اپنے اوپر لے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انکو توفیق دے کہ وہ حقیقت حال کو سمجھیں اور جو غلطی ہو چکی اسکی تلافی و تدارک کی فکر کریں۔

(بقیہ صفحہ گزشتہ) سے روایت کیا گیا ہے کہ وہ حضرت علی کی الوہیت کا قائل تھا اور بالآخر حضرت علی نے اس کو آگ میں ڈلوا کر ختم کرا دیا۔ اور اسی رجال کشی میں آخری بات عبداللہ بن سبا کے بارہ میں یہ لکھی گئی ہے

ذکر بعض اهل العلم ان عبدالله	بعض اہل علم نے ذکر کیا ہے کہ عبداللہ بن سبا
بن سبا کان یهودیا فاسلم و	پہلے یہودی تھا پھر اسلام قبول کیا اور حضرت علی سے
والی علیاً علیه السلام وکان یقول	خاص تعلق کا اظہار کیا اور اپنی یہودیت کے زمانے میں
وهو علی یهودیته فی یوشع بن نون	وہ حضرت موسیٰ کے وصی یوشع بن نون کے
وصی موسیٰ بالغلو فقال فی	بارہ میں غلو کرتا تھا پھر اسلام میں آنے کے
اسلامه بعد وفات رسول الله صلی الله	بعد وہ اسی طرح کا غلو حضرت علی کے بارہ میں
علیه وسلم فی علی علیه السلام مثل ذلک	کرنے لگا اور وہ پہلا آدمی ہے جس نے
وکان اول من اشهر بالقول	حضرت علی کی امامت کے عقیدہ کی فرضیت کا
بفرض امامة علی واظهر البراءة	اعلان کیا اور ان کے دشمنوں سے برأت ظاہر کی
من اعدائه وکاشف مخالفیه	اور کھلم کھلا ان کی مخالفت کی اور انکو
واکفرهم (رجال کشی طبع بمبئی ص ۱۳۷)	کافر قرار دیا۔

اثنا عشریہ اور اس کی اساس و بنیاد

مسئلۂ امامت

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہمارے اکثر اہل علم بھی اس سے واقف نہیں ہیں کہ شیعہ اثنا عشریہ کے مسئلۂ امامت کی کیا حقیقت ہے اور ان کے نزدیک دین میں اس کا کیا مقام اور درجہ ہے ـــــ ان حضرات کے نزدیک یہ اسی طرح رکنِ ایمان ہے جس طرح عقیدۂ توحید، عقیدۂ رسالت، اور عقیدۂ قیامت و آخرت ـــــ

بہت اجمال و اختصار کے ساتھ اس مسئلۂ امامت کا ذکر پہلے بھی کیا جا چکا ہے اب ہم حسبِ وعدہ اس کی بقدرِ ضرورت تفصیل اثنا عشری حضرات کی مسلّم بنیادی کتابوں اور ان کے ائمہ معصومین کے ارشادات سے پیش کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کتابی بیانات اور ائمہ کے ان ارشادات کا حاصل پہلے اپنے الفاظ میں عرض کر دیا جائے۔ امید ہے کہ اس کے بعد ہمارے اُن ناظرین کے لیے بھی جو مذہب شیعہ اور اس کے مسئلہ امامت کی حقیقت سے بالکل ناواقف ہیں، آگے پیش کیے جانے والے ائمہ کے بیانات و ارشادات سے اس مسئلہ کی تفصیلات کا سمجھنا انشاء اللہ آسان ہو جائے گا۔

اثنا عشریہ کا عقیدہ بلکہ کہنا چاہیے کہ ایمان ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی صفتِ عدل اور حکمت و رحمت کے لازمی تقاضے سے نبوت و رسالت کا سلسلہ جاری فرمایا تھا اور بندوں کی ہدایت و رہنمائی اور ان کی قیادت و سربراہی کے لیے اس کی طرف سے

انبیاء ورسل علیہم السلام مبعوث اور نامزد ہو کر آتے تھے جو معصوم اور مفترض الطاعۃ ہوتے تھے اور اُن کی بعثت ودعوت ہی سے بندوں پر اللہ کی حجت قائم ہوتی تھی اور وہ ثواب یا عذاب کے مستحق ہوتے تھے، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد سے بندوں کی ہدایت ورہنمائی اور سربراہی کے لیے اور اُن پر حجت قائم کرنے کے لیے **امامت** کا سلسلہ قائم فرمادیا ہے اور قیامت تک کے لیے بارہ[۱۲] امام نامزد کردیے ہیں، بارہویں امام پر دنیا کا خاتمہ اور قیامت ہے ___ یہ بارہ امام انبیاء علیہم السلام ہی کی طرح اللہ کی حجت معصوم اور مفترض الطاعۃ ہیں اور مرتبہ اور درجہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر اور دوسرے تمام انبیاء علیہم السلام سے افضل وبرتر اور بالاتر ہیں۔ اِن اماموں کی اس **امامت** کو ماننا اور اس پر ایمان لانا اسی طرح نجات کی شرط ہے جس طرح انبیاء علیہم السلام کی نبوت ورسالت کو ماننا اور ان پر ایمان لانا شرط نجات ہے۔

ان بارہ میں پہلے امام حضرت علی[۱] مرتضیٰ تھے، جیسا کہ مختصراً پہلے عرض کیا جاچکا ہے امامت کے منصب پر اُن کی نامزدگی کا اعلان خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات سے قریباً اسّی دن پہلے اپنے آخری حج (حجۃ الوداع) سے واپسی میں اللہ تعالیٰ کے تاکیدی حکم سے غدیرخم کے مقام پر کیا تھا ___ اسی طرح اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے اُن کے بعد کے لیے اُن کے بڑے بیٹے حضرت[۲] حسن اس منصب کے لیے نامزد کردیے گئے تھے اور ان کے بعد کے لیے ان کے چھوٹے بھائی حضرت[۳] حسین۔ پھر ان کے بعد کے لیے ان کے بیٹے حضرت علی[۴] بن الحسین (امام زین العابدین) اُن کے بعد کے لیے ان کے بیٹے محمد[۵] بن علی (امام باقر) ان کے بعد کے لیے ان کے بیٹے جعفر[۶] صادق ان کے بعد کے لیے ان کے بیٹے موسیٰ[۷] کاظم۔ ان کے بعد کے لیے ان کے بیٹے علی بن[۸] موسیٰ رضا۔ ان کے بعد کے لیے ان کے بیٹے محمد بن[۹] علی تقی۔ ان کے بعد کے لیے ان کے بیٹے علی بن[۱۰] محمد نقی۔ ان کے بعد کے لیے ان کے بیٹے حسن بن[۱۱] علی عسکری۔ ان کے بعد کے لیے بارہویں اور آخری امام

١٢ محمد بن الحسن (امام غائب مہدی) جو شیعی عقیدے کے مطابق اب سے قریباً ساڑھے گیارہ سو سال پہلے ۲۵۵ھ یا ۲۵۶ھ میں پیدا ہو کر ۴ یا ۵ سال کی عمر میں معجزانہ طور پر غائب ہو گئے اور اب تک زندہ ایک غار میں روپوش ہیں ـــــ ان پر امامت کا سلسلہ ختم ہو گیا[1] ـــــ اور چونکہ شیعی عقیدہ کے مطابق دنیا میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر اور نامزد زندہ امام کا رہنا ضروری ہے، جو بندوں کے لیے اللہ کی حجت ہو اور یہ اللہ تعالیٰ کی ذمہ داری ہے، اس لیے وہ قیامت تک زندہ رہیں گے اور قیامت سے پہلے کسی وقت غار سے برآمد اور ظاہر ہوں گے اور اپنے ساتھ وہ اصلی قرآن جو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مرتب فرمایا تھا (جو موجودہ قرآن سے مختلف ہے) اور مصحفِ فاطمہ وغیرہ بندوں کی ہدایت کا وہ سارا سامان اور علوم کا وہ سارا خزانہ الجفر اور الجامعہ وغیرہ جو اُن سے پہلے تمام ائمہ سے وراثۃً اُن کو ملا تھا وہ ساتھ لے کر آئیں گے ۔

شیعہ اثنا عشریہ کے عقیدے اور اُن کے ائمہ معصومین کے ارشادات کے مطابق جیسا کہ عرض کیا گیا یہ بارہ حضرات اللہ تعالیٰ کی طرف سے نامزد امام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصلی خلیفہ و جانشین تھے ۔ یہ سب نبیوں رسولوں کی طرح معصوم تھے، ان کی اطاعت اسی طرح فرض تھی اور فرض ہے جس طرح رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور دوسرے سب نبیوں رسولوں کی اطاعت ان کے اُمتیوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرض کی گئی تھی ۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ ائمہ ہی بندوں پر اللہ کی حجت ہیں ۔ ان کا مقام اور درجہ یہ ہے کہ دنیا انہی کے دم سے قائم ہے، اگر ذرا سے وقت کے لیے بھی

---

[1] ملحوظ رہے کہ یہ اثنا عشری عقیدہ کا بیان ہے ۔ تاریخی شہادت اور تحقیقی بات یہ ہے کہ حسن بن علی عسکری کا کوئی بیٹا پیدا ہی نہیں ہوا ۔ ان کے حقیقی بھائی جعفر بن علی کا یہی بیان ہے اور اسی وجہ سے حسن بن علی کی میراث انہی کو ملی تھی ۔

یہ دنیا امام سے خالی ہو جائے تو زمین دھنس جائے اور یہ ساری کائنات فنا ہو جائے۔
یہ سب ائمہ صاحبِ معجزات تھے، ان کے پاس اسی طرح ملائکہ آتے تھے جس طرح انبیاء علیہم السلام کے پاس آیا کرتے تھے۔ ان کو معراج بھی ہوتی تھی۔ ان پر اللہ کی طرف سے کتابیں بھی نازل ہوتی تھیں۔ یہ سب حضرات عالم ما کان وما یکون تھے۔ تمام انبیاء علیہم السلام کے علوم کے جامع تھے۔ ان کے پاس قدیم آسمانی کتابیں توراۃ، زبور، انجیل وغیرہ اپنی اصل شکل میں موجود تھیں اور وہ ان کو اُن کی زبانوں میں پڑھتے تھے۔ ان کے پاس بہت سے وہ علوم بھی تھے جو قرآن یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ نہیں بلکہ براہ راست اللہ تعالیٰ سے یا دوسرے خاص ذرائع سے حاصل ہوتے تھے۔ ان کو اختیار تھا کہ جس چیز یا جس عمل کو چاہیں حلال یا حرام قرار دیں۔ ان میں سے ہر ایک کو اپنی موت کا وقت بھی معلوم تھا اور ان کی موت خود ان کے اختیار میں تھی ——

مسئلہ امامت اور ائمہ معصومین کے بارے میں یہاں تک جو کچھ عرض کیا گیا وہ ہمارے اپنے الفاظ میں حاصل اور خلاصہ ہے ائمہ معصومین کے اُن ارشادات اور روایات کا جو اثنا عشریہ کی مستند ترین کتابوں میں محفوظ ہیں۔ راقم سطور کو یہ سب کچھ انہی کے مطالعہ سے معلوم ہوا ہے۔ وہ روایات اور ائمہ معصومین کے وہ ارشادات انہی کے الفاظ میں ناظرین کرام آئندہ صفحات میں ملاحظہ فرمائیں گے ان سے ناظرین کرام کو ان ائمہ کے اور بھی بہت سے عجیب و غریب کمالات اور امتیازات معلوم ہوں گے۔ جن کی طرف یہاں اشارہ بھی نہیں کیا جا سکا ہے۔

ہمارا ارادہ اس مقالہ میں شیعی عقائد و مسائل پر بحث و تنقید کا نہیں ہے بلکہ ہم ان کو جوں کا توں ناظرین کے سامنے پیش کر دینا چاہتے ہیں —— اور جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے اس مقالہ میں ہمارے مخاطب اہل سنت ہی کے وہ اصحاب علم اور وہ دانشور حضرات ہیں جو شیعیت سے واقف نہیں اور ان کو اپنی اس ناواقفیت کا احساس

بھی نہیں، اس وجہ سے وہ بڑی بڑی غلطیاں کر رہے ہیں اور اس سے دین کو اور امت مسلمہ کو شدید نقصان پہنچ رہا ہے۔

اب ہم ناظرین کرام کے سامنے اثناعشری حضرات کی مستند کتابوں سے مسئلہ امامت سے متعلق ان کے ائمہ معصومین کے وہ ارشادات اور وہ روایات پیش کریں گے جن میں وہ سب کچھ کہا گیا ہے جو ہم نے اوپر کی سطروں میں اپنے الفاظ میں عرض کیا ہے۔

اس موقع پر شیعہ اثناعشریہ کی کتب حدیث و روایات کے بارہ میں اپنے ناظرین کو یہ بتلا دینا ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ جس طرح ہم اہل سنت کے یہاں صحیح بخاری و صحیح مسلم وغیرہ احادیث نبوی کے مجموعے ہیں جن میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور آپ کے اعمال و افعال اور واقعات و احوال سندوں کے ساتھ روایت کیے گئے ہیں۔ اسی طرح شیعہ اثناعشریہ کے ہاں بھی احادیث و روایات کی کتابیں ہیں لیکن ان میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کا حصہ تو بہت ہی کم بلکہ کہا جاسکتا ہے کہ شاذ و نادر ہی ہے (شاید فی صد ہو) زیادہ تر ائمہ معصومین ہی کے ارشادات اور اعمال و احوال اپنی سندوں کے ساتھ روایت کیے گئے ہیں — اور شیعی نقطۂ نظر سے ایسا ہی ہونا بھی چاہیے کیونکہ ان کے نزدیک اب قیامت تک کے لیے وہی بندوں کے لیے اللہ کی حجت اور اس کے نمائندہ و ترجمان اور امت کے واسطے ہدایت کا وسیلہ ہیں اور جیسا کہ عرض کیا گیا ان کا درجہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے برابر اور دوسرے تمام نبیوں رسولوں سے برتر و بالاتر ہے۔

شیعہ اثناعشریہ کی ان کتب حدیث میں اُن کے نزدیک سب سے زیادہ مستند و معتبر اور قابل اعتماد ابو جعفر یعقوب کلینی رازی (متوفی ۳۲۸ھ) کی "الجامع الکافی" ہے۔ صحت و استناد کے لحاظ سے ان کے نزدیک اس کا درجہ وہی ہے جو

ہم اہل سنت کے نزدیک صحیح بخاری کا ہے، یا اس سے بھی کچھ زیادہ[1] ـــــ ہمارے سامنے اس کا وہ اڈیشن ہے جو اب سے ایک سو دو[(۱۰۲)] سال پہلے ۱۳۰۲ھ میں مطبع نولکشور لکھنؤ سے شائع ہوا تھا۔ ہم جو کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں زیادہ تر اسی کے حوالہ سے عرض کریں گے۔ یہی اثنا عشری مذہب کا سب سے زیادہ مستند ماخذ ہے، اس کی چار جلدیں ہیں، ڈھائی ہزار کے قریب صفحات ہیں، سولہ ہزار سے زیادہ روایات ہیں۔

اب ناظرین کرام کتب شیعہ کی وہ روایات اور اُن کے ائمہ معصومین کے وہ ارشادات ملاحظہ فرمائیں جن میں مسئلہ امامت اور ائمہ کے بارے میں اثنا عشری عقیدہ صراحت اور وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے ـــــ ہم حسب ضرورت عنوانات قائم کر کے روایات پیش کریں گے۔

---

[1] یہ بات ہم نے اس لئے کہی ہے کہ اس کتاب "الجامع الکافی" کے مصنف یا جامع ابو جعفر محمد بن یعقوب کلینی رازی نے وہ زمانہ پایا ہے جو اثنا عشریہ کی اصطلاح میں "غیبتِ صغریٰ" کا زمانہ کہلاتا ہے، یعنی جس زمانے میں (شیعی عقیدہ کیمطابق) امام غائب امام مہدی کے پاس انکے خاص محرم راز سفیروں کی آمد و رفت ہوتی تھی، علمائے اثنا عشریہ میں مشہور ہے اور انکی بعض کتابوں میں بھی لکھا ہے کہ ابو جعفر محمد بن یعقوب کلینی نے یہ کتاب مرتب کرنیکے بعد ایک سفیر کے ذریعہ امام غائب کے پاس بھیجی، انھوں نے اس کو ملاحظہ فرما کر اس کی توثیق و تصدیق فرمائی اور بیان کیا جاتا ہے کہ فرمایا "ھٰذا کافٍ لشیعتنا" (یہ ہمارے شیعوں کے لیے کافی ہے) اس مشہور روایت یا حکایت کی بنا پر یہ کتاب ایک امام معصوم کی مصدقہ ہے جب کہ ہم اہل سنت کے نزدیک صحیح بخاری کسی معصوم ہستی کی مصدقہ نہیں ہے (واضح رہے کہ ان سطروں میں "امام غائب" ان کی غیبت صغریٰ اور سفیروں کی خفیہ آمد و رفت کے بارے میں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ اثنا عشری حضرات کا عقیدہ ہے ـــــ رہا یہ سوال کہ حقیقت اور واقعہ کیا ہے؟ تو اس کا جواب ناظرین کو انشاء اللہ اسی مقالہ کے آئندہ صفحات میں وہاں مل جائے گا جہاں "امام غائب" اور ان کی غیبت کے بارے میں تفصیل سے لکھا جائے گا)۔

مسئلہ امامت کے متعلق کتب شیعہ کی روایات اور ائمہ معصومین کے ارشادات

مخلوق پر اللہ کی حجت امام کے بغیر قائم نہیں ہوتی

اصول کافی کتاب الحجہ میں ایک باب ہے جس کا عنوان ہے ان الحجۃ لا تقوم للہ علی خلقہ الا بامام (اس کا مطلب یہی ہے جو عنوان میں لکھا گیا ہے) ـــــ اس باب میں سند کے ساتھ چھٹے امام جعفر صادق سے روایت کیا گیا ہے کہ آپ نے فرمایا۔

ان الحجۃ لاتقوم للہ عزوجل	اللہ کی حجت اس کی مخلوق پر قائم نہیں
علی خلقہ الا بامام حتی	ہوتی بغیر امام کے تاکہ اس کے ذریعہ اللہ
یعرف ۔ اصول کافی ص۱۰۳	کی اور اس کے دین کی معرفت حاصل ہو۔

اس باب میں اسی مضمون کی قریب قریب ان ہی الفاظ میں متعدد روایات ہیں ۔

امام کے بغیر یہ دنیا قائم نہیں رہ سکتی

اصول کافی میں مندرجہ بالا باب کے بعد متصلاً دوسرا باب ہے جس کا عنوان ہے "باب ان الارض لا تخلو من حجۃ" (دنیا حجت یعنی امام سے خالی نہیں رہ سکتی) اس باب میں اس مضمون کی متعدد روایتیں ہیں جو پوری سند کے ساتھ روایت کی گئی ہیں ان میں سے صرف دو یہاں درج کی جاتی ہیں۔

عن ابی حمزۃ قال قلت لابی	ابو حمزہ سے روایت ہے کہ میں نے امام
عبداللہ تبقی الارض بغیر امام؟	جعفر صادق سے عرض کیا کہ کیا یہ زمین

سے جُدا نہیں کرسکتے تو کم سے کم اس کو الٹیں گے نہیں اور اگر فرقہ امامیہ کے ان عقائد سے کسی سیاسی یا مقامی مصلحت سے برأت کا اعلان نہیں کرسکتے تو کم سے کم اُن کا اظہار و اعلان نہ کریں گے بلکہ ان جیسے جری سر بکف دینی پیشوا سے (جس نے اپنی بے خوفی، عواقب و نتائج سے بے پرواہی اور آتش بیانی سے اس سلطنت پہلوی کا تختہ الٹ دیا جس کی فوجی طاقت اور اپنی بقاء و استحکام کیلئے وسیع انتظامات دُنیا کو معلوم ہیں) امیّد تھی کہ وہ اخلاقی جرأت اور اتحاد مسلمین کی خاطر اور اپنے گہرے فکر و مطالعہ کی بنیاد پر یہ اعلان کردے گا کہ یہ عقائد جو اسلام کی بنیاد پر تیشہ چلاتے ہیں اور اس کو دنیا میں بدنام اور بے اعتبار کرتے ہیں اور جو غیر مسلمین کو دعوت دینے کے راستہ میں سنگِ گراں[1] ہیں اور جو قرنِ اوّل اور صحابہؓ کے عہد کی ایک دشمنِ اسلام چالاک سازش کے نتیجہ میں اور صدیوں کی قائم شدہ ایرانی شہنشاہی کے زوال کے انتقام کے جذبہ سے بروئے کار آئے تھے، اب ان کی نہ ضرورت ہے، نہ گنجائش ہم کو اب اسلام کا اقتدار قائم کرنے، ممالکِ اسلامیہ کی اصلاح و مسلم معاشرہ سے فساد دُور کرنے کے لئے اب ماضی کو بھول جانا چاہیئے، اور ایک نئے سفر کا آغاز کرنا چاہیئے جس میں اسلام کی ماضی و حال کی تابناک تصویر دُنیا کے سامنے آئے اور دنیا کی دوسری قومیں اسلام کی طرف مائل ہوں۔

لیکن توقعات اور آثار و قرائن کے بالکل برخلاف ان کے قلم کی خود دہ تحریریں اور رسائل اور کتابیں سامنے آئیں جن میں انھوں نے پوری صفائی اور طاقت کے ساتھ انھیں شیعی عقائد کا اظہار کیا ہے، ان کی کتاب الحکومۃ الاسلامیۃ (ولایۃ الفقیہ) میں امامت اور ائمہ کے بارے میں وہی خیالات ظاہر کئے گئے ہیں جو ان کو مقامِ الوہیت تک پہنچاتے ہیں اور ان کو انبیاء و رسل اور ملائکہ سے افضل ثابت کرتے ہیں اور یہ کہ کائنات

---

[1] اس لئے کہ ان کا ماحصل یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ کی جماعت میں جسکی تعداد صرف حجۃ الوداع میں ایک لاکھ سے زائد بتائی جاتی ہے اپنے پیغمبر کی آنکھ بند ہونے کے بعد صرف چار آدمی اسلام پر قائم رہے باقی سب نے معاذ اللہ ارتداد کا راستہ اختیار کیا، قرآن مجید سرتاپا محرف و تبدیل شدہ ہے ائمہ اہلبیت (اَزرُوئے تقیہ جو دینی فریضہ اور عزیمت ہے) حق کے چھپانے والے، اصل قرآن کو پوشیدہ رکھنے والے، ہر خطرہ و اندیشہ سے دور رہنے والے اور اپنے متبعین کو اسی کی تلقین کرنے والے تھے (ملاحظہ ہو فرقہ اثنا عشریہ کی معتبر کتابیں اصول کافی، فصل الخطاب اور خود علامہ خمینی کی تصنیفات "الحکومۃ الاسلامیۃ و کشف الاسرار" یا زیرِ نظر کتاب "ایرانی انقلاب امام خمینی اور شیعیت" از مولانا محمد منظور صاحب نعمانی۔

قال لو بقیت الارض بغیر	بغیر امام کے باقی اور قائم رہ سکتی ہے؟
امام لساخت	انھوں نے فرمایا کہ اگر زمین امام کے بغیر باقی رہے
اصول کافی ص ۱۰۴	گی تو دھنس جائیگی (قائم نہیں رہ سکے گی)

عن ابی جعفر قال لو ان	امام باقر سے روایت ہے انھوں نے فرمایا
الامام رفع من الارض ساعة	کہ اگر امام کو ایک گھڑی کے لیے بھی زمین سے
لماجت باھلھا کما یموج	اٹھالیا جائے تو وہ اپنی آبادی کے ساتھ ایسے
البحر باھله	ڈولے گی جیسے سمندر میں موجیں آتی ہیں۔

اماموں کو پہچاننا اور ماننا شرط ایمان ہے

اسی اصول کافی میں ایک باب کا عنوان ہے "باب معرفة الامام والرد الیہ" اس باب میں ایک روایت ہے۔

عن احدھما انه قال لایکون	امام باقر یا امام جعفر صادق سے روایت
العبد مومنا حتی یعرف الله	ہے انھوں نے فرمایا کہ کوئی بندہ مومن نہیں
ورسوله والائمة کلھم	ہو سکتا جب تک وہ اللہ اور اس کے رسول
وامام زمانه	کی اور تمام ائمہ اور خاص کر اپنے زمانہ کے
اصول کافی ص ۱۰۵	امام کی معرفت حاصل نہ کرے۔

اسی باب میں پوری سند کے ساتھ ایک دوسری روایت ہے۔

عن ذریح قال سالت ابا	ذریح سے روایت ہے انھوں نے
عبد الله عن الائمة بعد النبی	بیان کیا کہ میں نے امام جعفر صادق سے
صلی الله علیه وسلم فقال کان	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ائمہ

امیر المومنین علیہ السلام اماما
ثم کان الحسن اماما ثم کان
الحسین اماما ثم کان علی بن
الحسین اماما ثم کان محمد بن علی
اماما من انکر ذالك کان کمن
انکر معرفة الله تبارك وتعالیٰ
ومعرفة رسول الله...
اصول کافی ص۱۰۶

کے بارے میں دریافت کیا تو انھوں نے
فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امیر المومنین
علیہ السلام امام تھے، ان کے بعد حسن امام تھے
ان کے بعد حسین امام تھے، ان کے بعد علی
بن الحسین امام تھے ان کے بعد محمد بن علی
(امام باقر) امام تھے جو اس کا انکار کرے
وہ اس منکر کی طرح ہے جو اللہ تبارک و
تعالیٰ اور اس کے رسول کی معرفت کا انکار کرے۔

امامت اور اماموں پر ایمان لانے کا اور اسکی تبلیغ کا حکم سب پیغمبروں اور سب آسمانی کتابوں کے ذریعہ آیا ہے

اصول کافی ہی میں امام جعفر صادق سے روایت ہے۔

قال ولایتنا ولایة الله
التی لم یبعث نبی قط الا بها
اصول کافی ص۲۷۶

آپ نے فرمایا ہماری ولایت (یعنی بندوں
پر اور مخلوق پر ہماری حاکمیت) بعینہ اللہ
تعالیٰ کی ولایت وحاکمیت ہے جو نبی بھی
اللہ کی طرف سے بھیجا گیا وہ اس کا اور اس کی تبلیغ کا حکم لے کر بھیجا گیا۔

آگے اسی صفحہ پر امام جعفر صادق کے صاحبزادے ساتویں امام ابو الحسن موسیٰ کاظم سے روایت ہے۔

قال ولایة علیؑ مکتوبة فی

آپ نے فرمایا کہ علی علیہ السلام کی ولایت

جمیع صحف الانبیاء ولن یبعث اللہ رسولا الا بنبوۃ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ ووصیۃ علی علیہ السلام۔

اصول کافی ص۲۷۶

(یعنی امامت وحاکمیت) کا مسئلہ انبیاء علیہم السلام کے تمام صحیفوں میں لکھا ہوا ہے اور اللہ نے کوئی ایسا رسول نہیں بھیجا جو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نبی ہونے پر اور علی علیہ السلام کے وصی ہونے پر ایمان لانے کا حکم نہ لایا ہو اور اُس نے اس کی تبلیغ نہ کی ہو۔

اللہ اور اس کے رسولوں کے ساتھ جس مُنزّل من اللہ نور پہ ایمان لانے کا حکم قرآن میں دیا گیا ہے اس سے مراد ائمہ ہیں

اصول کافی میں ایک باب ہے "ان الائمۃ نور اللہ عزوجل" اس باب کی پہلی روایت ہے۔

عن ابی خالد الکابلی سألت اباجعفر عن قول اللہ عزوجل "اٰمنوا باللہ ورسلہ والنور الذی انزلنا" فقال یا ابا خالد النور واللہ الائمۃ۔

اصول کافی ص۱۱۱

ابو خالد کابلی سے روایت ہے کہ میں نے امام باقر سے اس آیت کے بارہ میں دریافت کیا "اٰمنوا باللہ ورسلہ والنور الذی انزلنا" (ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسولوں پر اور اس نور پر جو ہم نے نازل کیا ہے) تو امامؑ نے فرمایا کہ اے ابو خالد! خدا کی قسم اس نور سے مراد ائمہ ہیں۔

قرآن مجید میں جہاں جہاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کیے جانے والے نور کا ذکر ہے ساری امت کے نزدیک اور ہر اس شخص کے نزدیک جس کو عربی زبان کی شُد بُد بھی

ہو اس سے مراد قرآن پاک ہے جو منزل من اللہ نور ہدایت ہے اور اللہ و رسول کے ساتھ اس پر بھی ایمان لانے کا حکم دیا گیا ہے (ان تمام آیتوں کا سیاق سباق بھی یہی بتلاتا ہے) لیکن شیعی روایات میں امام باقر، امام جعفر صادق اور امام موسیٰ کاظم، سب سے یہی نقل کیا گیا ہے کہ ان آیتوں میں "نور من اللہ" سے قرآن نہیں بلکہ شیعہ حضرات کے بارہ امام مراد ہیں اور اللہ و رسول کے ساتھ ان ہی پر ایمان لانے کا حکم دیا گیا ہے۔

اماموں کی اطاعت فرض ہے

اسی اصول کافی کتاب الحجۃ کے ایک باب کا عنوان ہے "باب فرض طاعۃ الائمۃ" اس باب کی ایک روایت ہے۔

عن ابی الصباح قال اشھد انی سمعت اباعبد اللہ یقول اشھد ان علیا امام فرض اللہ طاعتہ، وان الحسن امام فرض اللہ طاعتہ وان الحسین امام فرض اللہ طاعتہ وان علی بن الحسین امام فرض اللہ طاعتہ وان محمد بن علی امام فرض اللہ طاعتہ۔	ابو الصباح سے روایت ہے انھوں نے کہا میں شہادت دیتا ہوں کہ میں نے امام جعفر صادق سے سنا وہ فرماتے تھے کہ میں شہادت دیتا ہوں کہ علی امام ہیں اللہ نے ان کی اطاعت فرض کی ہے اور حسن امام ہیں اللہ نے ان کی اطاعت فرض کی ہے اور حسین امام ہیں ان کی اطاعت اللہ نے فرض کی ہے اور علی بن حسین (زین العابدین) امام ہیں ان کی اطاعت اللہ نے فرض کی ہے اور ان کے بیٹے محمد بن علی (امام باقر) امام ہیں اللہ نے ان کی اطاعت فرض کی ہے۔
اصول کافی ص ۱۰۹	

نیز اصول کافی کے اس باب میں امام جعفر صادق ہی سے روایت ہے کہ فرماتے تھے۔

نحن الذین فرض اللہ طاعتنا لا یسع الناس الا معرفتنا ولا یعذر الناس بجہالتنا من عرفنا کان مومنا ومن انکرنا کان کافرًا ومن لم یعرفنا ولم ینکرنا کان ضالاً حتیٰ یرجع الی الھدیٰ الذی افترض اللہ علیہ من طاعتنا الواجبۃ۔

صہ۱۱

ہم وہ ہیں کہ اللہ نے ہماری اطاعت فرض کی ہے، سب لوگوں کے لیے ہم کو پہچاننا اور ماننا ضروری ہے ہمارے بارے میں ناواقفیت کی وجہ سے لوگ معذور قرار نہیں دیے جائیں گے، جو ہم کو پہچانتا اور مانتا ہے وہ مومن ہے اور جو انکار کرتا ہے وہ کافر ہے اور جو ہم کو نہیں پہچانتا اور انکار بھی نہیں کرتا وہ گمراہ ہے یہاں تک کہ وہ راہ راست پر آجائے اور ہماری وہ اطاعت قبول کرلے جو فرض ہے۔

اسی مضمون کی ایک روایت امام جعفر صادق کے والد ماجد امام باقر سے بھی روایت کی گئی ہے اس کے آخر میں ہے کہ امام باقر نے ائمہ کی امامت اور ان کی اطاعت کی فرضیت کا بیان کرنے کے بعد فرمایا۔ "ھٰذا دین اللہ ودین ملائکتہ" (یہی اللہ کا اور اس کے فرشتوں کا دین ہے) اصول کافی صہ۱۱

ائمہ کی اطاعت رسولوں ہی کی طرح فرض ہے

عن ابی الحسن العطار قال سمعت اباعبد اللہ یقول اشرک بین الاوصیاء والرسل فی الطاعۃ۔ اصول کافی صہ۱۱

ابوالحسن عطار سے روایت ہے کہ میں نے امام جعفر صادق سے سنا فرماتے تھے کہ اوصیاء (یعنی ائمہ) کو اطاعت میں رسولوں کے ساتھ شریک کرو (یعنی جس طرح رسولوں

کی اطاعت فرض ہے، اسی طرح اماموں کی اطاعت فرض سمجھو)

اصول کافی کے شارح علامہ قزوینی نے اس روایت کی شرح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "اشرك" امر کا صیغہ بھی ہو سکتا ہے اور ماضی مجہول واحد غائب کا صیغہ بھی ہو سکتا ہے دونوں صورتوں میں حاصل مطلب وہی ہوگا جو ترجمہ میں لکھا گیا ہے۔

الصافی شرح اصول کافی جزء سوم حصہ اول ص

ائمہ کو اختیار ہے جس چیز کو چاہیں حلال یا حرام قرار دیں

اصول کافی کتاب الحجہ باب مولد النبی صلے اللہ علیہ وسلم میں محمد بن سنان سے روایت ہے کہ میں نے ابو جعفر ثانی (محمد بن علی تقی) سے حلال و حرام کے بارے میں شیعوں کے باہمی اختلاف کے متعلق دریافت کیا کہ اس کا کیا سبب ہے؟ تو آپ نے فرمایا۔

یا محمد ان الله تبارك وتعالى	اے محمد اللہ تعالیٰ ازل سے اپنی وحدانیت
لم یزل منفرداً بوحدانیته	کے ساتھ منفرد رہا پھر اس نے محمد اور علی اور
ثم خلق محمداً وعلیاً وفاطمة	فاطمہ کو پیدا کیا پھر یہ لوگ ہزاروں قرن
فمکثوا الف دهر ثم خلق جمیع	ٹھہرے رہے اس کے بعد اللہ نے دنیا کی
الاشیاء فاشهدهم خلقها	تمام چیزوں کو پیدا کیا پھر ان مخلوقات کی
واجری طاعتهم علیها وفوض	تخلیق پر ان کو شاہد بنایا اور ان کی
امورها الیهم، فهم یحلون ما	اطاعت اور فرمانبرداری ان تمام مخلوقات
یشاؤن ویحرمون ما یشاؤن	پر فرض کی اور ان کے تمام معاملات ان کے
ولن یشاؤا الا ان یشاء	سپرد کر دیے تو یہ حضرات جس چیز کو چاہتے ہیں
الله تبارك وتعالى۔	حلال کر دیتے ہیں اور جس چیز کو چاہتے

اصول کافی ص۲۷۸ | ہیں حرام کر دیتے ہیں اور یہ نہیں چاہتے مگر وہ جو اللہ تبارک و تعالیٰ چاہتا ہے۔

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ علامہ قزوینی نے اس حدیث کی شرح میں تصریح کی ہے کہ یہاں محمد اور علی اور فاطمہ سے مراد یہ تینوں حضرات اور ان کی نسل سے پیدا ہونے والے تمام ائمہ ہیں۔ (الصافی شرح اصول کافی جزء سوم حصہ دوم ص۱۴۹)

بہر حال امام ابوجعفر ثانی محمد بن علی تقی (جو نویں امام ہیں) ان کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ ائمہ کو چونکہ یہ اختیار دیا گیا ہے کہ وہ جس چیز کو چاہیں حلال یا حرام قرار دیں تو اس اختیار کے ماتحت کسی چیز یا کسی عمل کو ایک امام نے حلال قرار دیا اور دوسرے نے حرام قرار دے دیا تو اس وجہ سے ہمارے شیعوں کے درمیان چیزوں کی حلّت و حرمت کے بارے میں اختلافات پیدا ہو گئے۔

ائمہ انبیاء علیہم السلام کی طرح معصوم ہوتے ہیں

اصول کافی میں ایک باب ہے "باب نادر جامع فی فضل الامام وصفاتہ" اس باب میں آٹھویں امام علی بن موسیٰ رضا علیہ السلام کا ایک طویل خطبہ ہے اس میں ائمہ کے فضائل و خصائص بیان کرتے ہوئے بار بار ان کی معصومیت کی تصریح کی گئی ہے ایک جگہ فرمایا گیا ہے۔

الامام المطھر من الذنوب و المبرأ من العیوب | امام ہر طرح کے گناہوں اور عیوب سے پاک اور مبرا ہوتا ہے۔

آگے اسی خطبہ میں امام کے بارے میں ہے۔

فھو معصوم مؤید، موفق | وہ معصوم ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کی خاص

مسدد قد امن من الخطاء	تائید و توفیق اس کے ساتھ ہوتی ہے،
والزلل والعثار، یخصه الله	اللہ اس کو سیدھا رکھتا ہے وہ غلطی
بذلك ليكون حجة على	بھول چوک اور لغزش سے محفوظ و مامون
عباده وشاهده على خلقه	ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ معصومیت کی اس نعمت
اصول کافی ص ۱۲۱، ۱۲۲	کے ساتھ اس کو مخصوص کرتا ہے تاکہ وہ

اس کے بندوں پر اس کی حجت ہو اور اس کی مخلوق پر شاہد ہو۔

ائمہ معصومین کے قیام حمل اور ان کی پیدائش کے بارے میں امام جعفر صادق کا عجیب و غریب بیان

اصول کافی میں ایک باب ہے "باب موالید الائمۃ علیہم السلام" اس میں ائمہ کی پیدائش سے متعلق عجیب و غریب روایتیں ہیں، اس باب کی سب سے پہلی روایت جو خاص طور سے قابل ذکر ہے بہت طویل ہے اس لیے اس کا صرف حاصل اور خلاصہ ہی ذیل میں درج کیا جارہا ہے (پورا متن اصل کتاب میں ملاحظہ فرمایا جاسکتا ہے)

امام جعفر صادق کے خاص محرم راز مرید جناب ابو بصیر نے بیان فرمایا کہ:۔

جس دن امام موصوف کے صاحبزادے امام موسیٰ کاظم پیدا ہوئے (جو ساتویں امام ہیں) اس دن امام ممدوح نے بیان فرمایا کہ ہر امام اور وصی کی پیدائش اس طرح ہوتی ہے کہ جس رات کو رحم مادر میں اُن کا حمل قرار پانا اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقدر ہوتا ہے اس رات میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک آنے والا (فرشتہ) نہایت لذیذ و نفیس شربت کا ایک گلاس لے کر ان کے والد کے پاس آتا ہے وہ ان کو پلا دیتا ہے اور پھر کہتا ہے کہ اب تم اپنی بیوی

سے ہمبستری کرو تو وہ ہمبستر ہوتے ہیں تو آئندہ پیدا ہونے والے امام کا حمل رحمِ مادر میں قرار پا جاتا ہے ـــــ اس موقع پر امام جعفر صادق نے تفصیل سے بیان فرمایا کہ میرے پردادا (امام حسینؑ) کے ساتھ یہی ہوا اور اس کے نتیجہ میں میرے دادا امام زین العابدینؑ پیدا ہوئے، پھر ان کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہوا اور اس کے نتیجہ میں ہمارے والد امام باقرؑ پیدا ہوئے، پھر اُن کے ساتھ بھی بالکل اسی طرح کا واقعہ ہوا اور اس کے نتیجہ میں میں پیدا ہوا اور جس رات کو میرے اس نومولود بیٹے (موسیٰ کاظمؑ) کا حمل میری بیوی کے رحم میں قرار پایا اس رات کو میرے ساتھ بھی یہی واقعہ پیش آیا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک آنے والا (فرشتہ) نہایت لذیذ و نفیس شربت کا گلاس لے کر میرے پاس آیا اور بیوی سے ہمبستری کے لیے مجھ سے کہا تو میں نے ہمبستری کی، تو میرے اس بیٹے موسیٰ کا حمل قرار پایا۔

اس روایت میں یہ بھی ہے کہ امام اور وصی جب بطن مادر سے باہر آتے ہیں تو اس طرح آتے ہیں کہ ان کے ہاتھ زمین پر ہوتے ہیں اور سر آسمان کی طرف اُٹھا ہوتا ہے ـــــ ملخصاً اصول کافی ص۲۴۴

اسی باب کی آخری روایت بھی ناظرین کرام ملاحظہ فرمالیں۔

عام انسانی فطرت کے خلاف اماموں کی دس خصوصیات

جناب زُرارہ راوی ہیں کہ امام باقرؑ نے فرمایا۔

للامام عشر علامات یولد مطهراً	امام کی دس خاص نشانیاں ہیں وہ
مختوناً واذا وقع علی الارض	بالکل پاک صاف پیدا ہوتا ہے اور ختنہ شدہ

وقع علیٰ راحتیہ رافعاً صوتہ بالشھادتین ولا یجنب و تنام عیناہ ولا ینام قلبہ ولا یتثاوب ولا یتمطی ویری من خلفہ کما یری من امامہ ونجوہ کرائحۃ المسك و الارض مامورۃ بسترہ و ابتلاعہ واذا لبس درع رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ کانت وفقاً واذا لبسھا غیرہ من الناس طویلھم وقصیرھم زادت علیہ شبرًا۔ اصول کافی ص۲۴۶	پیدا ہوتا ہے اور جب بطن مادر سے زمین پر آتا ہے تو اس طرح آتا ہے کہ دونوں ہتھیلیاں زمین پر رکھے ہوتا ہے اور بلند آواز سے کلمۂ شہادتین پڑھتا ہے اور اس کو کبھی جنابت (غسل کی حاجت) نہیں ہوتی اور سونے کی حالت میں صرف اس کی آنکھ سوتی ہے اور دل بیدار رہتا ہے اور اس کو کبھی جماہی نہیں آتی، نہ کبھی وہ انگڑائی لیتا ہے، اور وہ جس طرح آگے کی جانب دیکھتا ہے اسی طرح پیچھے کی جانب سے بھی دیکھتا ہے اور اس کے پاخانہ میں مشک کی سی خوشبو ہوتی ہے اور زمین کو اللہ کا حکم ہے کہ وہ اس کو ڈھک لے اور نگل لے

اور جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ کی دِرع (زرہ) پہنتا ہے تو وہ اس کے بالکل فٹ آتی ہے اور جب کوئی دوسرا آدمی وہی دِرع پہنتا ہے چاہے وہ آدمی طویل القامت ہو یا پستہ قد ہو تو وہ دِرع ایک بالشت بڑی رہتی ہے۔

اماموں کا حمل ماؤں کے رحم میں نہیں بلکہ پہلو میں قائم ہوتا ہے اور وہ ان کی ران سے پیدا ہوتے ہیں

اصول کافی میں تو عام انسانی فطرت کے خلاف اماموں کی مندرجہ بالا دس خصوصیات ہی بیان کی گئی ہیں لیکن علامہ مجلسی نے "حق الیقین" میں گیارہویں امام حسن عسکری سے

تکوینی طور پر ان کے تابع فرمان اور زیر اقتدار ہے[1]۔ اسی طرح ان کی فارسی کتاب "کشف الأسرار" میں صحابۂ رسول باالخصوص خلفائے ثلاثہؓ کے متعلق جرح و تنقید ہی نہیں سب و شتم کے وہ الفاظ آئے ہیں جو کسی بڑی سے بڑی ضال و مضل، فاسق و فاجر، زائغ و مزیغ انتہائی بدکردار اور سازشی جماعت کے لئے آسکتے ہیں[2]۔ یہ دونوں چیزیں ان کی دعوت کے ساتھ چل رہی ہیں اور یہ کوئی خفیہ ہدایات یا پرائیویٹ خطوط کی شکل میں نہیں ہیں، مطبوعہ اور شائع شدہ رسائل کی شکل میں ہیں۔

خمینی صاحب کی یہ دونوں چیزیں (امامت اور ائمہ کے بارے میں خیال، اور صحابہؓ پر طعن و الزام) کوئی چھپی ڈھکی چیز نہیں تھی اور ان کی یہ کتابیں ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں ایران اور ایران سے باہر پھیل چکی ہیں، اس بنا پر اس بات کی پوری توقع تھی کہ عقیدہ و بنیاد کے اس اختلاف، امت کے بنیادی عقیدۂ توحید میں رخنہ اندازی، مشارکت فی النبوۃ (جو امامت کی تعریف اور امام کے اوصاف کا منطقی نتیجہ ہے) اور صحابہ کرامؓ کی شخصیتوں پر جو مسلمانوں کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد سب سے زیادہ قابل احترام اور قابل محبت شخصیتیں ہیں اور جن کا دور تاریخ اسلام ہی میں نہیں تاریخ انسانی میں (مستند تاریخ کی روشنی میں اور مسلم و غیر مسلم مورخین کی متفقہ شہادت کے مطابق) دنیا کا معیاری و مثالی دور حکومت اور نمونۂ زندگی تھا طعن و تشنیع کے بعد کم سے کم اس حلقہ میں جو سنی العقیدہ ہے (اور وہی مسلمانوں میں اکثریت کی حیثیت رکھتا ہے) ان کی دعوت مقبول نہیں ہوگی، اور ان کو اسلامی انقلاب کا علمبردار، حکومت اسلامی کا مؤسس و بانی اور مثالی رہنما و قائد نہیں سمجھا جائے گا، لیکن یہ دیکھ کر صدمہ بھی ہوا اور حیرت بھی کہ بعض ایسے حلقوں میں جو فکر اسلامی کے علمبردار اور اسلام کے عروج و غلبہ کے داعی و متمنی ہیں، ان کو ایک "امام منتظر" کی حیثیت دی گئی اور ان سے ایسی عقیدت و محبت کا اظہار کیا گیا جو اس عصبیت کی حد تک پہنچ گئی ہے جو تنقید کا ایک لفظ سننے کی روادار نہیں ہوتی۔

اس تجربہ اور مشاہدہ سے دو باتوں کا اندازہ ہوا۔

۱۔ بہت سے حلقوں میں مدح و ذم اور تعریف و تنقید کا معیار کتاب و سنت، اسوۂ سلف اور عقائد اور مسلک

---

[1] الحکومۃ الاسلامیۃ ص ۵۲ [2] کشف الأسرار (فارسی) ص ۱۱۳-۱۱۴

یہ بھی روایت کیا ہے کہ آپ نے بیان فرمایا کہ۔

حمل ما اوصیائے پیغبراں در شکم نمی باشد در پہلوے باشد واز رحم بیرون نمی آئیم بلکہ از ران مادران فرود مے آئیم زیرا کہ ما نور خدائے تعالیٰ ایم د چرک وکثافت ونجاست را از ماد ور گردانیدہ است۔

حق الیقین صہ ۱۲۶ طبع ایران

ہم اوصیائے پیغبران (یعنی ائمہ) کا حمل ماؤں کے پیٹ یعنی رحم میں قرار نہیں پاتا بلکہ پہلو میں ہوتا ہے، اور ہم رحم سے باہر نہیں آتے بلکہ ماؤں کی رانوں سے پیدا ہوتے ہیں کیونکہ ہم خداوند تعالیٰ کا نور ہیں، لہذا ہم کو گندگی، اور غلاظت ونجاست سے دور رکھا جاتا ہے۔

اصول کافی کی مندرجہ بالا روایت میں اماموں کی جو پہلی خصوصیت بیان کی گئی ہے "یولد مطھرًا" (وہ پاک صاف پیدا ہوتے ہیں) شاید اس کا مطلب یہی ہو جو علامہ مجلسی نے امام حسن عسکری کی روایت سے بیان کیا ہے۔

امامت کا درجہ نبوت سے بالاتر ہے

انہی علامہ باقر مجلسی نے اپنی تصنیف حیات القلوب میں ارقام فرمایا ہے۔

"امامت بالاتر از رتبہ پیغبری است (حیات القلوب جلد سوم صہ ۱۰)

امامت کا درجہ نبوت و پیغمبری سے بالاتر ہے۔

ائمہ معصومین کو "امام" ماننے والے (شیعہ) اگر ظالم اور فاسق فاجر بھی ہیں تو جنتی ہیں اور ان کے علاوہ مسلمان اگر متقی پرہیزگار بھی ہیں تو دوزخی ہیں۔

اصول کافی میں ایک باب ہے "باب فیمن دان اللہ عزوجل بغیر امام من اللہ جل جلالہ"۔ اس باب میں امام باقر سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا۔

ان اللہ لا یستحی ان یعذب امۃ دانت بامام لیس من اللہ وان کانت فی اعمالھا برۃ تقیۃ وان اللہ لیستحی ان یعذب امۃ دانت بامام من اللہ وان کانت فی اعمالھا ظالمۃ مسیئۃ۔	اللہ تعالیٰ ایسی امت کو عذاب دینے سے باز نہیں رہے گا جو ایسے امام کو مانے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نامزد نہیں کیا گیا ہے (جیسے کہ حضرت ابوبکر و حضرت عمر و حضرت عثمان کو امت کا امام اور خلیفہ برحق ماننے والے مسلمان) اگرچہ یہ امت اپنے اعمال کے اعتبار سے نیکوکار اور متقی پرہیزگار ہو۔ اور ایسے لوگوں کو عذاب دینے سے اللہ باز رہے گا جو
اصول کافی ص ۲۳۸	

اللہ کی طرف سے نامزد ہونے والے اماموں کو مانتے ہوں، اگرچہ یہ لوگ اپنی عملی زندگی میں ظالم اور بدکار و بدکردار ہوں۔

اسی باب میں ایک روایت ہے کہ امام جعفر صادق کے ایک مخلص شیعہ مرید عبداللہ بن ابی یعفور نے ایک دفعہ امام موصوف کی خدمت میں عرض کیا۔

انی اخالط الناس فیکثر عجبی من اقوام لایتولونکم ویتولون فلانا وفلانا لهم امانة وصدق ووفاء واقوام یتولونکم لیس لهم تلك الامانة ولا الوفاء والصدق۔

میں عام طور سے لوگوں سے ملتا جلتا ہوں تو مجھے یہ دیکھ کر بڑا تعجب ہوتا ہے کہ وہ لوگ جو آپ لوگوں کی ولایت ولامات کے قائل نہیں ہیں (یعنی شیعہ نہیں ہیں) اور فلاں و فلاں (یعنی ابوبکر و عمر) کی ولایت و خلافت کے قائل ہیں، ان میں امانتداری صداقت شعاری اور وفائے عہد کی صفات ہیں، اور وہ لوگ جو آپ کی ولایت و امامت کے قائل ہیں (یعنی شیعہ ہیں) ان میں یہ امانتداری اور وفائے عہد اور صداقت شعاری کی صفات نہیں ہیں (بلکہ وہ خیانت پیشہ جھوٹے اور دغاباز ہیں)

آگے عبداللہ بن ابی یعفور کا بیان ہے کہ میری یہ بات سن کر امام جعفر صادق سیدھے بیٹھ گئے اور غیظ و غضب کی سی حالت میں مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا۔

لادین لمن دان اللہ بولایة امام جائر لیس من اللہ ولاعتب علی من دان بولایة امام عادل من اللہ۔

اصول کافی ص۲۳۸

اس شخص کا دین اور کوئی دینی عمل مقبول و معتبر نہیں جو کسی ایسے امام جائر کی ولایت کا قائل ہو جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نامزد نہیں ہے اور ایسے شخص پر اللہ کی طرف سے کوئی عتاب اور عذاب نہیں ہوگا جو ایسے امام عادل کی ولایت و امامت کا قائل ہو جو اللہ کی طرف سے نامزد ہو۔ (مطلب یہ ہوا کہ آدمی کیسا ہی فاسق فاجر ہو، اگر وہ ائمہ اثنا عشر کی امامت کا قائل ہے تو بخشا جائے گا۔)

ائمہ کا درجہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے برابر اور ساری مخلوق اور دوسرے تمام انبیاء علیہم السلام سے بھی برتر اور بالاتر

اصول کافی کتاب الحجہ میں امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰ اور ان کے بعد کے ائمہ کی فضیلت اور درجہ و مرتبہ کے بیان میں امام جعفر صادق کا ایک طویل ارشاد نقل کیا گیا ہے اس کا ابتدائی حصہ یہ ہے۔

ماجاء به علی اخذ به	جو احکام علی لائے ہیں ان پر عمل کرتا
وما نهی عنه انتهی عنه	ہوں اور جس چیز سے انھوں نے منع
جری له من الفضل مثل	کیا ہے اس کو نہیں کرتا، اس سے
ماجری لمحمدؐ ، ولمحمد	باز رہتا ہوں، ان کی فضیلت مثل
الفضل علی جمیع خلق الله عزوجل	اس کے ہے جو محمدؐ کو حاصل ہے اور محمدؐ
المتعقب علیه فی شیٔ	کو فضیلت حاصل ہے اللہ کی تمام مخلوق
من احکامه کالمتعقب	پر، اور ان کے (یعنی علیؑ کے) کسی حکم
علی الله وعلی رسوله والراد	پر اعتراض کرنے والا ایسا ہی ہے جیسا
علیه فی صغیرة او کبیرة	کہ اللہ اور اس کے رسول پر اعتراض
علی حد الشرك بالله، کان	کرنے والا۔ اور کسی چھوٹی یا بڑی
امیر المؤمنین باب الله	بات میں ان پر رد و انکار کرنے والا
الذی لایؤتی الامنه و	اللہ کے ساتھ شرک کرنے کے درجہ پر ہے

سبیلہ الذی من سلك بغیرہ یھلك وکذالك جری لائمۃ الھدی واحد بعد واحد۔	امیرالمومنین اللہ کا وہ دروازہ تھے کہ ان کے سوا کسی اور دروازہ سے اللہ تک نہیں پہنچا جا سکتا، اور وہ اللہ کا وہ راستہ تھے کہ جو کوئی اس کے سوا کسی دوسرے راستہ پر چلا وہ ہلاک ہو جائے گا۔

اور اسی طرح تمام ائمہ ہدیٰ کے لیے فضیلت جاری ہے ایک کے بعد ایک کے لئے۔

(یعنی سب کا یہی درجہ اور یہی مقام و مرتبہ ہے)

"امیرالمومنین" کا ارشاد کہ تمام فرشتوں اور تمام پیغمبروں نے میرے لیے اسی طرح اقرار کیا جس طرح محمدؐ کے لیے کیا تھا۔ اور میں ہی لوگوں کو جنت اور دوزخ میں بھیجنے والا ہوں۔

اسی مندرجہ بالا روایت میں آگے ہے کہ

وکان امیرالمومنین کثیرا مایقول انا قسیم اللہ بین الجنۃ والنار وانا صاحب العصا والمیسم ولقد اقرت لی جمیع الملئکۃ والروح والرسل مثل ما اقروا بہ لمحمد۔	امیرالمومنین اکثر فرمایا کرتے تھے کہ میں اللہ کی طرف سے جنت اور دوزخ کے درمیان تقسیم کرنے والا ہوں (یعنی میں لوگوں کو جنت اور دوزخ میں بھیجوں گا) اور میرے پاس عصائے موسیٰ اور خاتم سلیمان ہے اور میرے لیے تمام فرشتوں نے اور الروح نے بھی (جو جبرئیل امین اور تمام فرشتوں سے عظیم اور بالاتر ایک مخلوق ہے) اور تمام
اصول کافی ص۱۱۱	

رسولوں نے، اسی طرح اقرار کیا جیسا اقرار انھوں نے محمدؐ کے لیے کیا تھا۔

ائمہ کو ماکان ومایکون کا علم حاصل تھا، اور وہ علم میں حضرت موسیٰ جیسے جلیل القدر پیغمبر سے بھی فائق تھے

اصول کافی میں ایک باب ہے جس کا عنوان ہے "ان الائمۃ علیھم السلام یعلمون ماکان ومایکون وانہ لایخفیٰ علیھم شیٔ صلوٰت اللہ علیھم" (یعنی ائمہ کو ماکان ومایکون کا علم ہوتا ہے اور کوئی چیز بھی ان کی نگاہ سے اوجھل نہیں ہوتی) ـــــ اس باب کی پہلی روایت ہے کہ امام جعفر صادق نے اپنے خاص رازداروں کی ایک مجلس میں فرمایا کہ۔

لوکنت بین موسیٰ والخضر لاخبرتھما انی اعلم منھما ولانبأتھما مالیس فی ایدیھما لان موسیٰ والخضر علیھما السلام اعطیا علم ماکان ولم یعطیا علم ما یکون وما ھو کائن حتی تقوم الساعۃ وقد ورثناہ من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وراثۃً۔	اگر میں موسیٰ اور خضر کے درمیان ہوتا تو میں ان کو بتلاتا کہ میں ان دونوں سے زیادہ علم رکھتا ہوں، اور ان کو اس سے باخبر کرتا جو ان کے علم میں نہیں تھا کیونکہ موسیٰ اور خضر علیھما السلام کو صرف ماکان کا علم عطا ہوا تھا اور مایکون اور جو کچھ قیامت تک ہونے والا ہے اس کا علم انکو نہیں دیا گیا تھا اور ہم کو وہ علم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وراثۃً حاصل ہوا ہے۔

اصول کافی ص۱۶۰

ائمہ قیامت کے دن اپنے زمانے کے لوگوں کے بارے میں شہادت دیں گے

اصول کافی میں ایک باب ہے "ان الائمۃ شہداء اللہ عزوجل علی خلقہ (یعنی ائمہ اللہ کی مخلوق کے بارے میں گواہی دیں گے) اس باب میں روایت ہے کہ امام جعفر صادق سے اِس آیت کے بارے میں پوچھا گیا۔

فَکَیۡفَ اِذَا جِئۡنَا مِنۡ کُلِّ اُمَّۃٍۢ بِشَہِیۡدٍ وَّ جِئۡنَا بِکَ عَلٰی ہٰۤؤُلَآءِ شَہِیۡدًا ؕ

کیا حال ہوگا اُس وقت جب ہم ہر امت سے ایک شاہد لائیں گے اور اے پیغمبر تم کو ان سب پر شاہد کی حیثیت سے لائیں گے۔

توامام جعفر صادق نے فرمایا کہ۔

نزلت فی امۃ محمد خاصۃ فی کل قرن منھم امام منا شاھد علیھم ومحمد شاھد علینا ۔

اصول کافی صد ۱۱۲

یہ آیت (دوسری امتوں سے متعلق نہیں ہے) خاص امت محمدیہ ہی سے متعلق ہے ہر زمانے میں ایک امام ہم میں سے ان میں ہوگا وہ اپنے اہل زمانہ کے بارے میں شہادت دے گا اور محمدؐ ہمارے بارے میں شاہد ہوں گے۔

اصول کافی کے اس باب کی آخری روایت ہے کہ امیر المومنینؑ نے فرمایا۔

ان اللہ تبارک وتعالیٰ طھرنا وعصمنا وجعلنا شھداء علی خلقہ وحجتہ فی ارضہ

صد ۱۱۳

اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہم کو پاک بنایا اور معصوم بنایا ہے اور اپنی مخلوق پر ہم کو گواہ اور اپنی زمین میں اپنی حجت قرار دیا ہے۔

انبیاء سابقین پر نازل ہونے والی تمام کتابیں توراۃ، انجیل، زبور وغیرہ ائمہ کے پاس ہوتی ہیں اور وہ ان کو ان کی اصل زبانوں میں پڑھتے ہیں

اصول کافی میں ایک باب ہے جس کا عنوان ہے "ان الائمة عندهم جميع الكتب التي نزلت من عند الله عزوجل وانهم يعرفونها على اختلاف السنتها (ائمہ کے پاس تمام وہ کتابیں تھیں اور ہیں جو اللہ عزوجل کی طرف سے انبیاء سابقین پر نازل ہوئی تھیں، اور وہ ان کی زبانوں کے اختلاف کے باوجود ان کو پڑھتے اور جانتے ہیں)۔

اس باب میں اسی مضمون کی روایات اور امام جعفر صادق اور ان کے بیٹے موسیٰ کاظم کے اس سلسلہ کے واقعات ذکر کیے گئے ہیں اور اسی اصول کافی میں اس سے پہلے باب میں بھی اس مضمون کی روایات ہیں، مثلاً ایک روایت ہے کہ امام جعفر صادق نے فرمایا۔

وان عندنا علم التوراة	ہمارے پاس تورات، انجیل اور زبور
والانجيل والزبور وتبيان	کا علم ہے اور الواح میں جو کچھ تھا
ما في الالواح ص۱۳۷	اس کا واضح بیان ہے۔

اور اسی اصول کافی کے ایک دوسرے باب میں امام جعفر صادق ہی کا یہ ارشاد روایت کیا گیا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ ہمارے پاس الجفر الابیض ہے دریافت کیا گیا وہ کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ اس میں

زبور داؤد عليه السلام	داؤد علیہ السلام کا زبور اور موسیٰ
وتوراة موسىٰؑ وانجيل عيسىٰؑ	علیہ السلام کی تورات اور عیسیٰؑ کی

وصحف ابراهیمؑ	انجیل ہے اور ابراہیمؑ کے صحیفے
اصول کافی ص۱۴۷	ہیں۔

ائمہ کے لیے قرآن وحدیث کے علاوہ علم کے دوسرے عجیب وغریب ذرائع

اصول کافی میں ایک باب ہے جس کا عنوان ہے" باب فیہ ذکر الصحیفۃ و الجفر والجامعۃ ومصحف فاطمۃ۔ علیہا السلام (اس باب میں ذکر ہے صحیفہ کا اور جفر اور جامعہ اور مصحف فاطمہ علیہا السلام کا)

اس باب کی پہلی روایت بہت طویل ہے اس لیے اس کو تلخیص اور اختصار ہی کے ساتھ نذر ناظرین کیا جارہا ہے۔

ابو بصیر (جو شیعی روایات کے مطابق امام جعفر صادق کے خاص محرم راز شیعوں میں سے تھے) بیان کرتے ہیں کہ میں ایک دن امام جعفر صادق کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے عرض کیا کہ مجھے ایک خاص بات دریافت کرنی ہے یہاں کوئی غیر آدمی تو نہیں ہے؟ امام صاحب نے وہ پردہ اٹھایا جو اس گھر اور دوسرے گھر کے درمیان پڑا ہوا تھا اور اندر دیکھ کر فرمایا کہ اس وقت یہاں کوئی نہیں ہے۔ جو جی چاہے پوچھ سکتے ہوئے۔ چنانچہ میں نے سوال کیا (جس کا

لہ شیعہ مذہب کی پوری حقیقت روایت کے اس ابتدائی حصہ سے سمجھی جاسکتی ہے۔ امام باقر اور امام جعفر صادق وغیرہ ائمہ سے شیعہ مذہب کی تعلیمات روایت کرنے والے ابو بصیر اور زرارہ وغیرہ مذہب شیعہ کے خاص راوی جو اپنے کو امام جعفر صادق اور امام باقر کا خاص محرم راز بتلاتے تھے، اپنے حلقے کے خاص لوگوں سے کہتے تھے کہ یہ ائمہ ہم کو شیعہ مذہب کی باتیں رازداری کے ساتھ تنہائی میں بتاتے تھے

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

تعلق حضرت علی مرتضیٰ اور ائمہ کے علم سے تھا) امام جعفر صادق نے اس کا تفصیل سے جواب عنایت فرمایا۔ اس کا آخری حصہ یہ ہے۔

وان عندنا الجفر وما يدريهم ما الجفر، قال قلت وما الجفر؟ قال وعاء من ادم فيه علم النبيين والوصيين وعلم العلماء الذين مضوا من بني اسرائيل

اور ہمارے پاس الجفر ہے، اور لوگوں کو کیا معلوم کہ الجفر کیا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ مجھے بتلایا جائے کہ الجفر کیا ہے؟ امام نے فرمایا کہ وہ چمڑے کا ایک بورا (یا تھیلا) ہے اس میں تمام نبیوں اور وصیوں کا علم ہے اور بنی اسرائیل میں جو اہل علم پہلے گزرے ان کا بھی اس میں علم ہے، (اس طرح وہ تمام گزشتہ نبیوں، وصیوں اور علماء بنی اسرائیل کے علوم کا خزانہ ہے۔)

ثم قال وان عندنا المصحف فاطمة عليها السلام، وما يدريهم ما مصحف فاطمة قال فيه مثل قرآنكم هذا ثلاث مرات، والله ما فيه

اس کے بعد امام نے فرمایا کہ اور ہمارے پاس "مصحف فاطمہ" علیہا السلام ہے۔ اور لوگوں کو کیا خبر کہ مصحف فاطمہ کیا ہے امام نے فرمایا کہ اس میں تمہارے اس قرآن سے تین گنا ہے اور اللہ کی قسم اس میں

(صفحہ گزشتہ کا بقیہ) جب کوئی دوسرا آدمی نہیں ہوتا تھا، اس طرح یہ لوگ جو چاہتے ان اماموں کی طرف منسوب کر کے کہہ سکتے تھے اور انھوں نے یہی کیا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ شیعہ مذہب کی اصل حقیقت بس یہی ہے ـــ ورنہ ہمارے اور جمہور امت محمدیہ کے نزدیک یہ حضرات اللہ کے مقبول باصفا بندے اعلیٰ درجہ کے صاحب علم و تقویٰ تھے ان کا ظاہر و باطن ایک تھا، وہ سب کو دین کی تعلیم علانیہ دیتے تھے ان کی زندگی میں نفاق کا شائبہ بھی نہیں تھا جس کا نام شیعہ حضرات نے "تقیہ" رکھ لیا ہے۔

کی صحت نہیں رہا بلکہ اسلام کے نام پر مطلق حکومت کا قیام، طاقت کا حصول، کسی مغربی طاقت کو للکار دینا، اس کے لئے مشکلات پیدا کر دینا، اس کو محبوب و مثالی قائد بنا دینے کے لئے کافی ہے

۲. عقیدہ کی اہمیت، ہماری نئی تعلیم یافتہ نسل میں خطرناک حد تک کم ہوتی جا رہی ہے، اور یہ بڑی تشویش انگیز اور قابلِ فکر بات ہے، انبیاء اور غیر انبیاء کی دعوتوں میں اور ان کی جدوجہد کے مقاصد اور محرکات میں سب سے بڑی حدِ فاصل یہی عقیدہ ہے جس پر وہ کسی سمجھوتہ اور اونے پونے سودا کر لینے کے لئے تیار نہیں ہوتے۱؎ ان کے یہاں ردّ و قبول، پسندیدگی و ناپسندیدگی کا معیار اور وصل و فصل کی شرط ہی عقیدہ ہوتا ہے، یہ دین (جو مسلمانوں کی ساری کمزوریوں کے باوجود) اپنی اصلی شکل میں اس وقت تک موجود ہے اسی "عقیدہ" کے معاملہ میں صلابت و استقامت اور حمیت و غیرت کا رہینِ منت ہے، دین کے شارحین و محافظین نے اس سلسلہ میں کسی، باجبروت طاقت اور کسی دسیع سے وسیع تر بادشاہی کے سامنے سپر نہیں ڈالی اور اس کے کسی غلط عقیدہ اور دعوے پر سکوت جائز نہیں سمجھا، چہ جائیکہ مسلمانوں کے دنیاوی منافع اور اختلاف و تفریق سے بچنے کی لالچ میں قبول کر لیتے یا ہمنوائی کرتے، امام احمد بن حنبلؒ (م ۲۴۱ھ) کا خلقِ قرآن کے عقیدہ میں نہ صرف مسلمانوں کے دو سب سے بڑے حکمرانوں بلکہ اس دور کے سب سے بڑے فرماں رواؤں خلیفہ مامون الرشید (فرزند خلیفہ ہارون رشید) اور معتصم بن ہارون رشید کے مقابلہ میں صف آرا ہو جانا اور تازیانوں اور زنداں کی تکلیف برداشت کرنا، حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقیؒ (م ۱۰۳۴ھ) کا شہنشاہ اکبر کے عقیدۂ ہزارۂ دوم، دعوائے امامت و اجتہاد اور وحدتِ ادیان کی مخالفت کرنا پھر جہانگیر کے عہد تک اس کو اس وقت تک جاری رکھنا جب تک مغلیہ حکومت کا رخ بدل نہیں گیا۲؎ اس کی دو مثالیں ہیں، ورنہ تاریخ اسلام اپنے اندر "کلمۃ حق عند سلطان جائر" اور "لا طاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق" کی بیسیوں تابناک مثالیں رکھتی ہے، یہ سلطان جائر کبھی شخصی بادشاہ ہوتا ہے، کبھی رائے عامہ، کبھی شہرتِ عام، کبھی دل فریب کامیابیاں اور بلند بانگ

۱؎ اس کے دلائل اور مثالوں کے لئے ملاحظہ ہو راقم سطور کی کتاب "دستورِ حیات" بہ عنوان "دینِ اسلام کا مزاج اور اس کی نمایاں خصوصیات"۔

۲؎ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "تاریخ دعوت و عزیمت" حصہ چہارم

من قرآنکم حرف واحد	تمہارے قرآن کا ایک حرف بھی
اصول کافی ص۱۴۶	نہیں ہے۔

ایک ضروری انتباہ

یہاں یہ بات خاص طور سے قابل لحاظ ہے کہ روایت کے راوی ابوبصیر نے امام جعفر صادق کا جو جواب اور بیان نقل کیا ہے اس میں قرآن پاک کو "دو دفعہ" قرآنکم (تمہارا قرآن) کہا گیا ہے۔ اور مصحف فاطمہ کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ تمہارے قرآن سے تین گنا ہے اور اس میں تمہارے قرآن کا ایک حرف بھی نہیں ہے۔ ہمارے نزدیک یہ ان ہی افتراآت میں سے ہے جو ابوبصیر وغیرہ کی طرف سے اصول کافی وغیرہ کتب شیعہ کی روایات میں ائمہ اہل بیت کے بارے میں غالباً ہزاروں کی تعداد میں کیے گئے ہیں۔ کسی صاحب ایمان کے بارے میں یہ بدگمانی نہیں کی جاسکتی کہ وہ اپنے کو قرآن سے الگ رکھ کر اس کو دوسروں کا قرآن بتائے۔ ہاں ہم نے آریہ سماجی اور عیسائی مناظرین کو دیکھا ہے وہ مسلمانوں سے اس طرح کی بات کرتے ہیں۔ کہ تمہارے قرآن میں ایسا ہے اور تمہارے قرآن میں یہ ہے۔ بہرحال ہم کو یقین ہے کہ حضرت امام جعفر صادق نے ہرگز یہ بات نہیں فرمائی۔ دراصل اس طرح کی روایات ان لوگوں نے گھڑی ہیں جنھوں نے مذہب شیعہ تصنیف کرکے امام جعفر صادق امام باقر اور دوسرے بزرگان اہل بیت کی طرف منسوب کیا ہے۔ ہمارے نزدیک اس روایت کے راوی جناب ابوبصیر بھی انھیں میں سے ہیں اور ان کا اس کام میں بڑا حصہ ہے۔

اس سلسلہ میں یہ بات خاص طور سے قابل لحاظ ہے کہ ابوبصیر اور زرارہ وغیرہ جو اس طرح کی روایتوں کے راوی ہیں (اور ہمارے نزدیک فی الحقیقت شیعہ مذہب کے مصنف ہیں) کوفہ میں رہتے تھے اور حضرت امام باقر اور امام جعفر صادق مدینہ منورہ میں۔ یہ لوگ کوفہ سے کبھی کبھی مدینہ منورہ آتے اور یہاں سے واپس جاکر کوفہ میں اپنے خاص حلقہ میں ان ائمہ کی طرف منسوب کرکے اس طرح کی روایات بیان کرتے تھے۔ ان ہی روایات پر شیعہ مذہب کی بنیاد ہے۔

مصحف فاطمہ کیا ہے؟

مندرجہ بالا روایت میں مصحف فاطمہ کا ذکر آیا ہے۔ اس کے بارے میں امام جعفر صادق ہی کا تفصیلی بیان "اصول کافی" کے اسی باب کی دوسری روایت میں ذکر کیا گیا ہے، ناظرین اس کو بھی ملاحظہ فرمالیں۔ جناب ابو بصیر ہی کی روایت کے مطابق امام جعفر صادق نے اس سوال کے جواب میں کہ مصحف فاطمہ کیا ہے؟ فرمایا کہ۔

ان الله لما قبض نبيه	اللہ نے جب اپنے نبی علیہ السلام کو
عليه السلام دخل فاطمة	اس دنیا سے اٹھالیا اور آپ کی وفات
من الحزن مالا يعلمه الا	ہوگئی تو فاطمہؑ کو ایسا رنج وغم ہوا جس کو
الله عزوجل فارسل	اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا تو اللہ نے
اليها ملكاً يسلي غمها	ایک فرشتہ ان کے پاس بھیجا جو ان کے
ويحدثها فشكت ذلك	غم میں ان کو تسلی دے اور ان سے باتیں
الى امير المؤمنين عليهما	کیا کرے۔ فاطمہ نے امیر المومنین کو یہ بات
السلام فقال لها اذا	بتلائی تو انھوں نے فرمایا کہ جب تم کو
احسست بذالك و	اس فرشتہ کی آمد کا احساس ہو اور اسکی
سمعت الصوت قولي	آواز سنو تو مجھ کو بتا دو تو (اس کی آمد
لي، فاعلمته بذالك	پر) میں نے ان کو بتلایا تو امیر المومنین
فجعل امير المؤمنين	نے ایسا کیا کہ جو کچھ اس فرشتے سے سنتے
عليه السلام يكتب كلما	اس کو لکھتے جاتے یہاں تک کہ انھوں نے
سمع حتى اثبت من	اس سے ایک مصحف تیار کرلیا (یہی مصحف
ذالك مصحفاً (اصول کافی ص۱۴۰)	فاطمہ ہے۔)

ناظرین کو یہ بات پہلی روایت سے معلوم ہو چکی ہے کہ یہ مصحف فاطمہ قرآن مجید سے تین گنا تھا۔

ائمہ پر بھی بندوں کے دن رات کے اعمال پیش ہوتے ہیں

اصول کافی میں باب ہے "باب عرض الاعمال علی النبی والائمۃ علیہم السلام" (باب اس بیان میں کہ بندوں کے اعمال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر اور ائمہ پر پیش ہوتے ہیں)

اسی باب میں روایت ہے کہ امام رضا علیہ السلام سے اُن کے ایک خاص آدمی عبداللہ بن ابان الزیات نے درخواست کی کہ۔

ادع اللہ لی ولاھل بیتی فقال اولستُ افعل واللہ ان اعمالکم لتعرض علیّ فی کل یوم ولیلۃ	میرے لیے اور میرے گھر والوں کے لیے دعا فرمایئے! تو انھوں نے کہا کہ کیا میں دعا نہیں کرتا ہوں، خدا کی قسم ہر دن اور رات میں تمہارے اعمال میرے سامنے پیش کیے جاتے ہیں

(مطلب یہ ہے کہ ہر دن اور رات میں جب تمہارے اعمال میرے سامنے آتے ہیں تو میں تمہارے لیے دعا کرتا ہوں)

آگے روایت میں ہے کہ درخواست کرنے والے عبداللہ بن ابان نے اس کو بڑی غیر معمولی بات سمجھا تو امام رضا نے کہا کہ کیا تم قرآن کی یہ آیت نہیں پڑھتے ہو فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ (تمہارے اعمال کو اللہ دیکھے گا اور اس کا رسول اور مومنین دیکھیں گے) اس آیت میں "المومنون" سے مراد خدا کی قسم علی بن ابی طالب ہیں۔ (اصول کافی ص۱۳۲)

اس کی شرح میں علامہ قزوینی نے لکھا ہے کہ "امام رضا نے "المومنون" کی تفسیر

بیان کرتے ہوئے صرف حضرت علی کا ذکر کیا کیونکہ امامت کا سلسلہ ان ہی سے چلتا ہے ورنہ مراد وہ اور ان کی نسل سے پیدا ہونے والے ان کے بعد کے تمام ائمہ ہیں۔"

(الصافی جزو سوم حصہ اول صـ ۱۴۰)

ائمہ کے پاس فرشتوں کی آمدرفت رہتی ہے

اصول کافی میں ایک باب ہے "ان الائمۃ معدن العلم و شجرۃ النبوۃ و مختلف الملائکۃ" ائمہ علم کا معدن (سرچشمہ) ہیں اور شجرۂ نبوت ہیں اور ان کے پاس ملائکہ کی آمدرفت رہتی ہے ــــــ اس باب میں روایت ہے کہ امام جعفر صادق نے فرمایا۔

نحن شجرۃ النبوۃ وبیت	ہم لوگ نبوت کے درخت ہیں اور رحمت
الرحمۃ ومفاتیح الحکمۃ و	کے گھر ہیں، اور حکمت کی کنجیاں ہیں
معدن العلم وموضع الرسالۃ	اور علم کا خزانہ ہیں اور رسالت
ومختلَفُ الملائکۃ۔	کی جگہ ہیں اور ہمارے پاس ملائکہ کی
صـ ۱۳۵	آمدرفت رہتی ہے۔

ہر شب جمعہ میں ائمہ کو معراج ہوتی ہے، وہ عرش تک پہنچائے جاتے ہیں اور وہاں ان کو بے شمار نئے علوم عطا ہوتے ہیں

اسی اصول کافی میں امام جعفر صادق سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا۔

ان لنا فی لیالی الجمعۃ	ہمارے لیے جمعہ کی راتوں میں ایک
لشانا من الشان . . .	عظیم شان ہوتی ہے۔ وفات یافتہ

یوذن لارواح الانبیاء	انبیاء علیہم السلام کی ارواح اور
الموتی علیهم السلام	اسی طرح فوت شدہ وصیوں کی روحوں
وارواح الاوصیاء الموتی	کو اور اس زندہ وصی کی روح کو
وروح الوصی الذی	جو تمہارے درمیان موجود ہوتا ہے
بین اظهرکم یعرج بها	اجازت دی جاتی ہے ان کو آسمان
الی السماء حتی توافی	کی طرف اٹھایا جاتا ہے یہاں تک
عرش ربها فتطوف به	کہ وہ سب عرش الٰہی تک پہنچ جاتی
اسبوعا فتصلی عند	ہیں وہاں پہنچ کر عرش کا سات دفعہ
کل قائمة من قوائم	طواف کرتی ہیں، پھر عرش الٰہی کے
العرش رکعتین ثم ترد	ہر پائے کے پاس دو رکعت نماز پڑھتی
الی الابدان التی کانت	ہیں، پھر ان سب روحوں کو ان کے
فیها فتصبح الانبیاء	ان جسموں میں لوٹا دیا جاتا ہے
والاوصیاء قد ملئوا	جن میں وہ پہلے تھیں۔ پھر یہ تمام نبی
سرورا ویصبح الوصی	اور وصی اس حالت میں صبح کرتے
الذی بین ظهرانیکم	ہیں کہ مسرت سے لبریز ہوتے ہیں اور
وقد زید فی علمه	وہ وصی جو تمہارے درمیان ہے اس
مثل الجم الغفیر۔	حال میں صبح کرتا ہے کہ اس کے علم میں
اصول کافی ص۱۵۵	مثل جم غفیر کے اضافہ ہو جاتا ہے۔

اس روایت کے بعد اسی مضمون کی اور بھی متعدد روایات ہیں۔

ائمہ کو وہ سب علوم حاصل ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرشتوں اور نبیوں رسولوں کو عطا ہوئے ہیں اور اس کے علاوہ بہت سے ایسے علوم بھی جو نبیوں اور فرشتوں کو بھی عطا نہیں ہوئے

اصول کافی میں باب ہے ان الائمة علیہم السلام یعلمون جمیع العلوم التی خرجت الی الملائکة والانبیاء والرسل علیہم السلام (ص ۱۵۶) (ائمہ علیہم السلام ان تمام علوم کے عالم ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرشتوں اور انبیاء و رسل علیہم السلام کو عطا ہوئے ہیں۔)

اسی باب کی پہلی حدیث ہے۔

عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال ان للہ تبارک و تعالیٰ علمین، علماً اظہر علیه ملائکته وانبیاءه ورسله فما اظهر علیه ملائکته ورسله وانبیاءه فقد علمناه وعلماً استاثر الله فاذا بدء الله بشیٔ منه	امام جعفر صادق سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دو قسم کے علم ہیں ایک قسم ان علوم کی ہے جن کی اطلاع اس نے اپنے فرشتوں اور نبیوں اور رسولوں کو دی ہے تو ان کی اطلاع اور ان کا علم ہم کو بھی ہے اور اللہ تعالیٰ کے علم کی دوسری قسم وہ ہے جس کو اس نے اپنے لیے خاص کر لیا ہے (یعنی نبیوں اور رسولوں اور

اعلمنا ذالك وعرض علی	فرشتوں کو بھی اس کی اطلاع نہیں
الائمة الذین کانوا من	دی ہے) تو جب اللہ تعالیٰ اپنے اس
قبلنا	خاص علم میں سے کسی چیز کو شروع کرتا
اصول کافی ص۱۵۶	ہے تو ہم کو اس کی اطلاع دیدیتا ہے

اور جو ائمہ ہم سے پہلے گزر چکے ہیں، ان پر بھی اس کو پیش کر دیتا ہے۔

ائمہ پر ہر سال کی شب قدر میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک کتاب نازل ہوتی ہے جس کو فرشتے اور الروح لے کر آتے ہیں

اصول کافی باب البداء میں امام جعفر صادق سے روایت ہے، کہ انھوں نے قرآن پاک کی آیت يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَاءُ وَيُثْبِتُ وَعِنْدَهُ أُمُّ الْكِتَابِ ۝ (سورہ رعد آیت ۳۹) کی تفسیر اور وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ کتاب میں سے

وهل يمحی الا ماكان ثابتاً	وہی چیز مٹائی جاتی ہے جو پہلے موجود
وهل يثبت الا مالم يكن	تھی اور وہی چیز ثابت کی جاتی ہے
ص۸۵	جو پہلے نہیں تھی۔

اس کی شرح اور وضاحت کرتے ہوئے اصول کافی کے شارح علامہ قزوینی نے لکھا ہے۔

برائے ہر سال کتاب علیحدہ است مراد	ہر سال کے لیے ایک کتاب علیحدہ ہوتی
کتاب است کہ دراں تغیر احکام حوادث	ہے۔ اس سے مراد وہ کتاب ہے جس میں
کہ محتاج الیہ امام است تا سال دیگر	ان احکام حوادث کی تغیر ہوتی ہے
نازل شوند بآں کتاب ملائکہ وروح	جن کی ضرورت امام وقت کو آئندہ

در شب قدر بر امام زماں (الصافی شرح اصول الکافی ص۲۲۹ ج۲)

سال تک ہوگی، اس کتاب کو لے کر ملائکہ اور الروح شب قدر میں امام زماں پر نازل ہوتے ہیں۔

واضح رہے کہ شیعہ حضرات کے نزدیک "الروح" سے روح الامین جبرئیل مراد نہیں ہیں بلکہ ان کے نزدیک "الروح" ایک مخلوق ہے۔ جبرئیل امین سے اور تمام فرشتوں سے زیادہ عظیم الشان (الصافی شرح اصول کافی میں یہ بات صراحت سے لکھی گئی ہے۔)

اور اسی اصول کافی میں آگے ایک باب ہے "باب فی شان انا انزلناہ فی لیلۃ القدر"

اس باب میں امام باقر سے ایک طویل روایت نقل کی گئی ہے اس میں امام موصوف نے فرمایا ہے۔

ولقد قضی ان یکون فی کل سنۃ لیلۃ یھبط فیھا بتفسیر الامور الی مثلھا من السنۃ المقبلۃ۔ (اصول کافی ص۱۵۳)

اور یہ بات اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقدر ہو چکی ہے کہ ہر سال میں ایک رات ہوگی جس میں اگلے سال کی اسی رات تک کے سارے معاملات کی وضاحت اور تفصیل نازل کی جائے گی۔

اس روایت کا مطلب اور حاصل بھی وہی ہے جو "الصافی" کی مندرجہ بالا عبارت سے معلوم ہو چکا ہے یعنی ہر سال کی شب قدر میں امام پر ایک کتاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوتی ہے جس میں آئندہ سال کی لیلۃ القدر تک پیش آنے والے معاملات و واقعات کا بیان ہوتا ہے۔

ائمہ اپنی موت کا وقت بھی جانتے ہیں اور انکی موت اُن کے اختیار میں ہوتی ہے

اصول کافی میں باب ہے جس کا عنوان ہے "ان الائمۃ علیہم السلام یعلمون متی یموتون وانہم لا یموتون الا باختیار منہم (ص۱۵۸) ائمہ علیہم السلام جانتے ہیں کہ کب ان کی وفات ہوگی، اور ان کی وفات ان کے اپنے اختیار ہی سے ہوتی ہے۔

اس باب میں جو روایتیں ائمہ سے نقل کی گئی ہیں ان کا حاصل یہی ہے ———
البتہ اس باب کی آخری روایت شیعہ حضرات کے لیے خاص طور سے قابل غور ہے اس لیے یہاں نقل کی جاتی ہے۔

عن ابی جعفر علیہ السلام قال انزل اللہ عزوجل النصر علی الحسین علیہ السلام حتی کان بین السماء والارض ثم خیر النصر ولقاء اللہ فاختار لقاء اللہ عزوجل اصول کافی ص۱۵۹	امام باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ اللہ عزوجل نے (کربلا میں) حسین علیہ السلام کے لیے آسمان سے مدد (ملائکہ کی فوج) بھیجی تھی، وہ آسمان اور زمین کے درمیان آگئی تھی، پھر اللہ نے حسین علیہ السلام کو اختیار دیا کہ وہ خدا کی (آسمانی فوج) کی مدد قبول کریں اور اس سے کام لیں یا اللہ کی ملاقات (یعنی شہادت اور وفات) کو پسند کریں، تو انھوں نے اللہ کی ملاقات (یعنی شہادت) کو پسند کیا۔

شیعہ حضرات کو اس روایت کی روشنی میں حضرت حسین کی شہادت پر اپنے نوحہ و ماتم کے

رویہ کے بارے میں غور فرمانا چاہیے۔

ائمہ کے پاس انبیاء سابقین کے معجزات بھی تھے

اصول کافی میں ایک باب ہے "باب ماعند الائمۃؑ من آیات الانبیاء" (یعنی انبیاء سابقین کے اُن معجزات کا بیان جو ائمہ کے پاس تھے)

اس باب میں پہلی روایت امام باقر علیہ السلام کی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا وہ عصا جو اُن کا خاص معجزہ تھا جس کا قرآن مجید میں بار بار ذکر آیا ہے وہ دراصل حضرت آدم علیہ السلام کا تھا جو ان سے منتقل ہوتا ہوا حضرت موسیٰ تک پہنچا تھا اور اب وہ ہمارے پاس ہے اور وہ اسی طرح منتقل ہو کر آخری امام (مہدی) تک پہنچے گا اور وہ وہی کام کرے گا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں کرتا تھا۔ (اصول کافی ۱۳۱)

آگے اسی باب میں امام باقر ہی کی روایت ہے کہ امیر المومنین (حضرت علی مرتضیٰ) ایک رات میں عشاء کے بعد باہر نکلے اور آپ فرماتے تھے۔

خرج علیکم الامام علیہ	امام زماں نکل کر تمہارے سامنے آیا ہے
قمیص آدم وفی یدہ خاتم	اس کے جسم پر حضرت آدم علیہ السلام کی قمیص
سلیمان وعصا موسیٰ	ہے اور اس کے ہاتھ میں حضرت سلیمان
(اصول کافی ص ۱۳۲)	کی انگشتری ہے اور موسیٰ علیہ السلام کا عصا ہے۔

ائمہ دنیا اور آخرت کے مالک ہیں وہ جس کو چاہیں دے دیں اور بخش دیں

اصول کافی کتاب الحجہ میں ایک باب ہے "باب ان الارض کلہا للامام علیہ السلام" (یعنی ساری زمین امام علیہ السلام کی ملکیت ہے) اس باب میں

دعاوی اور تاریخ و تجربہ شاہد ہے کہ آخر الذکر صورتیں زیادہ آزمائش کی چیزیں ہیں۔

حقیقت میں اسلام کی حقیقی تعلیم اور صحیح عقیدہ وہ دریا ہے جو کبھی اپنا رخ نہیں بدلتا اور کبھی پایاب نہیں ہوسکتا، سیاسی طاقتیں، وقتی انقلابات، حکومتوں کا قیام و زوال اور دعوتیں اور تحریکیں موجیں ہیں جو آتی اور گزر جاتی ہیں، دریا اگر صحیح رخ پر بہہ رہا ہے اور آب جاری ہے تو کوئی خطرہ نہیں لیکن اگر عقیدہ میں فساد آگیا تو گویا دریا نے اپنا رخ بدل دیا اور اس میں آبِ صافی کے بجائے گندلا اور ناصاف پانی بہنے لگا، اسلئے فسادِ عقیدہ اور زیغ و ضلال کے ساتھ کوئی دعوت و تحریک کسی ملک کا عروج و اقبال کسی معاشرہ کی جزئی اصلاح کبھی فساد و خرابی کو دور کرنے کا دعویٰ یا وعدہ قبول نہیں کیا جاسکتا، یہ وہ حقیقت ہے جس میں اس ملت کی بقا اور دین کی حفاظت کا راز مضمر ہے اور یہی وہ حقیقت ہے جو اپنے اپنے دور کے علماء خادمینِ دین اور محافظینِ شریعت و سنت کو اس دشوار اور بعض اوقات ناخوشگوار فرض کو ادا کرنے پر مجبور کرتی رہی ہے۔

اس سلسلہ کی ایک کڑی رفیق محترم مولانا محمد منظور صاحب نعمانی کی یہ فاضلانہ اور محققانہ کتاب "ایرانی انقلاب، امام خمینی اور شیعیت" ہے، مولانا کسی زمانہ میں بڑے مناظر اور اسلام و مسلک اہل سنت کے وکیل رہ چکے ہیں، اور اس زمانہ کی اُن کی متعدد تصنیفات ہیں لیکن عرصہ سے انھوں نے ردّ و تنقید کا یہ موضوع چھوڑ دیا تھا اور مثبت دعوتی و اصلاحی موضوعات پر اپنی توجہ مرکوز کردی تھی جس کا نمونہ خود رسالہ "الفرقان" ــ اس کا مجدد الف ثانی نمبر، شاہ ولی اللہؒ نمبر اور ان کی کتابیں "اسلام کیا ہے؟" ــ "دین و شریعت" ــ "قرآن آپ سے کیا کہتا ہے" ــ اور "معارف الحدیث" کا عالمانہ اور مقبول سلسلہ ہے جن سے اس برّصغیر میں اور ان کے انگریزی تراجم کے ذریعہ پوری دُنیا میں خاص کر امریکہ، یورپ اور افریقہ میں لاکھوں بندگانِ خدا کو اسلام کو سمجھنے اور دین کے تقاضوں پر عمل کرنے کی توفیق ہوئی، باوجودیکہ امام اہلسنّت حضرت مولانا عبد الشکور صاحب فاروقی سے ان کا خصوصی قرب و تعلّق رہا، انھوں نے مستقل طور پر شیعیت پر کچھ نہیں لکھا تھا لیکن اس وقت جب کہ وہ عمر و صحت کی اس منزل میں پہنچ گئے ہیں جس میں ان کو زیادہ سے زیادہ آرام کرنے کی ضرورت تھی اور اس تربیت و ذوق نے جو ان کو رائے پور کی خانقاہ سے ملا تھا، ان کو یادِ خدا، ذکر و تلاوت اور فکرِ آخرت میں مشغول کر دیا تھا، اچانک ان کے سامنے یہ بات آئی کہ آیت اللہ خمینی صاحب کی اس کامیابی سے جو ان کو رضا شاہ پہلوی کی حکومت کے مقابلہ

جناب ابوبصیر سے روایت ہے کہ میرے ایک سوال کے جواب میں امام جعفر صادقؒ نے فرمایا۔

اما علمت ان الدنیا و الآخرۃ للامام یضعھا حیث شاء ویدفعھا الی من یشاء (اصول کافی ص۲۵۹)	کیا تم کو یہ بات معلوم نہیں کہ دنیا اور آخرت سب امام کی ملکیت ہے وہ جس کو چاہیں دیدیں اور عطا فرما دیں۔

امامت، نبوّت اور الوہیت کا مرکب

ائمہ اور امامت کے بارے میں شیعہ حضرات کی مستند ترین کتابوں سے جو کچھ یہاں تک نقل کیا گیا وہ یہ جاننے اور سمجھنے کے لیے کافی ہے کہ اثنا عشری مذہب کی رو سے ائمہ کو انبیاء علیہم السلام کے تمام خصائص وکمالات اور معجزات تک حاصل تھے اور ان کا درجہ تمام انبیاء سابقین یہاں تک کہ انبیاء اولوالعزم حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہم السلام سے بھی برتر وبالا اور خاتم الانبیاء سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بالکل برابر ہے ___ اور اس سے بھی آگے یہ کہ وہ صفات الوہیت کے بھی حامل ہیں، ان کی شان یہ ہے کہ وہ عالم ماکان ومایکون ہیں، کوئی چیز ان سے مخفی اور ان کے لیے غیب نہیں (لا یخفیٰ علیھم شئ) اور یہ کہ ان کے بارے میں غفلت اور سہو ونسیان کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا، اور کائنات کے ذرہ ذرہ پر انکی تکوینی حکومت ہے، یعنی انکو کن فیکونی اقتدار حاصل ہے، اور وہ دنیا وآخرت کے مالک ہیں جس کو چاہیں دیں اور جس کو چاہیں محروم رکھیں ___ ان عقائد میں غور کرنے سے معلوم ہوجاتا ہے کہ شیعیت اور مسیحیت میں کتنا قرب اور کیسی مشابہت ہے۔

قرآن مجید میں

امامت اور ائمہ کا بیان

اصول کافی کتاب الحجۃ میں ایک باب ہے جس کا عنوان ہے "باب فیه نکت ونتف من التنزیل فی الولایة" (مطلب یہ ہے کہ اس باب میں ائمہ معصومین کی وہ روایات اور وہ ارشادات درج کیے جائیں گے جن میں مسئلہ امامت اور ائمہ کی شان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی نازل کی ہوئی کتاب مبین قرآن مجید کے نکات ورشحات بیان فرمائے گئے ہیں) یہ باب بہت طویل ہے، اس میں قریباً ایک سو روایات اس موضوع سے متعلق درج کی گئی ہیں۔ اور قریباً سب ہی اس کی مستحق ہیں کہ اُن کو ناظرین کے سامنے پیش کیا جائے لیکن مقالہ کی محدود گنجائش کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہم یہاں ان میں سے صرف چند ہی بطور "مشتے نمونہ از خروارے" پیش کریں گے۔
(ہمیں یقین ہے کہ علم و عقل رکھنے والے سب ہی ناظرین محسوس کریں گے کہ اس باب کی قریباً سب ہی روایتیں قرآن مجید کے ساتھ مذاق بلکہ اس کی روح پر ظلم کی عبرتناک مثالیں ہیں۔)

اللہ تعالیٰ نے آسمانوں، زمین اور پہاڑوں پر جو امانت پیش کی تھی اور جس کا بار اٹھانے سے انھوں نے انکار کر دیا تھا وہ امامت کا مسئلہ تھا

(۱) سورہ احزاب کی آیت ۷۲ ہے "اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ۚ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ۝"

اصول کافی میں امام جعفر صادق سے روایت ہے کہ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے آپ نے فرمایا "ھی ولایۃ امیر المومنین علیہ السلام" (اصول کافی ص۲۶۱) یعنی اس آیت میں "الامانۃ" سے امیر المومنین (حضرت علی مرتضیٰ) کی امامت مراد ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی امامت کا مسئلہ آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر پیش کیا تھا اور ان سے اس کے قبول کرنے کا مطالبہ کیا تھا لیکن آسمان اور زمین اور پہاڑ امیر المومنین کی امامت کے اس مسئلہ کو قبول کرنے کا بار عظیم اٹھانے کی ہمت نہیں کر سکے اور خوف زدہ ہو گئے اور انکار کر دیا۔

اس پر بس یہی تبصرہ کیا جا سکتا ہے کہ آیت کے لفظ "الامانۃ" سے امیر المومنین کی امامت مراد لینا ایسی ہی مہمل اور بے تکی بات ہے جیسے کوئی قادیانی دعوے کرے کہ اس سے مراد مرزا غلام احمد قادیانی کی نبوت پر ایمان لانا ہے۔

اس باب کی تمام روایتوں کا یہی حال ہے واقعہ یہ ہے کہ جن لوگوں نے ایسی

روایات ان ائمہ (حضرت امام جعفر صادق یا ان کے والد ماجد حضرت امام باقر) کی طرف منسوب کی ہیں، انھوں نے ان کی علمی اور دینی حیثیت کو سخت مجروح کیا ہے ــــ یہی وہ روایات ہیں جن پر شیعیت کے اساسی مسئلہ امامت کی بنیاد ہے۔

قرآن مجید نہیں، امامت کا مسئلہ

(۲) قرآن مجید سورہ شعراء کے آخری رکوع کی آیت ۱۹۳-۱۹۴ ہے۔ "نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ عَلَىٰ قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنذِرِينَ ۝ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِينٍ ۝" جس کا صاف سیدھا مطلب یہ ہے کہ روح الامین یعنی جبرئیل اس قرآن کو لے کر جو واضح اور فصیح عربی زبان میں ہے اے رسول تمھارے قلب پر نازل ہوئے (یعنی تمھارے دل تک پہونچایا) تاکہ تم لوگوں کو بُرے انجام سے آگاہی دینے والے ہو جاؤ" ــــ لیکن اصول کافی میں امام باقر سے روایت ہے کہ انھوں نے اس آیت کا مطلب بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

هي الولاية لامير المؤمنين عليه السلام۔ — کہ جبرئیل جو چیز لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب پہ نازل ہوئے، وہ امیر المؤمنین (حضرت علی) کی ولایت و امامت کا مسئلہ تھا۔

اصول کافی ص ۲۶۱

مطلب یہ ہوا کہ یہ آیت قرآن مجید کے بارے میں نہیں ہے بلکہ امامت کے مسئلہ سے متعلق ہے۔

(۳) قرآن مجید سورہ مائدہ کے نویں رکوع کی آیت ۶۶ ہے "وَلَوْ أَنَّهُمْ أَقَامُوا التَّوْرَاةَ وَالْإِنجِيلَ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْهِم مِّن رَّبِّهِمْ .... الخ" اس آیت میں اہل کتاب یہود و نصاریٰ کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ اگر وہ تورات و انجیل پر اور اُس تازہ وحی قرآن مجید پر جو ان کے پروردگار کی طرف سے اُن کے لیے نازل ہوئی ہے ٹھیک ٹھیک

عمل کرتے تو ان پر اللہ تعالیٰ کی خاص رحمتیں اور برکتیں نازل ہوتیں ـــــ لیکن اصول کافی میں امام باقر سے روایت ہے کہ انھوں نے اس آیت کی تفسیر میں بھی یہی فرمایا کہ "الولایۃ ص۲۶۲" مطلب یہ ہوا کہ "مَآ اُنْزِلَ اِلَیْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ" سے قرآن مراد نہیں بلکہ امامت کا مسئلہ مراد ہے۔

ہمارا خیال ہے کہ جو شخص قرآن پاک کھول کر ان آیتوں کو سیاق وسباق کے ساتھ دیکھے گا اس کو حیرت ہوگی کہ جن لوگوں نے امام باقر جیسے صاحب علم اور صاحب تقویٰ بزرگ کے بارے میں یہ روایتیں گھڑیں۔ وہ کس قدر بے علم، بدعقل اور نافہم تھے۔

قرآن میں "پنجتن پاک" اور تمام ائمہ کے نام تھے وہ نکال دیئے گئے اور تحریف کی گئی

(۴) قرآن مجید سورہ طٰہٰ کی آیت ۱۱۵ اس طرح ہے۔ "وَلَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا" (جس کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے آدم کو پہلے ہی ایک حکم دے دیا تھا (کہ اس درخت کے پاس نہ جائیو!) پھر وہ آدم اس کو بھول گئے)

اب سنئے اصول کافی میں روایت ہے کہ امام جعفر صادق نے قسم کھا کے فرمایا کہ یہ پوری آیت اس طرح نازل ہوئی تھی۔

ولقد عهدنا الی آدم	اور ہم نے پہلے ہی حکم دیا تھا آدم کو
من قبل کلمات فی محمد	کچھ باتوں کا محمد اور علی اور فاطمہ اور
وعلی وفاطمة والحسن و	حسن اور حسین اور ان کی نسل سے
الحسین والائمة من ذریتهم	پیدا ہونے والے باقی اماموں کے بارے
فنسی ... هکذا واللہ	میں۔ پھر وہ آدم بھول گئے۔ (امام

انزلت علی محمد صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم۔ اصول کافی صـ۲۶۳)	جعفر صادق نے فرمایا) خدا کی قسم یہ آیت محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اسی طرح نازل ہوئی تھی۔

ظاہر مطلب یہی ہے کہ یہ آیت اللہ تعالیٰ کی طرف سے تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر اس طرح نازل ہوئی تھی کہ اس میں یہ سب نام تھے (اور مطلب یہ تھا کہ ہم نے آدم کو علی، فاطمہ اور حسن اور حسین اور ان کی نسل سے پیدا ہونے والے اماموں کے بارے میں کچھ خاص احکام دیے تھے) لیکن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد (شیعی عقیدہ کے مطابق) جو لوگ غاصبانہ طور پر خلیفہ اور امیر المومنین بن گئے تھے انھوں نے قرآن میں جو تصرفات کیے اور جو تحریفیں کیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ سورہ طٰہٰ کی اس آیت میں سے خط کشیدہ حصہ نکال دیا جس میں نام بنام پنج تن اور ان کی نسل سے پیدا ہونے والے ائمہ کا ذکر تھا۔

قرآن پاک میں اس طرح کی تحریفات کا ذکر اصول کافی کی بلا مبالغہ سیکڑوں روایات میں ہے۔

قرآن میں اسی طرح کی ایک دوسری تحریف

(۵) سورہ بقرہ کے شروع ہی میں آیت ۲۳ ہے "اِنْ کُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَۃٍ مِّنْ مِّثْلِہٖ....." ظاہر ہے کہ اس آیت میں اسلام اور قرآن کے منکروں کو مخاطب کر کے فرمایا گیا ہے اور چیلنج کیا گیا ہے کہ اگر تم کو کچھ شک و شبہ ہے اس قرآن کے منزل من اللہ ہونے میں جو ہم نے اپنے اس بندے (محمد صلے اللہ علیہ وسلم) پر نازل کیا ہے تو تم اس کے مثل ایک ہی سورت (بنا کر یا بنوا کر) لے آؤ۔

لیکن اصول کافی میں امام باقر سے روایت کیا گیا ہے کہ۔

نزل جبرئیل بھذہ الآیۃ	جبرئیل محمد صلے اللہ علیہ وسلم پر آیت
علی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ	اس طرح لے کر نازل ہوئے تھے کہ
وسلم ھکذا " ان کنتم	اس میں "علی عبدنا" کے بعد اور
فی ریب مما نزلنا علی عبدنا	"فاتوا" سے پہلے فی علی کا لفظ تھا
فی علی فاتوا بسورۃ من	(اور اس طرح اس آیت میں حضرت علی
مثلہ ص۲۶۳	کی امامت کا ذکر تھا)

ظاہر مطلب روایت کا یہی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جو لوگ غاصبانہ طور پر برسر اقتدار آگئے تھے انھوں نے اس آیت میں سے یہ لفظ ساقط کر دیا اور یہ تحریف کر دی۔

(۶) قرآن مجید سورہ روم کی آیت ۳۰ میں ہے " فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا " جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ ہر طرف سے یکسو ہو کر اپنا رخ کر لو دین اسلام کی پیروی اور اللہ کی اطاعت و فرمانبرداری کی طرف۔ لیکن اصول کافی میں ہے کہ امام باقر علیہ السلام نے اس آیت کے بارے میں فرمایا کہ

ھی الولایۃ ص۲۶۳ اس سے مراد ولایت و امامت کا مسئلہ ہے (یعنی آیت میں اس کو ماننے کا حکم دیا گیا ہے)

معاذ اللہ! حضرت علی کی ولایت و امامت نہ ماننے کی وجہ سے حضرات خلفائے ثلثہ اور عام صحابہ کرام قطعی کافر و مرتد

(۷) قرآن مجید سورہ نساء کے بیسویں رکوع کی آیت ۱۳۷ ہے اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ الآیۃ

اس میں ایسے بدبختوں کے بارے میں جنھوں نے بظاہر اسلام قبول کیا لیکن اس کے بعد پلٹ گئے اور کفر کا طریقہ اپنا لیا اس کے بعد پھر ایمان کا اظہار کیا اور اس کے بعد پھر کفر کی طرف لوٹ گئے اور پھر کفر ہی میں آگے بڑھتے رہے (تو ایسے بدبختوں کے بارے میں اس آیت میں) فرمایا گیا ہے کہ ان کی ہرگز مغفرت نہیں ہوگی، ظاہر ہے کہ اس میں ایسے منافقوں کو آگاہی دی گئی ہے جو اپنی دنیوی مصلحتوں اور مفادات کے تقاضوں کے مطابق کبھی مسلمانوں میں شامل ہو جاتے تھے اور کبھی کافروں سے جا ملتے تھے۔

لیکن سنئے کہ اصول کافی میں امام جعفر صادق سے روایت ہے کہ انھوں نے اس آیت کے بارے میں فرمایا۔ (روایت پڑھنے سے پہلے ناظرین یہ بات ذہن میں رکھ لیں کہ شیعی روایات میں جہاں فلاں و فلاں کے الفاظ آتے ہیں تو ان سے مراد حضرت صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ ہوتے ہیں اور جہاں یہ لفظ تین دفعہ آتا ہے وہاں تیسرے فلاں سے حضرت عثمانؓ مراد ہوتے ہیں۔ اس کے بعد ناظرین کرام اصل روایت ملاحظہ فرمائیں) اصول کافی کی روایت کے مطابق امام جعفر صادق نے فرمایا۔

نزلت فی فلان و فلان و	یہ آیت فلاں اور فلاں اور فلاں
فلان آمنوا بالنبی صلی اللہ	(یعنی ابوبکر، عمر، عثمان) کے بارے میں[1]
علیہ وسلم فی اول الامر وکفروا	نازل ہوئی ہے۔ یہ تینوں شروع میں
حیث عرضت علیھم الولایۃ حین	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان
قال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	لائے اور جب ان کے سامنے حضرت علی کی
من کنت مولاہ فھذا علی	ولایت و امامت کا مسئلہ پیش کیا گیا اور

---

[1] اصول کافی کی شرح الصافی میں اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھا ہے "امام" گفت این آیت نازل شد در ابوبکر و عمر و عثمان ... الخ الصافی جزء سوم حصہ دوم ص ۹۱

مولاہ ثم امنوا بالبیعة لامیر المؤمنین علیہ السلام ثم کفروا حیث مضی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ فلم یقروا بالبیعة ثم ازدادوا کفرا باخذھم من بایعہ بالبیعة لھم فھؤلاء لم یبق فیھم من الایمان شیئ۔

اصول کافی ص۲۶۵

آپ نے فرمایا "من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ" تو یہ تینوں اس سے منکر ہو کر کافر ہو گئے، پھر حضور کے فرمانے سے انھوں نے امیر المومنین کی بیعت کر لی اور اس طرح پھر ایمان لے آئے، پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا تو پھر یہ (امیر المومنین علی کی) بیعت کا انکار کر کے کافر ہو گئے پھر یہ کفر میں اور آگے بڑھ گئے جب انھوں نے ان لوگوں سے بھی بیعتِ خلافت لے لی جو امیر المومنین سے بیعت کر چکے تھے تو اب یہ سب اس حال میں ہو گئے کہ ان میں ایمان ذرا سا بھی باقی نہیں رہا۔ (قطعی کافر ہو گئے)

(۸) اصول کافی ہی میں مندرجہ بالا روایت کے بعد متصلاً امام جعفر صادق ہی سے روایت ہے کہ آپ نے قرآن مجید سورہ محمد کی آیت ۲۵ "اِنَّ الَّذِیْنَ ارْتَدُّوْا عَلٰی اَدْبَارِھِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَھُمُ الْھُدٰی" کی تفسیر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اس آیت میں جن لوگوں کے کافر مرتد ہونے کا ذکر کیا گیا ہے وہ

فلان وفلان وفلان ارتدوا عن الایمان فی ترک ولایة امیر المؤمنین علیہ السلام

اصول کافی ص۲۶۵

فلاں اور فلاں اور فلاں (یعنی خلفائے ثلاثہ) ہیں یہ تینوں امیر المومنین علیہ السلام کی ولایت وامامت ترک کر دینے کی وجہ سے ایمان واسلام سے مرتد ہو گئے۔

ایمان کے معنی امیرالمومنین علی، کفر کا مطلب ابوبکر

فسق سے مراد عمر اور عصیان سے عثمان۔ (معاذ اللہ)

(۹) سورہ حجرات کی آیت ۷ میں ہے "وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَ زَيَّنَهٗ فِیْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ"
جس کا صاف سیدھا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر اے اصحاب محمد یہ انعام فرمایا ہے کہ ایمان کی محبت تمہارے دلوں میں پیدا کر دی اور تمہارے قلوب کو ایمان کی زینت سے مزین کر دیا اور کفر اور فسق اور معصیت کی نفرت تمہارے اندر پیدا کر دی۔ اور یہی لوگ ہدایت یاب ہیں۔ اب سنیئے کہ (اصول کافی کی روایت کے مطابق) امام جعفر صادق نے اس آیت کی تفسیر و تشریح کرتے ہوئے فرمایا۔

قوله حبب اليكم الايمان	"حبب اليكم الايمان" میں ایمان
وزينه في قلوبكم يعني امير	کا مطلب ہے امیرالمومنین علیہ السلام
المؤمنين عليه السلام وكره	(کی ذات شریف) اور آگے "کرہ الیکم
اليكم الكفر والفسوق والعصيان	الکفر والفسوق والعصیان" میں
الاول والثاني والثالث	کفر کا مطلب ہے خلیفہ اول (ابوبکر) اور
اصول کافی ص ۲۶۹	فسق کا مطلب ہے خلیفہ ثانی (عمر)

اور عصیان کا مطلب ہے خلیفہ ثالث (عثمان) (استغفر اللہ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ)

(یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن بندوں کو عقل اور نور ایمانی کی دولت سے محروم نہیں کیا ہے وہ ان روایتوں کی وجہ سے حضرت امام جعفر صادق اور حضرت امام باقر وغیرہ بزرگان اہل بیت سے بدظن نہ ہوں گے بلکہ وہ ان روایات کو اسلام اور امت مسلمہ کے دشمنوں

میں حاصل ہوئی اور اس انقلاب سے جو ایک مخصوص شکل میں ایران کے معاشرہ میں رونما ہوا، نیز بعض حملوں پر دنیا کی عظیم ترین طاقت امریکہ کی ناکامی ایرانی نوجوانوں کے جذبہ قربانی اور اسی کے ساتھ متعدد عرب و مسلم ممالک کی دینی و اخلاقی کمزوریوں و خامیوں اور وہاں کی ناپسندیدہ صورت حال نے برصغیر کے مسلمان نوجوانوں کے ایک بڑے حلقہ میں جو موجودہ حالات سے بیزار تھا اور جو ہر اس حوصلہ مندی اور مہم جوئی سے مسحور ہوتا ہے جس میں اسلام کا نام شامل ہو جائے خمینی صاحب اس طرح مقبول ہو رہے ہیں جیسے کسی زمانہ میں کمال اتاترک اور عرب قوم پرستوں کے حلقہ میں جمال عبد الناصر تھے، اور اب بھی بعض حلقوں میں بعض ایسے سربراہان مملکت مقبول و محبوب ہیں جو کھلے طریقہ پر منکر سنت، حدیث کا مذاق اڑانے والے، مغربی تہذیب کے رائج کرنے والے اور کمیونسٹ خیالات کے داعی ہیں، بلکہ مذہبی رنگ و آہنگ کے شامل ہو جانے سے خمینی صاحب ان سے زیادہ مقبول ہو رہے ہیں اور یہ بات اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ اگر کوئی عقیدہ کا سوال اٹھائے اور کتاب و سنت اور اجماع امت کے زاویہ نگاہ سے بحث کرے اور اس معیار سے اس کو جانچنے کی کوشش کرے تو ان حضرات کے لئے اس کا سننا بھی دشوار ہے اور کبھی کبھی یہ ناپسندیدگی و برہمی اشتعال و ابتذال کی حد تک پہنچ جاتی ہے، یہ وہ صورت حال ہے جو اس دین کے مستقبل اور روح اسلام کے نقطۂ نظر سے سخت تشویشناک ہے اور حضرت علیؓ کے اس بلیغ فقرہ کی تشریح و تصدیق اَتباع کل ناعق (ہر زور سے بولنے والے کے پیچھے لگ جانے والے)

اس مطالعہ نے ان کے ضعیف اور بیماریوں سے زار و نزار جسم میں ایک نئی حرکت و قوت اور فکر و مطالعہ کی ایک نئی صلاحیت پیدا کر دی، انھوں نے اس محنت و انہماک کے ساتھ کام شروع کیا کہ بارہا ان کی صحت خطرہ میں پڑ گئی اور اہل تعلق کو اس بارے میں فکر و تشویش لاحق ہوئی لیکن مولانا اپنی افتادِ طبع اور زندگی بھر کے معمول کے مطابق اپنے کو اس سے باز نہیں رکھ سکے، انھوں نے شروع سے شیعیت کی تاریخ کا مطالعہ کیا، جس کے اکثر مستند ماخذ (جو تقیہ و اخفاء کی وجہ سے بہت سے اکابر اہل سنت کی نظر سے مخفی رہے اور بعد کے زمانہ میں ان کی اشاعت ہوئی) ان کے سامنے تھے، اُدھر تائیدِ الٰہی سے ان کو

کی سازش کے سلسلہ کی کڑی ہی سمجھیں گے ـــ یہی روایات ہیں جن پر شیعہ مذہب کی بنیاد ہے)

امیرالمؤمنین کی امامت نہ ماننے والے جہنمی ہیں

(۱۰) قرآن مجید سورۃ بقرہ کی آیت ۸۱ ہے "بَلٰی مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓـئَتُهٗ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝" جس کا سیدھا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ بدی ہی کی کمائی کریں اور بس بدکاری ہی کو اپنا سرمایہ بنالیں اور انکی خطاکاری اور بدکاری ان کو محیط ہو جائے اور پوری طرح چھا جائے (جو کفار و مشرکین کا حال ہوتا ہے) تو یہ لوگ جہنمی ہیں اور یہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔ اب سنئے اصول کافی میں امام جعفر صادق سے اس آیت کی تفسیر میں نقل کیا گیا ہے۔

بلیٰ من کسب سیئۃ واحاطت	یعنی آیت کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ
بہ خطیئتہ قال اذا جحد	امیرالمؤمنین کی امامت کا انکار کریں گے وہ
امامۃ امیر المؤمنین فاولئك	جہنمی ہوں گے اور ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں
اصحب النار ھم فیہا خالدون	رہیں گے (ملحوظ رہے کہ یہاں امامت سے
اصول کافی ص ۲۷۰	مراد شیعہ حضرات کی اصطلاحی امامت ہے
	جس کا مطلب ناظرین کو معلوم ہو چکا ہے)

اصول کافی کے اس باب میں اس طرح کی بیسیوں روایتیں ہیں۔ نمونے کے لیے یہی دس کافی ہیں ـــ

جس طرح نبی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نامزد ہوتے ہیں اسی طرح امیرالمومنین (علیؑ) سے لیکر بارہ امام قیامت تک کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نامزد ہیں۔ خود امام کو بھی اختیار نہیں ہوتا کہ وہ اپنے بعد کے لیے اپنا جانشین امام مقرر کرے

اصول کافی میں ایک باب ہے "باب ان الامامة عهد من الله عزوجل معهود من واحد الی واحد علیهم السلام" (مطلب یہ ہے کہ امامت اللہ کی طرف سے ایک عہد ہے جو ایک امام سے دوسرے امام کی طرف اللہ کے حکم کے مطابق منتقل ہوتا ہے)۔ اس باب میں روایت ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔

ان الامامة عهد من الله	امامت ایک عہد ہے اللہ عزوجل کی
عزوجل معهود لرجال	طرف سے متعین شخصوں کے لیے امام کو
مسمیین علیهم السلام لیس	بھی یہ حق نہیں ہے کہ اپنے بعد کے لیے
للامام ان یزویها عن	نامزد امام کے سوا کسی دوسرے
الذی یکون من بعده ؎	کی طرف امامت منتقل کردے۔

نیز اسی باب کی ایک روایت میں امام جعفر صادق کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے آپنے اپنے خاص اصحاب سے فرمایا۔

اتدرون الموصی منا یوصی	کیا تم سمجھتے ہو کہ ہم میں سے وصیت
الی من یرید ؟ لا والله ولکن	کرنے والا امام اپنے بعد کے لیے جس کو
عهد من الله ورسوله صلی الله	چاہے وصی یعنی امام بنادے (اس کا

علیہ وآلہ لرجل فرجل	اس کو اختیار ہے؟ خدا کی قسم ایسا
حتی ینتھی الامر الی صاحبہ	نہیں ہے، بلکہ یہ تو اللہ اور اس کے رسول
اصول کافی ص۱۷۷	کی طرف سے عہد و پیمان ہے متعین

اشخاص کے لیے یکے بعد دیگرے یہاں تک کہ یہ سلسلہ ختم ہوگا صاحب الامر (امام آخرالزماں یعنی امام غائب) تک پہنچ کر۔

اس باب میں اس مضمون کی متعدد روایات ہیں سب کا حاصل یہی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد قیامت تک کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بارہ۱۲ امام نامزد ہو چکے ہیں، ان کی نامزدگی اور ان کا تقرر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسی طرح ہوا ہے جس طرح اس کی طرف سے نبیوں رسولوں کا تقرر ہوتا ہے۔ جس میں کسی مخلوق کی رائے اور اختیار کو دخل نہیں ہوتا۔

ہر امام کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک سر بمہر لفافہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا تھا جس میں اس امام کیلئے خاص ہدایات تھیں، وہ ہر امام کو سربمہر ہی ملتا رہا۔

اصول کافی میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ائمہ کی نامزدگی اور خاص ہدایت و وصیت کے سلسلہ میں امام جعفر صادق سے ایک بہت طویل حدیث روایت کی گئی ہے۔ پوری روایت اصول کافی ص۱۷۱ و ص۱۷۲ پر دیکھی جا سکتی ہے۔ یہاں اس کا صرف حاصل اور خلاصہ ہی نذر ناظرین کیا جا رہا ہے۔

امام جعفر صادق نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر جبرئیل کے ذریعہ آسمان سے امامت اور ائمہ کے بارے میں وصیت نامہ سربمہر کتاب کی شکل

میں نازل ہوا تھا، اس کے علاوہ کوئی چیز بھی سربمہر مکتوب کی شکل میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر نازل نہیں ہوئی۔ اس میں ہر امام کے لیے الگ الگ سربمہر لفافے تھے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے وہ سب حضرت علی کے حوالہ کئے۔ حضرت علی نے صرف اپنے نام کے لفافے کی مہر توڑ کر اپنے سے متعلق وصیت نامہ پڑھا، پھر اسی طرح ہر امام کو ان کے نام کا لفافہ سربمہر ہی ملتا رہا اور وہ امام ہی اپنے لفافہ کی مہر توڑ کر اس کو پڑھتے تھے یہاں تک کہ آخری لفافہ اسی طرح بارہویں امام مہدی (امام غائب) کو ملے گا۔ (ملخصاً اصول کافی ص۱۷۱، ص۱۷۲)

جیسا کہ عرض کیا گیا اصل روایت بہت طویل ہے اگر روایت کا متن اور ترجمہ لکھا جاتا تو ۵-۶ صفحات پر آتا اس لیے صرف اس کا حاصل اور خلاصہ ہی نذر ناظرین کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے بارہ اماموں کی نامزدگی اور آسمان سے نازل ہونے والی ایک عجیب و غریب تختی کا قصہ

اصول کافی کتاب الحجہ ہی میں ایک باب ہے "باب ماجاء فی الاثنی عشر و النص علیھم" اس باب میں وہ روایتیں درج کی گئی ہیں جن میں بارہ اماموں کے ناموں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے امامت کے لیے ان کی نامزدگی صراحتاً بیان کی گئی ہے۔ اس باب کی ایک روایت میں آسمان سے نازل ہونے والی سبز رنگ کی ایک تختی کا عجیب و غریب قصہ بیان کیا گیا ہے۔ جس پر نورانی حروف میں نمبر وار بارہ (۱۲) اماموں کے نام ان کے تفصیلی تعارف کے ساتھ درج تھے۔ یہ روایت بھی بہت طویل ہے اس لیے اس کا بھی صرف حاصل ہی یہاں نذر ناظرین کیا جا رہا ہے۔

جناب ابوبصیر نے امام جعفر صادق سے روایت کیا ہے کہ میرے والد ماجد (امام باقر) نے جابر بن عبداللہ انصاری (صحابی) سے کہا کہ مجھے آپ سے ایک خاص کام ہے، آپ کے لیے کب سہولت ہوگی کہ میں تنہائی میں آپ سے ملوں اور ایک معاملہ کے بارے میں کچھ پوچھوں؟ جابر نے کہا جب آپ چاہیں آسکتے ہیں ــــ چنانچہ ایک دن میرے والد اُن کے پاس پہنچ گئے اور ان سے کہا کہ مجھے اُس تختی کے بارے میں بتلائیے جو آپ نے ہماری (پردادی) اماں حضرت فاطمہ بنت رسول اللہ کے ہاتھ میں دیکھی تھی، اور اس تختی کے بارے میں جو کچھ انھوں نے آپ کو بتایا تھا، اور جو کچھ اس میں لکھا ہوا تھا۔ تو جابر بن عبداللہ نے کہا میں اللہ کو گواہ بناکے یہ واقعہ بیان کرتا ہوں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں آپ کی (پردادی) اماں حضرت فاطمہ کے پاس ان کے بیٹے حسینؑ کی ولادت کی مبارکباد دینے کے لیے گیا تھا تو میں نے ان کے ہاتھ میں ایک سبز رنگ کی تختی دیکھی، میں نے خیال کیا کہ وہ زمرد کی ہے اور اس میں سورج کی طرح چمکدار سفید رنگ میں کچھ لکھا ہوا ہے تو میں نے ان سے کہا کہ اے رسول اللہ کی صاحبزادی! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں مجھے بتائیے کہ یہ تختی کیا ہے اور کیسی ہے؟ تو انھوں نے فرمایا کہ یہ تختی اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کے پاس بھیجی ہے اس میں میرے اباجان (رسول اللہؐ) کا نام ہے اور میرے شوہر (علیؑ) کا اور میرے دونوں بیٹوں (حسن وحسینؑ) کے اور میری اولاد میں جو اوصیا ہونے والے ہیں ان سب کے نام ہیں۔ میرے اباجان (رسول اللہؐ) نے مجھے بشارت دینے کے لیے یہ تختی مجھ کو عطا فرمادی ہے۔

اس کے آگے ہے کہ جابر نے (امام باقر سے) بیان کیا کہ پھر تمہاری (پر دادی) اماں فاطمہؓ نے دیکھنے کے لیے وہ تختی مجھے عنایت فرمادی، میں نے اس کو پڑھا اور جو کچھ اس میں لکھا تھا اس کو نقل کر کے اپنے پاس رکھ لیا (اس واقعہ کے نقل کرنے والے امام جعفر صادق فرماتے ہیں کہ) میرے والد (امام باقر) نے جابر سے کہا کہ کیا آپ وہ نقل مجھے دکھا سکتے ہیں؟ انھوں نے کہا ہاں آپ دیکھ سکتے ہیں۔ تو میرے والد جابر کے ساتھ اُن کے گھر گئے، انھوں نے جھلی کا لکھا ہوا ایک ورق نکالا، میرے والد نے کہا کہ تم اپنا لکھا ہوا دیکھو میں تم کو پڑھ کر سناتا ہوں (جو اس تختی میں لکھا ہوا تھا) چنانچہ میرے والد (امام باقر) نے پڑھ کر سنایا تو ایک حرف بھی اس کے خلاف نہیں تھا جو جابر نے لکھا تھا۔ تو جابر بن عبداللہ نے کہا کہ میں اللہ کو شاہد بنا کر شہادت دیتا ہوں کہ میں نے اُس تختی میں بالکل اسی طرح لکھا ہوا دیکھا تھا۔ (اصول کافی ص۳۴۳)

آگے روایت میں اس تختی کا پورا متن نقل کیا گیا ہے جو اصول کافی کے پورے ایک صفحہ پر ہے، اس میں حضرت علیؓ سے لے کر بارھویں امام (امام غائب) تک کا تفصیلی تعارف کے ساتھ تذکرہ ہے (اصول کافی ص۳۴۲)

حضرت علی نے حضرت ابوبکر صدیق کی خلافت کے زمانہ میں ایک دن ان کا ہاتھ پکڑ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کرادی، آپؐ نے ابوبکر کو علی اور اُن کی اولاد میں سے گیارہ اماموں پر ایمان لانے کی، اور خلافت کے بارے میں جو کچھ کیا اُس سے توبہ کرنے کی ہدایت فرمائی۔

اصول کافی کے اسی باب (باب ماجاء فی الاثنی عشر والنص علیھم) کی یہ عجیب و غریب روایت اور پڑھ لی جائے۔

ان امیر المؤمنین علیہ السلام قال لابی بکر یوما "لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ" واشهد ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ مات شهیدا وانه لیاتینك فایقن اذا جاءك، فان الشیطان غیر متخیل به، فاخذ علیؑ بید ابی بکر، فاراه النبیؐ فقال یا ابابکر	امیر المومنین (حضرت علی) علیہ السلام نے ایک دن ابوبکر سے کہا کہ (قرآن پاک میں فرمایا گیا ہے کہ) "جو لوگ راہ خدا میں شہید ہوئے اُن کو مرا ہوا نہ سمجھو، بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں وہاں ان کو عالم غیب کا رزق دیا جاتا ہے" اور میں شہادت دیتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ راہ خدا میں شہید ہوئے ہیں، خدا کی قسم وہ تمہارے سامنے آئیں گے، تو جب آپ تشریف لائیں تو یقین کر لینا کہ آپ ہی ہیں کیونکہ شیطان

امن بعلی وباحد عشر من ولده انهم مثلی الا النبوة وتب الی الله مما بیدك وانه لاحق لك فیه ثم ذهب فلم یُر ص۳۴۵

آپ کی شکل بنا کر کسی کے خیال میں نہیں آسکتا۔ پھر علیؑ نے ابوبکر کا ہاتھ پکڑا اور ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھایا۔ آپ نے فرمایا کہ اے ابوبکر علی پر ایمان لاؤ اور ان کی اولاد میں سے گیارہ اماموں پر، وہ سب میری مثل ہوں گے بجز نبوت کے اور اے ابوبکر تم نے جو خلافت پر قبضہ کر لیا ہے اللہ کے حضور میں اس سے توبہ کرو تمہارا اس میں کوئی حق نہیں ہے۔ حضور یہ فرما کر تشریف لے گئے پھر نظر نہ آئے۔

امام غائب اثنا عشری عقیدہ میں

ایک طلسماتی داستان

امیر المومنین حضرت علیؓ سے لے کر بارہویں امام آخر الزماں تک ائمہ اثنا عشر کی انبیاء علیہم السلام ہی کی طرح اللہ تعالیٰ کی طرف سے نامزدگی اور ان کے مقام و مرتبہ اور اُن پر ایمان لانے کے تاکیدی حکم کے بارے میں جو روایات یہاں تک درج کی گئیں، امید ہے کہ وہ اس بارے میں اثنا عشری موقف و عقیدہ سمجھنے کے لیے کافی ہوں گی ۔ لیکن یہ موضوع تشنہ اور نامکمل رہے گا اگر امام آخر الزماں (امام غائب) کی پیدائش اور پھر ان کی غیبوبت کے بارے میں اثنا عشری حضرات کا عقیدہ نہ بیان کیا جائے جو یقیناً اس دنیا کے عجائبات میں سے ہے ۔ یہ ایسا موضوع ہے کہ اگر شیعہ حضرات کی کتابیں سامنے رکھ کر جو کچھ ان میں لکھا گیا ہے اس کو صرف نقل کر دیا جائے تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے ۔ لیکن یہاں ہم صرف وہی لکھیں گے جس سے اپنے ناظرین کو واقف کرنا ضروری سمجھیں گے ۔

بارہویں امام غائب کی پیدائش وغیبت کا عجیب قصّہ

خاندان والوں کو ان کی پیدائش ہی سے انکار

اثنا عشریہ کے نزدیک جو بارہ امام اللہ تعالیٰ کی طرف سے نامزد ہیں اور جن پر ایمان لانا ضروری اور شرط نجات ہے، ان میں گیارہویں امام حسن عسکری بن علی ہیں جو اصول کافی کے بیان کے مطابق رمضان ۲۳۲ھ میں پیدا ہوئے اور قریباً صرف ۲۸ سال کی عمر پا کر ربیع الاول ۲۶۰ھ میں وفات پائی (اصول کافی ص۳۲۴)

ان کے حقیقی بھائی جعفر بن علی اور خاندان کے دوسرے لوگوں کا بیان ہے کہ یہ حسن عسکری لاولد فوت ہوئے اور حکومت کے ذمہ داروں کو بھی تحقیق وتفتیش سے یہی ثابت ہوا، اسی بنیاد پر ان کا ترکہ شرعی قانون کے مطابق اُن کے بھائی اور دوسرے موجود وارثوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ یہ بھی اصول کافی ہی کی روایات میں بیان کیا گیا ہے (اصول کافی ص۲۰۶)

اثنا عشریہ کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ تیسرے امام حسینؓ کے بعد امام کا بیٹا ہی امام ہوتا ہے، اصول کافی میں ایک مستقل باب ہے "باب اثبات الامامة فی الاعقاب (ص۱۷۵)" اس میں ائمہ معصومین کی متعدد روایات ہیں، ان سب کا حاصل یہی ہے کہ امام کا بیٹا ہی امام ہوتا ہے کوئی دوسرا عزیز قریب بھی نہیں ہو سکتا۔ انھیں روایات پر اس عقیدہ کی بنیاد ہے ــــــ اس عقیدہ کی وجہ سے عوام اثنا عشریہ کو یہ مشکل پیش آئی کہ گیارہویں امام حسن عسکری کے بعد "امامت" کا سلسلہ کیسے چلے اور بارہواں اور آخری امام کس کو قرار دیا جائے ــــــ اس مشکل کو حل کرنے کے لیے یہ دعویٰ کیا گیا اور مشہور کیا گیا کہ امام حسن عسکری کی وفات سے چار یا پانچ

کچھ جدید مآخذ مل گئے، جن میں علامہ نوری طبرسی کی "فصل الخطاب فی اثبات تحریف کتاب رب الارباب" اور علامہ خمینی کی "کشف الاسرار" خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔

انھوں نے بڑے صبر و تحمّل کے ساتھ ان کتابوں کا مطالعہ کیا، ان سے مواد جمع کیا، پھر شیعیت کا معروضی طریقہ پر مؤرخانہ، متکلمانہ جائزہ لیا اور یہ کتاب تصنیف کی جس میں مذہبِ شیعہ کی ایک مستند تاریخ، اس کے عقائد و مسلّمات کا آئینہ، ان عقائد کا علمی و تحلیلی تجزیہ، ان کے نتائج کا استخراج، کتاب و سنّت اور مستند تاریخ سے ان کا موازنہ، عقائدِ اسلامی پر ان کے اثرات کی بحث آگئی، خاص طور پر مسئلہ امامت اور تحریف کے بارے میں کتبِ شیعہ کی روشنی میں اور ان کے حوالوں سے اتنا مواد جمع ہو گیا جو کم تر کتابوں میں ہو گا، اسی کے ساتھ حضرات اثنا عشریہ کے اور بھی قابلِ مطالعہ خیالات پر بحث آگئی، جو عقیدۂ امامت اور تحریف کے لازمی نتائج ہیں۔

اس طرح یہ کتاب اس موضوع پر ایک جامع پُر از معلومات اور فکر انگیز کتاب بن گئی، جس کے مطالعہ سے ہر صاحبِ انصاف شیعیت کی حقیقت، امامت و عقیدۂ تحریف کے خطرناک نتائج تک اور اسلام اور مسلمین اوّلین کے بارے میں اس خطرناک بے اعتمادی کی حقیقت تک پہنچ سکتا ہے جو یہ عقائد ان مسلمانوں میں جن کا مطالعہ عمیق اور وسیع نہیں ہے، اور غیر مسلموں میں پیدا کر سکتے ہیں۔

حقیقتاً یہ کتاب کسی مقدمہ یا پیش لفظ کی محتاج نہ تھی، مولانا نے مجھے اس سعادت میں شریک کرنا چاہا اور اس کا ایک فائدہ یہ ہوا کہ خدا نے مجھے خود بھی ایک دوسرے انداز سے اس مسئلہ کا جائزہ لینے اور اس موضوع پر اپنے خیالات اور اپنے احساسات کے اظہار کی توفیق عطا فرمائی، جس کے نتیجے میں ایک مستقل رسالہ "دینِ اسلام اور مسلمین اوّلین کی دو متضاد تصویریں، عقائدِ اہلِ سنّت اور عقائد فرقہ اثنا عشریہ کا تقابلی مطالعہ" تیار ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ یہ کتاب چشم کشا، بصیرت افروز، معلومات افزا ہو

سال پہلے (ایک روایت کے مطابق ۲۵۵ھ میں اور دوسری روایت کے مطابق ۲۵۶ھ میں) اُن کے ایک صاحبزادے ان کی ایک کنیز کے بطن سے پیدا ہوئے تھے جن کو عام نظروں سے چھپا کے رکھا جاتا تھا اس لیے کوئی ان کو دیکھ نہیں سکتا تھا۔[1]

وہ اپنے والد امام حسن عسکری کی وفات سے صرف دس دن پہلے غائب ہو گئے اور وہ تمام چیزیں اور سارے سامان جو حضرت علی سے منتقل ہو کر ہر امام کے پاس رہتے تھے اور آخر میں امام حسن عسکری کے پاس تھے (مثلاً حضرت علی کا جمع کیا اور لکھا ہوا اصلی اور کامل قرآن اور اس کے علاوہ قدیم آسمانی کتابیں، توراۃ، انجیل، زبور اور دیگر انبیاء علیہم السلام کے صحیفے اپنی اصل شکل میں، اور مصحف فاطمہ، اور الجفر اور الجامعہ والا بورا اور انبیاء سابقین کے معجزات، عصائے موسیٰ، قمیص آدم اور سلیمان علیہ السلام کی انگشتری وغیرہ جن کے متعلق تفصیلی روایات اصول کافی کے حوالہ سے ناظرین کرام گزشتہ صفحات میں ملاحظہ فرما چکے ہیں) الغرض شیعی روایات اور شیعی عقیدہ کے مطابق چار یا پانچ سال کی عمر والے یہ صاحبزادے یہ سارے سامان تن تنہا اپنے ساتھ لے کر غائب اور اپنے شہر "سُرَّ مَن رَأیٰ" ہی کے ایک غار میں روپوش ہو گئے۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے شیعہ صاحبان کا عقیدہ ہے کہ امام حسن عسکری کے یہی صاحبزادے امام آخر الزماں ہیں ان پر امامت کا سلسلہ ختم ہو گیا اور چونکہ یہ ضروری ہے کہ جب تک یہ دنیا ہے ایک امام معصوم بھی دنیا میں موجود رہے ورنہ دنیا قائم نہیں

---

[1] اصول کافی میں امام حسن عسکری کے والد ماجد دسویں امام علی رضا سے اس مضمون کی متعدد روایات نقل کی گئی ہیں کہ انھوں نے امام حسن عسکری کے بعد ہونے والے امام (یعنی بارھویں امام) کے بارہ میں فرمایا "انکم لاترون شخصہ" دوسری روایت کے الفاظ ہیں "لا یُریٰ جسمہ" دونوں روایتوں کا مطلب یہی ہے کہ تم اس کو دیکھ نہیں پاؤ گے وہ تم کو نظر نہیں آئے گا (اصول کافی ص۲۰۲)

رہے گی اس لیے یہ امام آخرالزمان قیامت تک زندہ رہیں گے اور اسی طرح غائب و روپوش رہیں گے اور جب وہ وقت آئے گا جو ان کے ظہور کے لیے مناسب ہوگا اس وقت وہ غار سے برآمد اور ظاہر ہوں گے اور پھر ساری دنیا میں انہی کی حکومت ہوگی۔ اور یہ ہوگا اور وہ ہوگا۔

ان بارہویں امام کی پیدائش اور پھر غیبت و روپوشی سے متعلق روایات اصول کافی کے متعدد ابواب میں درج کی گئی ہیں ــــ باب الاشارۃ الیٰ صاحب الدار علیہ السلام اور باب تسمیۃ من رآہ ؑ" (ص ۲۰۲ تا ۲۰۷) اور اس کے آگے "باب مولد صاحب الزمان علیہ السلام" (ص ۳۳۳ تا ۳۴۲) ہمارا خیال ہے کہ ان روایات کے مطالعہ ہی سے ہر اس شخص کا تاثر جس کو اللہ تعالیٰ نے بصیرت و فراست کی نعمت کا کچھ بھی حصہ عطا فرمایا ہے یہی ہوگا کہ "مقدمہ" بنایا گیا ہے لیکن اچھا نہیں بنایا جا سکا اور بظاہر امام حسن عسکری کے بھائی جعفر بن علی اور دوسرے اہل خاندان ہی کا بیان صحیح اور قرین عقل و قیاس ہے کہ حسن عسکری لاولد فوت ہوئے۔ واللہ اعلم بہرحال اس وقت ہم کو اس سے کوئی بحث نہیں کہ دونوں باتوں میں سے کون بات صحیح اور قرین عقل و قیاس ہے۔ ہم کو تو یہاں بارہویں امام (امام غائب) کے بارہ میں شیعہ اثنا عشریہ کا عقیدہ ہی بیان کرنا ہے جو بجائے خود عجیب و غریب اور ہر تبصرہ سے بالاتر ہے ــــ پہلے اُن کی والدہ محترمہ کا قصہ ملاحظہ فرما لیا جائے جو کتب شیعہ میں بیان کیا گیا ہے، ان کا نام مُلیکہ اور ان کو شاہ روم کی پوتی بتایا گیا ہے ــــ دوسرا نام ان کا نرگس بھی روایات میں ذکر کیا گیا ہے۔

امام غائب کی والدہ محترمہ کی حیرت انگیز داستان یا افسانہ

علامہ مجلسی نے "جلاء العیون" اور "حق الیقین" میں بارہویں امام (امام غائب)

کی والدہ محترمہ کی انتہائی حیرت انگیز داستان (جو عشق ومحبت کی بھی بے مثال کہانی ہے) ابن بابویہ اور شیخ طوسی کی روایات کے حوالہ سے بڑی تفصیل سے بیان فرمائی ہے اور لکھا ہے کہ ان دونوں حضرات نے (جو مذہب شیعہ کے اساطین میں سے ہیں) معتبر سندوں سے بشر بن سلیمان سے یہ واقعہ روایت کیا ہے ــــ ان دونوں کتابوں میں واقعہ کی جو روایت نقل کی گئی ہے وہ بہت طولانی ہے یہاں اس کو اختصار اور تلخیص کے ساتھ نذر ناظرین کیا جارہا ہے (پوری روایت حق الیقین طبع ایران اور "جلاء العیون" باب چہار دہم میں دیکھی جاسکتی ہے۔)

روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ گیارہویں امام حسن عسکری کے شہر "سر من رای" میں ان کے پڑوس ہی میں ایک شخص بشر بن سلیمان رہتا تھا، وہ انکے اور انکے والد ماجد امام علی نقی کے بھی شیعان خاص (یعنی مخلص اور معتمد مریدوں) میں سے تھا۔ وہ بردہ فروشی (یعنی غلاموں باندیوں کی خرید و فروخت) کا کاروبار کرتا تھا، اس نے بیان کیا کہ امام علی نقی نے ایک دفعہ فرنگی (انگریزی) زبان اور اسی کے رسم الخط میں ایک خط لکھ کر مجھ کو دیا اور اسکے ساتھ دو سو بیس اشرفی بھی دیں اور فرمایا کہ یہ لے کر بغداد چلے جاؤ (جو اس وقت دار الحکومت تھا) وہاں دریا کے ساحل پر تم کو ایک کشتی نظر آئے گی جس میں فروختنی کنیزیں ہوں گی، تم دیکھو گے کہ ان میں ایک کنیز ہے جو پردہ میں ہے اور اس کو اس سے انکار ہے کہ کوئی اس کو دیکھے ــ ایک عرب جوان اس کو خریدنا چاہے گا اور تین سو اشرفی قیمت لگائے گا لیکن وہ کنیز اس کے ساتھ جانے پر کسی طرح راضی نہ ہوگی اس وقت تم کنیز کے مالک سے کہنا کہ تم میرا یہ خط اس کنیز تک پہنچا دو ــــ (بشر کا بیان ہے کہ) میں امام علی نقی کے حکم کی تعمیل میں بغداد روانہ ہوگیا اور وہ سارے واقعات پیش آئے جو جناب امام نے پہلے ہی بیان فرمادیئے تھے ــــ آخر الامر امام ممدوح کا وہ خط اس کنیز تک پہنچ گیا، جیسے ہی اس نے خط دیکھا بار بار اس کو چوما اور مالک سے

کہا کہ مجھے تم اس خط والے کے ہاتھ فروخت کردو ورنہ میں خودکشی کرلوں گی مالک دو سو اشرفی لے کر اسے میرے حوالہ کر دینے پر راضی ہو گیا اور میں اس کو اپنے ساتھ لے آیا اس کنیز نے مجھے بتایا کہ میں بادشاہ روم کی پوتی ہوں اور میرا نام ملیکہ ہے اور میری والدہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وصی شمعون کی اولاد میں سے ہیں۔ میرا قصہ یہ ہے کہ جب میں تیرہ ۱۳ سال کی تھی، میرے دادا نے اپنے ایک بھتیجے کے ساتھ میری شادی طے کردی اور مقررہ دن پر شادی کی تقریب میں ایک عظیم الشان جشن منعقد ہوا۔ تخت پر صلیب رکھی گئی، دولھا کو اس تخت پر بٹھایا گیا، پادری صاحبان ہاتھوں میں انجیل لیے کھڑے ہوئے اور انھوں نے اپنے طریقہ کے مطابق میرے عقد کی کارروائی شروع کردی کہ اچانک ایسا ہوا کہ صلیب سرنگوں ہو کر گر پڑی اور تخت ٹوٹ گیا اور میرا چچا زاد بھائی جس کے ساتھ میرا عقد ہو رہا تھا وہ تخت کے اوپر سے نیچے آ گرا اور بیہوش ہو گیا۔ ـــــ اس نامبارک حادثہ کے بعد میرے دادا نے اپنے ایک دوسرے بھتیجے کے ساتھ میرا عقد کرنے کا ارادہ کیا اور مقررہ دن پر اسی طرح جشن منعقد ہوا لیکن عین عقد کے وقت پھر اسی طرح کا واقعہ ہوا جیسا کہ پہلے ہوا تھا۔ میرے دادا کو بہت ہی رنج ہوا ـــــ اسی رات کو میں نے خواب دیکھا کہ حضرت مسیح اور اُن کے وصی شمعون اور ان کے علاوہ حواریین کی ایک جماعت یہ سب حضرات میرے دادا کے اسی شاہی محل میں آئے اور نور کا ایک منبر رکھا گیا، اس کے بعد حضرت محمد صلے اللہ علیہ وآلہ اپنے وصی علی اور دوسرے اماموں کے ساتھ تشریف لائے اور نور کے اس منبر پر رونق افروز ہوئے اور آپؐ نے حضرت مسیح سے فرمایا کہ میں اس لیے آیا ہوں کہ ملیکہ کو جو تمھارے وصی شمعون کی بیٹی (یعنی ان کی اولاد میں سے) ہے، اپنے اس فرزند کے لیے تم سے مانگوں، اور آپؐ نے یہ فرماتے ہوئے امام حسن عسکری کی طرف اشارہ فرمایا جو اس وقت آپ کے ساتھ تھے اور سامنے موجود تھے (ملیکہ نے بشر بن سلیمان کو یہ سارا قصہ سنا کر

اُن سے کہا کہ یہی امام حسن عسکری ہیں جن کے والد کا خط تم نے مجھے دیا ہے ــــ آگے ملیکہ نے اپنے خواب کا باقی حصہ سناتے ہوئے بشر بن سلیمان سے کہا کہ) حضرت مسیح اور اُن کے وصی شمعون نے خوشی سے اس کو قبول کیا، اس کے بعد حضرت محمد صلے اللہ علیہ وآلہ نے خطبۂ نکاح پڑھا اور حضرت مسیح نے مجھے امام حسن عسکری کے نکاح میں دے دیا۔ ملیکہ نے اپنے خواب کا یہ قصہ سنانے کے بعد بشر بن سلیمان سے کہا کہ میں نے اپنے اس خواب کا کسی سے ذکر نہیں کیا لیکن اسی وقت سے اِس "خورشید فلک امامت" امام حسن عسکری کے عشق کی آگ میرے سینہ اور دل میں بھڑکنے لگی اور چین و سکون رخصت اور کھانا پینا بھی ختم ہوگیا، اور اس آتش عشق کے آثار باہر بھی ظاہر ہونے لگے ــــ اس کے بعد میں نے ایک دن خواب دیکھا کہ حضرت مریم تشریف لائیں اور ان کے ساتھ حضرت فاطمہ زہرا بھی تھیں اور ہزارہا حوران بہشتی ــ حضرت مریم نے مجھ سے فرمایا کہ یہ خاتون سیدۃ النساء فاطمہ زہرا ہیں، تمھارے شوہر کی یہ ماں ہیں۔ میں نے یہ سنتے ہی ان کا دامن پکڑ لیا اور میں بہت روئی اور میں نے عرض کیا کہ آپ کے فرزند حسن عسکری کبھی مجھے دیکھنے اور اپنی صورت دکھانے بھی نہیں آتے ــــ انھوں نے فرمایا کہ وہ کیسے آسکتے ہیں، تم عیسائی ہو اور تمھارا عقیدہ مشرکانہ ہے ــــ حضرت فاطمہ زہرا کی یہ بات سن کر میں نے اسی وقت خواب میں کلمۂ شہادت پڑھا اور اسلام قبول کرلیا، جب خواب سے بیدار ہوئی تو میری زبان پر کلمۂ شہادت جاری تھا۔ (اس کے بعد ملیکہ نے بیان کیا کہ) اس کے بعد سے کوئی رات ایسی نہیں گزری کہ میرے وہ شوہر امام حسن عسکری خواب میں میرے پاس نہ آئے ہوں اور مجھے شربت وصال سے شادکام و مسرور نہ فرمایا ہو ــــ اب انہی کے فرمانے کے مطابق میں نے ایسا کیا کہ ہمارے ملک کا ایک لشکر جو مسلمانوں سے جنگ کے لیے جارہا تھا میں کسی طرح اس لشکر کے ساتھ لگ گئی، جب مسلمانوں کے لشکر نے رومی لشکر کو شکست دیدی تو دوسری بہت سی خواتین کے ساتھ میں بھی گرفتار کرلی گئی،

اور اس طرح میں تمہارے پاس پہنچ گئی اور اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئی۔

(ملخصاً از "جلاء العیون" و "حق الیقین" از علامہ باقر مجلسی)

علامہ مجلسی نے ان دونوں کتابوں میں جس طرح یہ قصہ ذکر کیا ہے وہی یہاں اختصار اور تلخیص کے ساتھ نذر ناظرین کر دیا گیا ہے۔ اس سے ہم کو بحث نہیں کہ کیا اس میں کچھ بھی واقعیت ہے یا یہ از اول تا آخر صرف تراشیدہ افسانہ ہے۔

بہرحال علامہ مجلسی کی اس روایت کے مطابق شاہ روم کی یہ پوتی ملیکہ (نرگس) اس طرح ایک زر خرید کنیز کی حیثیت سے شیعہ حضرات کے گیارہویں امام معصوم امام حسن عسکری کے حرم میں داخل ہوئیں ـــ شیعی روایات کے مطابق ۲۵۵ھ یا ۲۵۶ھ میں انہی کے بطن سے یہ بارہویں امام پیدا ہوئے (اور ان کی ولادت کو بھی مخفی اور ان نومولود فرزند کو نظروں سے چھپا کے رکھا گیا) اور پھر جیسا کہ ذکر کیا گیا امام حسن عسکری کی وفات سے دس دن پہلے ۴ یا ۵ سال کی عمر میں یہ صاحبزادے معجزانہ طور پر غائب ہو گئے ـــ شیعہ حضرات کی خاص مذہبی زبان میں اُن کو "الحجہ" "القائم" "المنتظر" اور "صاحب الزماں" کہا جاتا ہے۔ اور جیسا کہ عرض کیا گیا ان کے بارہ میں عقیدہ یہ ہے کہ جب وہ ظاہر ہوں گے تو دنیا بھر میں انہی کی حکومت ہوگی اور وہ ہوگا جو دنیا میں کبھی نہیں ہوا۔

راسخ العقیدہ شیعہ حضرات جو ان باتوں پر یقین رکھتے ہیں ان کے ظہور کا انتظار کرتے رہے ہیں، اور بولنے اور لکھنے میں اُن کے ذکر کے ساتھ "عجل اللہ فرجہ" لازمی طور پر کہتے اور لکھتے ہیں (جس کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ جلدی ان کو باہر لے آئے) لیکن جیسا کہ خمینی صاحب کی کتاب "الحکومۃ الاسلامیہ" سے بھی نقل کیا جا چکا ہے ـــ صورتحال یہ ہے کہ ان کی غیبوبت پر ایک ہزار سال سے زیادہ (اب ساڑھے گیارہ سو سال ہی مدت گزر چکی ہے اور ممکن ہے کہ ابھی اسی طرح ہزاروں

سال اور گزر جائیں"۔ (الحکومۃ الاسلامیہ ص۲۶)

امام آخر الزماں کی غیبت صُغریٰ اور کُبریٰ:

اختصار اور اجمال کے ساتھ یہ بات پہلے بھی ذکر کی جا چکی ہے کہ بارہویں امام صاحب الزماں (امام غائب) کی اس غیبت کے بعد بعض "باکمال" شیعہ صاحبان نے اپنے عوام کو بتلایا اور باور کرایا کہ "صاحب الزماں" کے پاس رازدارانہ طور پر ان کی آمد و رفت ہے اور وہ گویا ان کے سفیر اور خصوصی ایجنٹ ہیں (یکے بعد دیگرے چار حضرات نے یہ دعویٰ کیا۔ ان میں آخری علی بن محمد سمیری تھے جن کا انتقال ۳۲۹ھ میں ہوا) سادہ دل شیعہ صاحبان، صاحب الزماں (امام غائب) تک پہنچانے کے لیے ان حضرات کو خطوط اور درخواستیں اور طرح طرح کے قیمتی ہدیے تحفے دیتے تھے اور یہ امام صاحب الزماں کی طرف سے اُن کے جوابات لا کر دیتے تھے جن پر امام صاحب کی مہر ہوتی تھی۔ یہ سارا کاروبار انتہائی رازداری سے ہوتا تھا۔ رہا یہ سوال کہ اصلیت اور حقیقت کیا تھی؟ تو ہمارا خیال ہے کہ ہر وہ شخص جس کو اللہ نے فراست اور بصیرت کا کچھ حصہ عطا فرمایا ہے، یہی سمجھے گا کہ یہ ان ہوشیار اور چالاک لوگوں کا کاروبار تھا جو اپنے کو امام غائب کا سفیر بتلاتے تھے ـــــ لیکن شیعہ صاحبان اور ان کے حضرات علماء و مجتہدین کے نزدیک بھی وہ خطوط و مراسلات جو ان سفیروں نے صاحب الزماں (امام غائب) کے بتلا کر لوگوں کو دیئے وہ امام معصوم کے ارشادات اور دینی حجت ہیں اور ان کی کتب حدیث و روایات میں اسی حیثیت سے جمع کیے گئے ہیں۔ ان کا اچھا خاصا ذخیرہ "احتجاج طبرسی" کے آخری صفحات میں بھی دیکھا جا سکتا ہے۔ جناب خمینی صاحب نے بھی اپنی کتاب "الحکومۃ الاسلامیہ" میں دینی حجت ہی کی حیثیت سے ان کا ذکر کیا ہے اور اپنے خاص نظریے "ولایۃ فقیہ" پر ان سے

استدلال بھی کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو "الحکومۃ الاسلامیہ ص۷۶،۷۷") یہ بات پہلے ذکر کی جاچکی ہے کہ شیعہ حضرات کی روایات اور کتابوں میں اس زمانے کو جب (اُن کے عقیدہ کے مطابق) سفارت کا یہ سلسلہ چل رہا تھا "غیبت صغریٰ" کا زمانہ کہا جاتا ہے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ یہ سفارتی کاروبار جو انتہائی رازداری کے ساتھ چل رہا تھا اس وقت ختم ہوا جب حکام وقت کو اس کی اطلاع ہوئی اور ان کی طرف سے اسکی تحقیق و تفتیش شروع ہوئی کہ یہ کون لوگ ہیں جو اس طرح کا فریب دے کر رعایا کے سادہ لوح عوام کو لوٹ رہے ہیں، اس کے بعد سے یہ سلسلہ بند ہوگیا اور مشہور کر دیا گیا کہ اب "غیبت صغریٰ" کا دور ختم ہو کر "غیبت کبریٰ" کا دور شروع ہوگیا اور اب صاحب الزماں کے ظہور تک کسی کا ان سے رابطہ قائم نہ ہو سکے گا اور کسی کی رسائی نہ ہو سکے گی۔ اب بس اُن کے ظہور کا انتظار کیا جائے۔

صاحب الزماں (امام غائب) کا ظہور کب ہوگا؟

امام آخرالزماں (امام غائب) سے متعلق اس سلسلۂ کلام کو اب ہم اس سوال کے جواب پر ختم کرتے ہیں کہ شیعی روایات اور ان کے ائمہ معصومین کے ارشادات کے مطابق اُن کا ظہور کب ہوگا؟

"احتجاج طبرسی" جو شیعہ حضرات کی معتبر ترین کتابوں میں ہے، اس میں نویں امام معصوم محمد بن علی بن موسیٰ کا ایک ارشاد نقل کیا گیا ہے۔ انھوں نے "القائم" (امام آخرالزماں) کے بارے میں فرمایا۔

هوالذی یخفی علی الناس	ان کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اُن کی
ولادته ویغیب عنهم	ولادت خفیہ ہوگی لوگوں کو پتہ ہی
شخصه ... یجتمع الیه من	نہیں ہوگا اور ان کی شخصیت لوگوں

اصحابه عدة اهل بدر	کی نگاہوں سے غائب رہے گی..
ثلاث مائة وثلاثة عشر	دنیا کے کناروں سے اہل بدر کے
رجلا من اقاصی الارض	عدد کے مطابق تین سو تیرہ (۳۱۳)
.... فاذا اجتمعت له	ان کے اصحاب ان کے پاس جمع
هذه العدة من اهل	ہو جائیں گے... جب تین سو تیرہ
الاخلاص اظهر الله	اہل اخلاص اُن کے لیے جمع ہو جائیں گے
امرہ۔	تو اللہ تعالیٰ ان کے معاملہ کو ظاہر
احتجاج طبرسی طبع ایران ص۲۳۰	فرمائے گا (یعنی وہ غار سے باہر آکر
	اپنا کام شروع فرمادیں گے)

ایک لمحہ فکریہ ؟ امام آخر الزماں کا اب تک ظاہر نہ ہونا اثنا عشری حضرات کے ان امام معصوم محمد بن علی بن موسیٰ کے اس ارشاد کے مطابق اس کی دلیل ہے کہ ۲۶۰ھ سے اب تک کے قریباً ساڑھے گیارہ سو سال کے عرصہ میں امام آخر الزماں کا ساتھ دینے والے ۳۱۳ مخلص شیعہ بھی کبھی نہیں ہوئے اور آج بھی نہیں ہیں ورنہ ان کا ظہور ہو گیا ہوتا ۔ معلوم نہیں جناب خمینی صاحب جیسے شیعہ علماء و مجتہدین اس بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں، کیا ان حضرات کے نزدیک بھی واقعہ ایسا ہی ہے ؟

امام غائب کے بارے میں دو قابل مطالعہ روایتیں

بارہویں امام مہدی (امام غائب) کے بارہ میں شیعی روایات کی روشنی میں جو کچھ لکھنا ہم نے ضروری سمجھا وہ نذر ناظرین کر دیا۔ آخر میں دو قابل مطالعہ اور قابل

عبرت روایتیں اُن سے متعلق ذکر کرکے ہم اس تذکرہ کو ختم کرتے ہیں۔

رسول خدا امام مہدی کی بیعت کریں گے۔

علامہ باقر مجلسی نے اپنی کتاب "حق الیقین" میں امام باقر سے روایت نقل کی ہے کہ انھوں نے فرمایا۔

چوں قائم آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیرون آید خدا او را یاری کند بملائکہ واول کسے کہ با او بیعت کند محمد باشد وبعد ازاں علی۔
(حق الیقین مطبوعہ ایران ص۱۳۹)

جب قائم آل محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ) (یعنی مہدی) ظاہر ہوں گے تو خدا فرشتوں کے ذریعہ ان کی مدد کرے گا اور سب سے پہلے اُن سے بیعت کرنے والے محمد ہوں گے اور آپ کے بعد دوسرے نمبر پر علی اُن سے بیعت کریں گے۔

حضرت عائشہ کو زندہ کرکے سزا دیں گے۔

اسی "حق الیقین" میں علامہ باقر مجلسی نے ابن بابویہ کی "علل الشرائع" کے حوالہ سے امام باقر ہی سے روایت نقل کی ہے کہ۔

چوں قائم ما ظاہر شود عائشہ را زندہ کند تا براو حد بزند و انتقام فاطمہ ما از و بکشد۔
حق الیقین ص۱۳۹

جب ہمارے قائم (یعنی مہدی) ظاہر ہوں گے تو وہ (معاذ اللہ) عائشہ کو زندہ کرکے ان کو سزا دیں گے اور فاطمہ کا انتقام اُن سے لیں گے۔

واضح رہے کہ خمینی صاحب نے اپنی کتاب کشف الاسرار میں علامہ باقر مجلسی کی فارسی تصانیف کا تعریف کے ساتھ ذکر کرکے ان کے مطالعہ کا مشورہ دیا ہے اور خاص کر

اور اس سے دینی وایمانی فائدہ حاصل ہو اور اس مقصد کا حصول جس کے لئے قرآن مجید میں یہ دو[1] دعائیں آئی ہیں؛

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِن لَّدُنكَ رَحْمَةً ۚ إِنَّكَ أَنتَ الْوَهَّابُ ○

اے پروردگار جب تو نے ہمیں ہدایت بخشی ہے تو اس کے بعد ہمارے دلوں میں کجی نہ پیدا کر دیجیو اور ہمیں اپنے ہاں سے نعمت عطا فرما، تو تو بڑا عطا فرمانے والا ہے۔

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِّلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ○

اے ہمارے پروردگار ہمارے اور ہمارے بھائیوں کے جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں گناہ معاف فرما اور مومنوں کی طرف سے ہمارے دل میں کینہ (و حسد) نہ پیدا ہونے دے، اے ہمارے پروردگار تو بڑا شفقت کرنے والا مہربان ہے؛

ابوالحسن علی ندوی

۷، صفر المظفر ۱۴۰۵ھ

۲، نومبر ۱۹۸۴ء

---

[1] سورۂ آل عمران - ۸

[2] سورۃ الحشر - ۱۰

”حق الیقین“ (جس سے مذکورہ بالا دو روایتیں نقل کی گئیں) اس کی بعض روایات انھوں نے اپنی اس کتاب میں نقل بھی کی ہیں (ملاحظہ ہو کشف الاسرار ص۱۲۱) امام مہدی سے متعلق ایک اور روایت جس سے شیعیت اور شیعی ذہنیت کو پوری طرح سمجھا جاسکتا ہے

امام غائب، جب ظاہر ہوں گے تو کافروں سے پہلے سنیوں کو قتل کریں گے۔

انہی علامہ مجلسی کی اسی کتاب حق الیقین میں اسی سلسلہ کی ایک روایت ہے۔

وقتیکہ قائم علیہ السلام ظاہر می شود	جس وقت مہدی علیہ السلام ظاہر ہوں گے تو
پیش از کفار ابتدا بہ سنیاں خواہد	وہ کافروں سے پہلے سنیوں اور خاص کر ان کے
کرد با علمائے ایشاں وایشاں راخواہد	عالموں سے کارروائی شروع کریں گے اور ان
کشت (حق الیقین ص)	سب کو قتل کر کے نیست و نابود کر دیں گے۔

مذہب شیعہ کی اصل و اساس ”مسئلہ امامت“ کے بارے میں یہاں تک اُن کے ”ائمہ معصومین“ کے جو ارشادات نقل کیے گئے، اور جو کچھ لکھا گیا امید ہے کہ اس سے ناظرین کرام نے اس بنیادی مسئلہ کی حقیقت اور شیعہ مذہب میں ائمہ کے مقام و مرتبہ کو پوری طرح سمجھ لیا ہوگا۔ اب ہم چند وہ روایات ذکر کر کے اس سلسلہ کلام کو ختم کریں گے جن میں اللہ اور اس کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف سے امامت و ولایت کے منصب پر حضرت علی کی نامزدگی اور حجۃ الوداع سے واپسی میں ”غدیر خُم“ کے مقام پر غیر معمولی اہتمام کے ساتھ اس کے اعلان اور تمام مہاجرین وانصار اور دیگر رفقائے سفر سے اس کے لیے عہد و اقرار اور بیعت لینے کا اور ساتھ ہی اس سلسلہ میں شیخین (حضرت ابوبکر و عمرؓ) اور دوسرے اکابر صحابہ کے (معاذ اللہ) منافقانہ رویے اور کافرانہ کردار کا ذکر کیا گیا ہے۔

(استغفراللہ ولاحول ولا قوۃ الا باللہ)

اللہ تعالیٰ کی طرف سے ولایت وامامت کے منصب پر
حضرت علی کی نامزدگی اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم
کو اس کے عام اعلان کا حکم، اور صحابہ کے مخالفانہ ردعمل
کے خطرہ سے آپ کا تردد وتوقف، پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے
شدید تاکید اور عدم تعمیل کی صورت میں عذاب کی وعید
اس کے بعد غدیر خم پر آپ کا اعلان، اور حضور کی شان
میں ابوبکر وعمر وابوعبیدہ وغیرہ (اکابر صحابہ) کی انتہائی درجہ
کی گستاخی اور کافرانہ کردار (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ)

اصول کافی میں ایک باب ہے "باب مانص اللہ ورسولہ علی الائمۃ علیہم السلام واحداً فواحداً" اس باب میں ائمہ معصومین کی وہ روایات ذکر کی گئی ہیں جن میں اللہ ورسول کی طرف سے حضرت علی اور آپ کے بعد گیارہ اماموں کی امامت وولایت (یعنی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے معصوم اور مفترض الطاعۃ جانشین کی حیثیت سے امت کی دینی ودنیوی سربراہی اور حاکمیت) کے منصب پر نامزدگی اور تقرر کا بیان ہے۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلے حضرت علی کی نامزدگی، اور غدیر خم پر اس کے اعلان سے متعلق روایات درج کی گئی ہیں۔ اس وقت اس عنوان کے تحت ہم صرف انہی روایات کا ذکر کریں گے لیکن چونکہ یہ روایات بہت

طویل ہیں۔ اس لیے ہم ان کے متن اور ترجمہ کے بجائے بقدر ضرورت ان کا حاصل اور خلاصہ ہی یہاں نذر ناظرین کریں گے۔ (روایات کا متن اصل کتاب میں دیکھا جاسکتا ہے)

امام باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ پر حضرت علیؑ کی ولایت وامامت کے بارے میں اللہ کا حکم آیا اور یہ آیت نازل ہوئی۔ "اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا۔ الاٰیۃ" تو لوگوں نے یعنی عام مسلمین نے اس سے پوری بات نہیں سمجھی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول علیہ السلام کو حکم آیا کہ وہ منصب ولایت کی تفصیل وتشریح اور اس منصب پر حضرت علی کے فائز کیے جانے کی وضاحت اور اس کا اعلان کردیں تاکہ سب لوگ سمجھ لیں اور باخبر ہوجائیں ۔۔۔ تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ کا دل سخت پریشان ہوا اور آپ کو یہ خوف ہوا کہ علی علیہ السلام کی ولایت وجانشینی کی بات سن کر لوگ مرتد ہوجائیں گے اور آپ کی تکذیب اور مخالفت کریں گے۔ تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ نے اللہ تعالیٰ سے اس حکم پر نظر ثانی کی درخواست کی (یعنی یہ کہ یہ اعلان مجھ سے نہ کرایا جائے) تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آئی۔

يَآ اَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ	اے رسول جو حکم تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے تم اس کو صفائی اور صراحت کے ساتھ لوگوں کو پہنچادو اور اگر تم نے یہ نہیں کیا

تو تم نے اللہ کا پیغام پہونچانے کا فریضہ ادا نہیں کیا اور اللہ تمہاری حفاظت کریگا لوگوں کے شر سے۔

اسی واقعہ کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ نے بیان فرمایا۔

کہ جب میرے دل میں لوگوں کے ارتداد کا خطرہ اور تکذیب اور مخالفت کا خیال پیدا ہوا اور اس حکم کی تعمیل کے لیے میرا دل آمادہ نہیں ہوا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے غیر معولی قسم کی تاکید اور قطعیت کے ساتھ حکم آیا کہ تم کو اس حکم کی تعمیل کرنی ہے اور تعمیل نہ کرنے کی صورت میں مجھے عذاب کی دھمکی دی گئی ۔ (روایت کے الفاظ ہیں ۔ داد علنی ان لم ابلغ ان یعذ بنی) اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس شدید وعید اور عذاب کی دھمکی نازل ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ نے غدیر خم کے دن اس کا اعلان فرمایا۔ آپ نے اس اعلان کے لیے سب لوگوں کو جمع کرایا اور ان کے سامنے علی علیہ السلام کی ولایت اور امامت اور جانشینی کا اعلان فرمایا ۔ ص۱۷۸ و ص۱۷۹

اسی سلسلہ کی ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ اس موقع پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے خاص طور سے حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کو مخاطب کر کے فرمایا اور تاکید سے فرمایا کہ "قوما فسلما علیہ بامرۃ المؤمنین" ص۱۸۰ (تم دونوں اٹھو اور علی کو امیر المومنین کہہ کر سلامی دو یعنی کہو السلام علیک یا امیر المومنین) اور انھوں نے اسی طرح سلامی دی۔

اثنا عشریہ کی ایک دوسری معتبر ترین کتاب "احتجاج طبرسی" میں مصنف نے اپنی پوری سند کے ساتھ امام باقر سے غدیر خم کا یہ واقعہ بہت سے اضافوں کے ساتھ روایت کیا ہے۔ یہ روایت اس کے صفحہ ۲۰ سے شروع ہو کر صفحہ ۳۵ پر ختم ہوئی ہے۔ اس میں بڑے عجائبات ہیں۔ اگر اس مقالہ میں اختصار پیش نظر نہ ہوتا تو کم از کم اس

روایت کا حاصل اور خلاصہ ہی نذرِ ناظرین کیا جاتا۔ لیکن اس کا حاصل اور خلاصہ بھی ۸۔۱۰ صفحہ سے کم میں نہ آسکے گا ____ اس وقت اُس کے حوالہ سے صرف یہی عرض کرنا ہے کہ اس میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کی ولایت وامامت کے متعلق اپنا طویل خطبہ ختم فرمانے کے بعد تمام حاضرین سے حضرت علی کی ولایت کے بارہ میں اپنے دست مبارک پر بیعت لی اور سب سے پہلے ابوبکر اور عمر اور عثمان نے بیعت کی۔ اس کے بعد تمام مہاجرین والصار اور تمام حاضرین نے اور بیعت کا یہ سلسلہ رات تک چلتا رہا یہاں تک کہ مغرب اور عشاء کی نمازیں ایک ساتھ پڑھی گئیں۔ (احتجاج طبرسی ص۳۵ طبع ایران ۱۳۰۲ھ)

اصول کافی کی اسی سلسلہ کی ایک روایت میں ہے کہ۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ حجۃ الوداع سے واپس ہوئے اور غدیر خم پر پہنچے تو جبرئیل یہ آیت لے کر نازل ہوئے۔ "یَا أَیُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَیْکَ مِنْ رَبِّکَ ۔ الآیۃ" تو آپ نے لوگوں کو جمع کرنے کے لیے اعلان کرایا اور اس جگہ جہاں ببول کے چند درخت تھے وہاں کا میدان کانٹوں وغیرہ سے صاف کرایا۔ جب لوگ جمع ہوگئے تو آپ نے (کچھ تمہیدی مضمون کے بعد) اعلان فرمایا "من کنت مولاہ فعلی مولاہ اللّٰھم وال من والاہ وعاد من عاداہ" یہ آپ نے تین دفعہ فرمایا تو لوگوں کے دلوں میں نفاق کا کینہ پیدا ہو گیا اور انھوں نے آپس میں کہا کہ یہ حکم اللہ کی طرف سے ہرگز نازل نہیں ہوا ہے، بلکہ محمد اپنے چچازاد بھائی علی کا مرتبہ بڑھا کر ان کو ہمارے اوپر مسلط کرنا چاہتے ہیں (معاذ اللہ) اصول کافی ص۱۸۲

اسی واقعہ سے متعلق ایک روایت "فروع کافی" میں ہے اس کا بھی حاصل ہی نذرِ ناظرین

کیا جا رہا ہے (اس میں حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت سالم مولیٰ ابی حذیفہ و حضرت ابو عبیدہ ابن الجراح اکابر صحابہ پر حضور کی شان میں غلیظ ترین کافرانہ گستاخی کی تہمت لگائی گئی ہے)

حسان شتربان سے روایت ہے کہ ایک دفعہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے میرے اونٹ پر مدینہ سے مکہ کا سفر کیا جب غدیر خم کے پاس پہنچے تو امام موصوف نے (وہاں بنی ہوئی) مسجد کی بائیں جانب دیکھا اور کہا کہ یہ وہ جگہ ہے جہاں کھڑے ہو کر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ نے علی علیہ السلام کو اپنے دونوں ہاتھوں سے اوپر اٹھا کر ان کی ولایت و امامت کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا تھا۔ "من کنت مولاہ فعلی مولاہ" اس کے بعد امام موصوف نے مسجد کی دوسری جانب دیکھا اور فرمایا یہاں خیمہ تھا ابو فلاں اور فلاں کا (یعنی ابوبکر اور عمر کا) اور سالم مولیٰ ابی حذیفہ اور ابو عبید بن الجراح کا، جب ان لوگوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ کو دونوں ہاتھوں سے علیؑ کو اوپر اٹھائے ہوئے اُن کی ولایت و امامت کا اعلان کرتے ہوئے دیکھا تو آپس میں ایک دوسرے سے کہا۔

انظروا الی عینیہ تدور	ذرا اس کی (یعنی معاذ اللہ رسول اللہ
کانھما عینا مجنون	صلی اللہ علیہ وسلم کی) آنکھیں تو دیکھو

کیسی گھوم رہی ہیں جیسے کہ کسی پاگل دیوانے کی آنکھیں ہیں۔

تو جبرئیل یہ آیت لے کر نازل ہوئے۔ "وَإِنْ يَكَادُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَيُزْلِقُونَكَ بِأَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ وَيَقُولُونَ إِنَّهُ لَمَجْنُونٌ ۝" فروع کافی ج ۱ ص ۵۹۲

(حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اصول کافی اور فروع کافی کے مؤلف جناب ابوجعفر محمد بن یعقوب کلینی کی ایک کتاب "کتاب الروضہ" ہے۔ یہ گویا اُن کی اصل کتاب "الجامع الکافی" کا آخری حصہ ہے۔ فروع کافی جلد سوم طبع لکھنؤ کے آخر میں شامل ہے۔ اس میں امیرالمومنین حضرت علی مرتضیٰ کا ایک طویل خطبہ روایت کیا گیا ہے۔ اس خطبہ کے آخر میں حضرت ممدوح نے غدیر خم کا یہ واقعہ بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ حجۃ الوداع سے واپسی میں غدیر خم پہنچے تو وہاں آپ کے حکم سے آپ کے لیے ایک منبر سا تیار کیا گیا۔

ثم علاہ واخذ بعضدی حتی رُئِیَ بیاض ابطیہ رافعاً صوتہ قائلا فی محفلہ من کنت مولاہ فعلی مولاہ اللھم وال من والاہ وعاد من عاداہ۔	پھر آپ اس منبر کے اوپر چڑھے اور میرے دونوں بازو پکڑ کے مجھے اس طرح اوپر کو اٹھایا کہ آپ کی دونوں بغلوں کی سفیدی نظر آنے لگی اور اس مجمع میں آپ نے بلند آواز سے فرمایا کہ میں جس کا دوست ومحبوب ہوں علی بھی اس کے دوست محبوب ہیں۔ اے اللہ جو علی سے محبت کا تعلق رکھے تو اس سے محبت فرما
کتاب الروضہ ص۱۳ م۱۱	

(صفحہ گذشتہ کا حاشیہ) آیت کا مطلب ہے کہ یہ کافر لوگ جب قرآن سنتے ہیں تو اے رسول یہ آپ کو تیز نگاہوں سے دیکھتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ آپ کو پھسلا کر گرا دیں اور کہتے ہیں کہ یہ تو پاگل اور دیوانہ ہے (ظاہر ہے کہ اس آیت کا تعلق کفار مکہ سے ہے ان ہی بدبختوں بدنصیبوں کا یہ حال تھا اور وہ حضور کی شان میں ایسی گستاخیاں کرتے تھے لیکن فروع کافی کی اس روایت میں امام جعفر صادق کے بارے میں کہا گیا ہے کہ انھوں نے حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت سالم مولی ابی حذیفہ اور حضرت ابوعبیدہ بن الجراح کو اس کا اصل مصداق بتلایا) (معاذ اللہ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ)

اور جو کوئی علی سے عداوت رکھے تو اس سے عداوت کا معاملہ فرما۔

حضرت علی کے اس خطبہ کی روایت میں آگے ذکر کیا گیا ہے کہ غدیر خم کا یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد امیر المومنین علی علیہ السلام نے "الاشقیان" کے لفظ کے ساتھ (معاذ اللہ) حضرت ابوبکر و حضرت عمر کا ذکر کیا (الاشقیان کے معنی ہیں اعلیٰ درجہ کے بدبخت و بدنصیب اور محروم) اور مرنے کے بعد آخرت اور دوزخ میں ان دونوں کا جو حال ہونے والا ہے وہ بڑی تفصیل سے الفاظ کے پورے اسراف کے ساتھ (امیر المومنین) نے بیان فرمایا۔ اس کے آگے (اسی خطبہ میں حضرت علی کی زبان مبارک سے) اُن تمام مہاجرین و انصار پر (کسی کا نام لیے بغیر) بدترین قسم کا تبرا ہے جنھوں نے ان دونوں کو خلیفہ تسلیم کیا۔ گویا اس وقت کی پوری امت مسلمہ اور تمام ہی صحابہ کرام پر

ضروری انتباہ :

یہاں ہم اپنے ناظرین کو دو باتوں پر متنبہ کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔

اوّل یہ کہ غدیر خم کے قصہ سے متعلق مندرجہ بالا روایات میں (اور مختلف عنوانات کے تحت ان سے پہلے درج ہونے والی بہت سی روایات میں بھی) حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور ان کے اخلاف خصوصاً امام باقر اور ان کے صاحبزادے امام جعفر صادق کی طرف نسبت کر کے حضرات شیخین اور دیگر اکابر صحابہ کرام کے بارے میں جو انتہائی نازیبا اور ناشائستہ باتیں نقل کی گئی ہیں (معاذ اللہ! ان کو شقی بلکہ اَشقیٰ کافر و مرتد اور لعنتی و دوزخی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی اور آپ سے غداری کا مرتکب کہا گیا ہے) تو اِن شیعی روایات کی وجہ سے ہمارے ناظرین اِن محترم بزرگوں کے بارے میں کسی بدگمانی کے وسوسہ کو بھی دل میں نہ آنے دیں، یہ ساری خرافات اِن مقدس بزرگوں پر ان روایتوں کے اُن راویوں کی افترا پردازی

اور بہتان طرازی ہے جن کا مشن اور مقصد ہی اسلام کی تخریب اور امت مسلمہ میں تفرق پیدا کرنا تھا۔ ورنہ یہ ایک مسلمہ تاریخی حقیقت ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے بھی عام صحابہ مہاجرین و انصار کی طرح شیخین (حضرت ابوبکر و حضرت عمر) کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ و جانشین اور امیر المومنین مان کر اُن کی بیعت کی تھی اور وہ ان کے معتمد ترین مشیروں گویا وزیروں میں تھے، انھوں نے زندگی میں کبھی کسی مجمع میں اس بارے میں اپنے اختلاف کا اظہار نہیں فرمایا اور غدیر خم کا یہ قصہ ذکر کر کے ان کے مقابلہ میں اپنی امامت و خلافت کا دعویٰ نہیں کیا۔ جمہور امت محمدیہ کے نزدیک (اور غیر مسلم مؤرخین کے نزدیک بھی) ان کا یہ رویہ صدق دل کے ساتھ اور مخلصانہ تھا ہرگز (تقیہ کی بنیاد پر) منافقانہ نہیں تھا (جیسا کہ شیعہ حضرات کا دعویٰ ہے)۔ اس کا سب سے بڑا عملی ثبوت یہ ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنی صاحبزادی ام کلثوم کا نکاح حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کیا اور ان کو اسی طرح اپنا داماد بنایا جس طرح رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی مرتضیٰ کو داماد بنایا تھا، یہاں ہم اس سلسلہ میں اتنے ہی پر اکتفا کریں گے۔ آگے انشاء اللہ اس موضوع پر تفصیلی گفتگو کی جائے گی۔

دوسری بات جس پر اپنے ناظرین کو یہاں متنبہ کرنا ضروری ہے یہ ہے کہ اہل سنت کی بعض کتب حدیث میں بھی حجۃ الوداع کے سفر کے اُس خطبہ نبوی کا ذکر کیا گیا ہے جس میں آپؐ نے فرمایا تھا "من کنت مولاہ فعلی مولاہ الخ" لیکن اس کا مسئلہ امامت و خلافت سے دور کا بھی تعلق نہیں۔ اصل واقعہ یہ تھا کہ حجۃ الوداع سے ۷، ۸ مہینے پہلے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی مرتضیٰ کو قریباً تین سو افراد کی جمعیت کے ساتھ یمن بھیج دیا تھا وہ حجۃ الوداع میں یمن سے آکر ہی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے ملے تھے۔ یمن کے زمانہ قیام میں ان کے بعض ساتھیوں کو

ان کے بعض اقدامات سے اختلاف ہوا تھا۔ وہ لوگ بھی حجۃ الوداع میں شرکت کے لیے ان کے ساتھ میں آئے تھے، انھوں نے آکر دوسرے لوگوں سے بھی حضرت علی کے ان اقدامات کے خلاف اپنی رائے کا اظہار کیا۔ بلاشبہ یہ ان لوگوں کی غلطی تھی شیطان ایسے موقعوں سے فائدہ اٹھا کر دلوں میں میل اور افتراق پیدا کر دیتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس صورتحال کا علم ہوا تو آپ نے ضرورت محسوس فرمائی کہ حضرت علی کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقبولیت و محبوبیت کا جو مقام حاصل ہے اُس سے لوگوں کو آگاہ فرمائیں اور اس کے اظہار و اعلان کا اہتمام فرمائیں۔ اسی مقصد سے آپ نے وہ خطبہ دیا جس میں فرمایا "من کنت مولاہ فعلی مولاہ اللھم وال من والاہ وعاد من عاداہ" — عربی زبان میں مولیٰ کے معنی آقا کے بھی ہیں، غلام کے بھی ہیں، آزاد کردہ غلام کے بھی ہیں، حلیف کے بھی ہیں، مددگار کے بھی ہیں، دوست اور محبوب کے بھی ہیں — اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد میں وہ اسی معنی میں استعمال ہوا ہے اور اس حدیث میں آخری دعائیہ جملہ اس کا واضح قرینہ ہے — رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ میں جس کا محبوب ہوں، علی بھی اس کے محبوب ہیں، لہٰذا جو مجھ سے محبت کرے اس کو چاہیے کہ وہ علی سے بھی محبت کرے۔ آگے آپ نے دعا فرمائی کہ اے اللہ جو بندہ علی سے محبت و موالات کا تعلق رکھے تو اس سے محبت و موالات کا معاملہ فرما اور جو کوئی علی سے عداوت رکھے تو اس کے ساتھ عداوت کا معاملہ فرمایا — جیسا کہ عرض کیا گیا یہ دعائیہ جملہ اس کا واضح قرینہ ہے کہ اس حدیث میں مولیٰ کا لفظ محبوب اور دوست کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

بہرحال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا مسئلہ امامت و خلافت سے کوئی تعلق نہیں — یہاں ہم اس موضوع سے متعلق اتنے ہی پر اکتفا کریں گے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے توفیق دی تو اس حدیث کی شرح و توضیح میں ایک مستقل مقالہ لکھنے کا ارادہ ہے۔

پیشِ لفظ

الحمد للہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سیدنا
محمد خاتم النبیین وعلیٰ اٰلہٖ واصحابہٖ والتابعین لھم
باحسان الیٰ یوم الدین

ہمارے اس زمانے میں پروپیگنڈہ کیسی غیر معمولی اور کتنی مؤثر طاقت ہے اور کسی غلط سے غلط بات کو حقیقت باور کرا دینے کی اس میں کس قدر صلاحیت ہے، اس کی تازہ مثال جو آنکھوں کے سامنے ہے وہ پروپیگنڈہ ہے جو موجودہ ایرانی حکومت کی طرف سے اپنے سفارت خانوں اور ایجنٹوں کے ذریعہ امام[ؑ] روح اللہ خمینی کی شخصیت اور ان کے برپا کیے ہوئے ایرانی انقلاب کی "خالص اسلامیت" اور اس سلسلہ میں اسلامی وحدت اور شیعہ سنی اتحاد کی دعوت کے عنوان سے کیا جا رہا ہے۔ اس مقصد کے لیے کانفرنسوں پر کانفرنسیں بلائی جا رہی ہیں، جن میں دنیا بھر کے ملکوں سے ایسے نمائندے بلائے جاتے ہیں جن سے متاثر ہونے اور اپنے مقصد میں فائدہ اٹھانے کی توقع ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ مختلف ملکوں اور مختلف

ع چونکہ ایرانی انقلاب کے قائد روح اللہ خمینی صاحب کے معتقدین ان کے لیے لازماً "امام" کا لفظ لکھتے ہیں اس لیے ہم نے بھی ان کے احساسات کا لحاظ رکھتے ہوئے ان کے لیے یہ لفظ استعمال کرنا مناسب سمجھا ہے۔ ہماری رائے اور ہمارا نقطۂ نظر ناظرین کو آئندہ صفحات سے معلوم ہو جائے گا۔

اثنا عشریہ کے چند اور قابلِ مطالعہ عقائد و مسائل

جو مسئلہ امامت ہی کے لازمی نتائج ہیں

یہ "ضروری انتباہ" تو ایک جملہ معترضہ تھا جو اختصار کے ارادہ اور کوشش کے باوجود کچھ طویل ہو گیا۔ اب اصل موضوع کی طرف آجائیے۔

اثنا عشریہ کی مسلّم و مستند کتابوں سے ان کے مذہب کی اصل واساس مسئلہ امامت سے متعلق جو روایات اور اُن کے ائمہ معصومین کے جو ارشادات ہم کو پیش کرنے تھے، وہ قریباً ۱۶ عنوانات کے تحت ہم نے پیش کر دیئے، امید ہے کہ اُن سے ناظرین کرام نے اس مسئلہ کی حقیقت اور اس کے طول و عرض کو پوری طرح سمجھ لیا ہوگا۔ اب ہم اثنا عشریہ کے چند دوسرے عقائد و مسائل کا ذکر کریں گے جو دراصل اس مسئلہ امامت ہی کے لازمی نتائج ہیں، اور شیعہ اثنا عشریہ کو سمجھنے اور ان کے بارہ میں رائے قائم کرنے کے لیے اِن عقائد و مسائل کا مطالعہ اور ان پر غور و فکر بھی ضروری ہے اور انشاء اللہ وہی کافی ہے ۔۔۔ اِن عقائد و مسائل کے بارے میں بھی جو کچھ عرض کیا جائے گا وہ اُن کے ائمہ معصومین کے ارشادات اور ان کی مستند کتابوں کے حوالوں ہی سے عرض کیا جائے گا ۔۔۔ واللہ ولی التوفیق

(معاذاللہ) عام صحابہ کرام خاص کر خلفائے ثلاثہ کافر و مرتد، اللہ و رسول کے غدار، جہنمی اور لعنتی

جیسا کہ پہلے بھی عرض کیا جا چکا ہے اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع سے واپسی میں غدیر خم کے مقام پر تمام رفقائے سفر، خواص و عوام صحابہ کرام کو خاص اہتمام سے جمع کر کے، خود منبر پر چڑھ کر اور حضرت علی مرتضیٰ کو اپنے دونوں ہاتھوں سے اوپر اٹھا کے (تاکہ سب حاضرین دیکھ بھی لیں) اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کے حوالہ سے اپنے بعد کے لیے، ان کی ولایت و امامت یعنی اپنے جانشین کی حیثیت سے امت کی دینی و دنیوی سربراہی اور حاکمیت کا اعلان فرمایا تھا، اور سب سے اس کا عہد و اقرار لیا تھا، اور خصوصیت کے ساتھ حضرت ابوبکر و حضرت عمر کو حکم دیا تھا کہ وہ "السلام علیک یا امیرالمومنین" کہہ کر حضرت علی کو سلامی دیں، اور انھوں نے اس حکم کی تعمیل میں اسی طرح سلامی دی تھی، اور احتجاج طبرسی کی مذکورہ روایت کے مطابق آپؐ نے خود اپنے دستِ مبارک پر حضرت علی کی اس امامت و ولایت کی سب حاضرین سے بیعت بھی لی تھی اور سب سے پہلے خلفائے ثلاثہ نے آپ کے دست مبارک پر یہ بیعت کی تھی (بہرحال اگر اس کو واقعہ تسلیم کر لیا جائے جیسا کہ اثنا عشریہ کی مستند کتابوں میں ان کے ائمہ معصومین سے روایت کیا گیا ہے اور یہی ان کا بنیادی عقیدہ اور گویا جزو ایمان ہے) تو اُس کے لازمی نتیجے کے طور پر یہ بھی ماننا پڑے گا کہ جب اس واقعہ کے قریباً صرف اسیؔ دن کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو جانے پر سب نے حضرت علی کو بالکل چھوڑ کے حضرت ابوبکر کو آپؐ کے خلیفہ و جانشین کی حیثیت سے امت کا دینی و دنیوی سربراہ اور حاکم بنا لیا اور سب نے اُن سے

بیعت کرلی، تو (معاذاللہ) ان سب نے اللہ ورسول سے غداری کی اور سب کافر ومرتد ہو گئے، خاص کر خلفائے ثلاثہ (حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان) جن سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے خصوصیت کے ساتھ عہد واقرار کیا تھا اور خود اپنے دست مبارک پر سب سے پہلے بیعت لی تھی۔

اگر بالفرض شیعی روایات اور اُن کے ائمہ معصومین کے ارشادات میں ان کو کافر ومرتد اور جہنمی نہ کہا گیا ہوتا اور ان پر لعنت نہ کی گئی ہوتی، تب بھی مسئلہ امامت اور غدیرخم کے مقام پر غیر معمولی اہتمام کے ساتھ اس کے اعلان اور اس کے لیے عہد واقرار اور بیعت لینے کے لازمی اور منطقی نتیجہ کے طور پر یہی ماننا پڑتا — لیکن ناظرین کرام گزشتہ صفحات میں "الجامع الکافی" وغیرہ کے حوالہ سے وہ روایات اور ائمہ معصومین کے وہ ارشادات پڑھ چکے ہیں جن میں اسی بنیاد پر صحابہ کرام خاص کر حضرات خلفائے ثلاثہ کو کافر مرتد اور جہنمی کہا گیا ہے اور ان قرآنی آیات کا مصداق قرار دیا گیا ہے جو بدترین قسم کے کافروں کے حق میں نازل ہوئی ہیں [1]—

ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ اس موضوع سے متعلق چند روایات اور بھی یہاں نذر ناظرین کردی جائیں۔

شیخین کے بارے میں...

کلینی کی کتاب الروضہ میں روایت ہے کہ امام باقر کے ایک مخلص مرید نے شیخین (حضرت ابوبکر وعمر) کے بارہ میں اُن سے سوال کیا تو انھوں نے فرمایا۔

ماتسألنی عنهما مامات منا   تم اُن دونوں کے بارے میں مجھ سے کیا

---

[1] یہ روایتیں ناظرین کرام گزشتہ صفحات میں ملاحظہ فرما چکے ہیں۔

میت الا ساخط علیهما	پوچھتے ہو، ہم اہل بیت میں سے جو بھی
یوصی بذلك الکبیر منا	دنیا سے گیا ہے اِن دونوں سے سخت
الصغیر انهما ظلما ناحقنا	ناراض گیا ہے، ہم میں سے ہر بڑے
وکانا اول من رکب اعناقنا	نے چھوٹے کو اس کی وصیت کی ہے۔
والله ما اسست من بلیة	ان دونوں نے ظالمانہ طور پر ہمارا
ولا قضیة تجری علینا اهل	حق مارا، یہ دونوں سب سے پہلے ہم اہل بیت
البیت الاهما اسسا	کی گردنوں پر سوار ہوئے، ہم اہل بیت
اولهما فعلیهما لعنة الله	پر جو بھی مصیبت اور آفت آتی ہے
والملئکة والناس	اس کی بنیاد انہی دونوں نے ڈالی
اجمعین	ہے۔ لہذا ان دونوں پر لعنت ہو
کتاب الروضہ ص۱۱۵	اللہ کی اور فرشتوں کی اور بنی آدم
	کی سب کی۔

اسی "کتاب الروضہ" میں اسی صفحہ پر حضرات شیخین سے متعلق ایک اور روایت ہے کہ امام باقر کے انہی مخلص مرید نے (جنھوں نے شیخین کے بارے میں وہ سوال کیا تھا جو جواب کے ساتھ اوپر مذکور ہوا) حضرت یعقوب علیہ السلام کے ان بیٹوں کے بارے میں جنھوں نے چھوٹے بھائی حضرت یوسف علیہ السلام کو جنگل کے ایک کنوئیں میں پھینک دیا تھا (اور قرآن مجید میں اُن کا ذکر انبیاء علیہم السلام کے ساتھ اسباط کے لفظ سے جابجا کیا گیا ہے) اُن کے بارے میں امام باقر سے دریافت کیا کہ وہ نبی تو نہیں تھے؟ (سائل کا مطلب غالباً یہ تھا کہ جب انھوں نے اتنا بڑا ظلم اور گناہ کیا تھا تو ان کا ذکر قرآن مجید میں انبیاء علیہم السلام کے ساتھ کیوں کیا گیا ہے) اس کے جواب میں امام باقر نے فرمایا۔

لا ولکنهم کانوا اسباطا اولاد	(یعقوب علیہ السلام کے وہ بیٹے) نبی تو
الانبیاء ولم یکن یفارق	نہیں تھے، نبیوں کی اولاد ہی تھے،
الدنیا الاسعداء تابوا و	لیکن ان میں سے ہر ایک دنیا سے
تذکروا ماصنعوا وانّ	نیک بخت اور پاک ہو کر رخصت ہوا،
الشیخین فارقا الدنیا ولم	انھوں نے (حضرت یوسفؑ کے ساتھ)
یتوبا ولم یتذکرا ماصنعا	جو ظلم کیا تھا بعد میں انھوں نے اسکو
بامیرالمؤمنین علیہ السلام	یاد کیا اور توبہ کی۔ اور یہ شیخین
فعلیهما لعنة الله والملئکة	(ابوبکر وعمر) دنیا سے اس حال میں
والناس اجمعین۔	گئے کہ انھوں نے جو ظلم امیرالمومنین
کتاب الروضہ مـ۱۱۵	علیہ السلام کے ساتھ کیا تھا، اس سے

انھوں نے توبہ نہیں کی اور اس کا خیال بھی نہیں کیا۔ لہذا اُن پر اللہ کی اور اس کے فرشتوں کی اور بنی آدم کی سب کی لعنت ہے۔

اور "رجال کشی" میں روایت نقل کی گئی ہے کہ امام باقر کے ایک مخلص مرید کمیت بن زید نے امام موصوف سے عرض کیا کہ میں ان دونوں آدمیوں (ابوبکر وعمر) کے بارے میں آپ سے معلوم کرنا چاہتا ہوں تو انھوں نے فرمایا۔

یا کمیت بن زید ما اهریق	اے کمیت بن زید اسلام میں جس کا بھی
فی الاسلام محجة دم ولا	ناحق خون بہایا گیا اور جو بھی ناجائز مال
اکتسب مال من غیر حله	کمایا گیا اور جو بھی زنا ہوا یا ہوگا ہمارے
ولا نکح فرج حرام الا و	امام مہدی کے ظہور کے دن تک اس
ذالك فی اعناقهما الی یوم	سب کا گناہ انہی دونوں کی گردنوں
یقوم قائمنا۔ (رجال کشی مـ۱۳۵)	پر ہوگا۔

آخر میں کلینی کی "کتاب الروضہ" کی اسی سلسلہ کی ایک روایت اور بھی پڑھ لی جائے۔

ابوبکر کی بیعت سب سے پہلے ابلیس نے کی تھی!

ابوجعفر یعقوب کلینی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت سلمان فارسی سے ایک روایت کتاب الروضہ میں نقل کی ہے، روایت بہت طویل ہے اس لیے اس کا جو حصہ ہمارے موضوع سے متعلق ہے اس کا بھی خلاصہ ہی نذر ناظرین کیا جارہا ہے، متن کے صرف وہ جملے ہی نقل کیے جائیں گے جن کا ہمارے موضوع سے خاص تعلق ہوگا۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ کی وفات کے بعد جب سقیفہ بنی ساعدؓ میں ابوبکر کی بیعت کا فیصلہ ہوگیا اور وہاں سے مسجد نبوی میں آکر ابوبکر نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے منبر پر بیٹھ کر لوگوں سے بیعت لینا شروع کیا تو سلمان فارسی نے اس منظر کو دیکھ کر حضرت علی کو جاکر اس کی اطلاع دی، انھوں نے سلمان سے پوچھا کہ کیا تم جانتے ہو کہ اُس وقت ابوبکر کے ہاتھ پر سب سے پہلے بیعت کس نے کی؟ سلمان نے کہا کہ میں اُس آدمی کو تو نہیں جانتا، لیکن میں نے ایک بوڑھے بزرگ کو دیکھا تھا وہ اپنے عصا کے سہارے بڑھ کر آئے ان کی دونوں آنکھوں کے درمیان پیشانی پر سجدہ کا نشان تھا وہی آدمی سب سے پہلے ابوبکر کی طرف بڑھا، وہ روتا تھا اور کہہ رہا تھا۔

الحمد للہ الذی لم یمتنی	ساری حمد اس اللہ کے لیے جس نے
من الدنیا حتی رأیتك	مجھے موت دے کر اُس وقت تک دنیا
فی ھذا المكان ابسط یدك	سے نہیں اٹھایا کہ میں نے تم کو اس

فبسط یده فبایعه — مقام پر دیکھ لیا، تم اپنا ہاتھ بڑھاؤ!

تو ابوبکر نے ہاتھ بڑھایا اور اس بوڑھے بزرگ نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی۔

حضرت علی نے سلمان سے یہ بات سن کر فرمایا "هل تدری من هو؟" (تم جانتے ہو کہ وہ کون تھا؟) سلمان نے کہا کہ میں نہیں جانتا تو حضرت علی نے فرمایا "ذالك ابلیس لعنه الله" (یہ بوڑھے بزرگ کی صورت میں آنے والا اور ابوبکر کے ہاتھ پر سب سے پہلے بیعت کرنے والا آدمی ابلیس ملعون تھا۔)

آگے روایت میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ حضرت علی نے فرمایا کہ خلافت کے بارے میں یہ جو کچھ ہوا مجھے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے پہلے ہی اس کی خبر دیدی تھی۔ آپؐ نے مجھے بتلایا تھا کہ "غدیر خم کے مقام پر اپنے بعد کے لیے امامت و ولایت کے لیے میری نامزدگی کا جو اعلان آپ نے کیا تھا اس سے شیطان اور اس کے لشکر میں کھلبلی پڑ گئی ہے اور وہ اس کے خلاف سازش کریں گے اور اس کے نتیجہ میں میری وفات کے بعد لوگ پہلے سقیفہ بنی ساعدہ میں اور اس کے بعد مسجد میں آ کر ابوبکر کی بیعت کریں گے"۔ روایت کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

ثم یاتون المسجد فیکون اول من یبایعه علی منبری ابلیس لعنه الله فی صورة شیخ یقول کذا وکذا۔	پھر (سقیفہ بنی ساعدہ) سے یہ لوگ مسجد میں آ جائیں گے، یہاں میرے منبر پر ابوبکر سے بیعت سب سے پہلے ابلیس ملعون کرے گا جو ایک بوڑھے بزرگ کی صورت میں آئے گا اور یہ یہ کہتا ہوگا
(کتاب الروضہ ص ۱۵۹، ۱۶۰)	(جو سلمان فارسی نے اس کے بارہ میں بیان کیا تھا)

فاروق اعظم کی شان میں:

حضرات شیخین سے متعلق کتب شیعہ کی جو روایتیں اور ان کے "ائمہ معصومین" کے جو ارشادات گزشتہ صفحات میں ناظرین کرام نے ملاحظہ فرمائے، اگرچہ وہ بھی یہ جاننے کے لیے کافی ہیں کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے بارے میں شیعہ حضرات کا کیا عقیدہ اور رویہ ہے اور ان کے علماء و مجتہدین اور مصنفین اپنے عوام کو ان کے بارے میں کیا بتلاتے ہیں۔ تاہم خاص انہی سے متعلق ایک اور شیعی روایت جو ان کے گیارہویں امام حسن عسکری سے نقل کی گئی ہے اس سلسلہ میں ہم یہاں نذر ناظرین کرنا مناسب سمجھتے ہیں۔ تنہا یہ روایت شیعیت کی حقیقت اور شیعی ذہنیت کو جاننے سمجھنے کے لیے بھی بالکل کافی ہے۔

ملا باقر مجلسی جو دسویں گیارہویں صدی ہجری کے بہت بڑے شیعہ محدث، مجتہد اور مصنف ہیں اور علمائے شیعہ ان کو "خاتم المحدثین" کہتے اور لکھتے ہیں، اور ان کی تصنیفات شیعوں میں (جہاں تک ہمارا اندازہ ہے) غالباً دوسرے تمام مصنفوں سے زیادہ مقبول ہیں (اور جیسا کہ پہلے بھی ذکر کیا جا چکا ہے جناب آیۃ اللہ روح اللہ خمینی صاحب نے بھی انکی تصنیفات کی تعریف کی ہے اور ان کے مطالعہ کا مشورہ دیا ہے۔ (کشف الاسرار صـ ۱۲۱) اور افسوس ہے کہ ان کے تعارف میں یہ بھی ذکر کرنا ضروری ہے کہ یہ ملا صاحب شیعوں کے بڑے مجتہد اور بڑے محدث ہونے کے باوجود انتہائی درجہ کے بدزبان ہیں۔ اپنی کتابوں میں جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ذکر کرتے ہیں تو لکھتے ہیں کہ "عمر بن الخطاب علیہ اللعنة والعذاب) ، (معاذاللہ) ـــــ ان ہی ملا باقر مجلسی کی ایک کتاب "زاد المعاد" ہے اس میں انھوں نے تاریخ ۹ ربیع الاول کی فضیلت اور خصوصیت بیان کرتے ہوئے ایک

روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ کو اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی بتلایا تھا کہ اس تاریخ (۹ ربیع الاول) میں (معاذ اللہ) تمہارا اور تمہارے اہل بیت کا دشمن عمر ہلاک ہوگا، تو آپ نے ۹ ربیع الاول کو عید کی طرح جشن منایا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی وہ حیرت انگیز فضیلتیں بیان فرمائیں جو ناظرین روایت میں پڑھیں گے ـــــ یہ روایت چونکہ بہت ہی طویل ہے اگر پوری روایت ترجمہ کے ساتھ درج کی جائے تو کم از کم کتاب کے ۱۵۔۲۰ صفحے گھیر لے گی، اس لیے ہم روایت کو تلخیص اور اختصار کے ساتھ درج کریں گے اور فارسی نہ جاننے والے حضرات کے لیے اس کا عام فہم حاصل مطلب ہی اُردو میں لکھیں گے ـــــ اب ناظرین کرام یہ عجیب و غریب روایت ملاحظہ فرمائیں۔

فاروق اعظم کا یوم شہادت، سب سے بڑی عید
رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر افترا کی بدترین مثال

ملا مجلسی "معتبر سند" کے حوالہ سے شیعوں کے گیارہویں امام حسن عسکری سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے بیان فرمایا۔

بدرستے کہ خبر داد مرا پدرم کہ حذیفہ	میرے والد (دسویں امام علی نقی)
بن یمان در روز نہم ربیع الاول	نے مجھ سے بیان فرمایا کہ (مشہور صحابی
داخل شد بر جدم رسول خدا حذیفہ	رسول) حذیفہ بن یمان سے روایت
گفت کہ دیدم امیر المومنین وحضرت	ہے کہ ایک دفعہ میں نویں ربیع الاول
امام حسن وامام حسین را کہ با حضرت	کو رسول خدا کی خدمت میں حاضر ہوا
رسالت پناہ طعام تناول مے نمودند	تو میں نے دیکھا کہ امیر المومنین علی مرتضیٰ

آں حضرت بر روئے ایشاں تبسم مے
فرمود، وبا امام حسن وامام حسین مے
گفت کہ بدرستے کہ ایں روز یست
کہ حق تعالیٰ ہلاک می کند دشمنِ شما
ودشمن جد شمارا و مستجاب می گرداند
اندر ایں روز دعائے مادر شمارا،
بخورید ایں روز یست کہ حق تعالیٰ
قبول می کند اعمال شیعان ومحبان
شما دریں روز ۔۔۔۔ بخورید کہ ایں
روز یست کہ شکستہ می شود دریں روز
شوکت دشمن جد شما ویاری کنندۂ
دشمن جد شما ویاری کنندۂ دشمن
شما بخورید کہ ایں روز یست کہ ہلاک
می شود دریں روز فرعون اہل بیت
من وستم کنندۂ برایشاں وغصب
کنندۂ حق ایشاں، ۔۔۔۔۔
حذیفہ گفت کہ من گفتم یارسول اللہ
ایا درمیان امت تو کسی خواہد
بود کہ ہتک ایں حرمتہا نماید، حضرت
فرمود کہ ای حذیفہ بتے از منافقان
برایشاں سرگروہ خواہد شد، ودعوی

اور امام حسن وامام حسین بھی ہیں
اور سب کھانا تناول فرمارہے ہیں
اور حضورؐ بہت خوش ہیں اور تبسم فرما
رہے ہیں اور صاحبزادگان حسن وحسین
سے کہہ رہے ہیں کہ بیٹا آج وہ دن
ہے کہ جس دن کہ اللہ تعالیٰ تمہارے
دشمن اور تمہارے نانا کے دشمن کو
ہلاک کرے گا اور تمہاری اماں جان
(فاطمہ زہراؑ) کی بددعا قبول فرمائے گا
کھاؤ بیٹا کھاؤ، آج وہ دن ہے
کہ خدا تمہارے شیعوں اور محبوں کے
اعمال قبول کرے گا۔ کھاؤ بیٹا کھاؤ
کہ آج کی تاریخ وہ ہے جس میں تمہارے
نانا کے دشمن اور تمہارے دشمن کی
شوکت ٹوٹ پھوٹ کر خاک میں مل
جائے گی، ۔۔۔ کھاؤ بیٹا کھاؤ، آج
وہ دن ہے کہ اس میں میرے اہل بیت
کا فرعون اور ان پر ظلم وستم
کرنے والا اور ان کا حق غصب کرنے
والا ہلاک ہوگا۔
حذیفہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض

زبانوں میں کتابوں، کتابچوں، پمفلٹوں اور رسائل و اخبارات کا ایک سیلاب جاری ہے۔
کم از کم راقم سطور نے اپنی ستر سالہ شعوری زندگی میں نہیں دیکھا کہ کسی حکومت یا کسی سیاسی
پارٹی کی طرف سے ایسے وسیع پیمانے پر اور ایسا فنکارانہ اور مؤثر پروپیگنڈہ کیا گیا ہو ____
ہمارے اس دور کی حکومتیں زمانہ جنگ میں جس طرح اسلحہ اور دوسرے جنگی وسائل پر بے دریغ
اور بے حساب دولت خرچ کرتی اور اس کے لیے حکومتی خزانے کا گویا منہ کھول دیتی ہیں،
معلوم ہوتا ہے کہ موجودہ ایرانی حکومت اسی طرح اس پروپیگنڈے پر ملک کی دولت
پانی کی طرح بہا رہی ہے ____ اسی مہینے مارچ (۱۹۸۴ء) کے شروع میں ضلع مراد آباد کے دیہات
کے ایک صاحب کسی ضرورت سے لکھنؤ آئے، راقم سطور سے بھی ملے، انھوں نے بتلایا کہ
ہمارے علاقے میں گاؤں گاؤں اس سلسلہ کا لٹریچر پہنچ رہا ہے ____

بارش کی طرح برسنے والے اس لٹریچر اور اس پروپیگنڈے سے کلمۂ اسلام کی
سربلندی اور "اسلامی حکومت" کے قیام کی تمنا اور خواہش رکھنے والے ہر اس شخص کا
متاثر ہونا فطری بات ہے جو شیعیت اور شیعیت کی تاریخ سے اور اس وقت کے ایران
کے اندرونی حالات اور وہاں کی سنی آبادی کی حالت زار سے، امام روح اللہ خمینی کی
شخصیت اور ان کے برپا کیے ہوئے انقلاب کی اُس فکری و مذہبی بنیاد سے واقف نہ
ہو جو خود امام خمینی نے اپنی تصانیف خاص کر اپنی کتاب "ولایۃ الفقیہ او الحکومۃ
الاسلامیۃ" میں پوری وضاحت سے بیان کی ہے ____ یہ کتاب ہی گویا اس
انقلاب کی بنیاد ہے ____ اور اس کتاب کو بھی صحیح طور پر وہی سمجھ سکتا ہے جو
شیعیت سے واقف ہو۔ اور اُس نے مذہب شیعہ کا مطالعہ کیا ہو۔

اس موقع پر راقم سطور اس واقعی حقیقت کے اظہار میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتا کہ
ہمارے عوام اور کالجوں، یونیورسٹیوں کے تعلیم یافتہ حضرات اور صحافیوں، دانشوروں کا

ریاست در میان ایشاں خواہد کرد
و مردم را بسوے خود دعوت خواہد
نمود و تازیانہ ظلم و ستم را بردوش
خود خواہد گرفت و مردم را از راہ خدا
منع خواہد نمود و کتاب خدا را تحریف
خواہد نمود، و سنّت مرا تغیر خواہد داد
و زیادتی بر وصی من علی بن ابی
طالب خواہد کرد و دختر مرا از حق خود
محروم خواہد گردانید، پس دختر من
او را نفریں خواہد کرد و حق تعالی
نفریں او را استجاب خواہد کرد۔

حذیفہ گفت یا رسول اللہ چرا
دعائی نمی کنی کہ حق تعالی او را در حیات
شما ہلاک کند؟ حضرت فرمود کہ ای
حذیفہ درست نمی دارم کہ جرأت کنم
بر قضای خدا و از او طلب کنم تغیر
امرے را کہ در علم او گزشتہ است،
ولیکن از حق تعالی سوال کردم
کہ فضیلت دہد آں روز را کہ در آں
روز او بجہنم میرود بر سائر روزہا
تا آنکہ احترام آں روز سنتے گردد

کیا کہ یا رسول اللہ کیا آپ کی امت
میں کوئی ایسا بد بخت ہوگا جو ایسی
حرکتیں کرے گا؟۔ آنحضرتؐ نے
فرمایا کہ اے حذیفہ منافقوں میں سے
ایک بُت (صنم) ہوگا جو منافقوں کا
سرگروہ ہوگا، وہ ظلم وستم کا کوڑا اپنے
ہاتھ میں رکھے گا اور لوگوں کو حق کے
راستے سے روکے گا اور کتاب اللہ
میں تحریف کرے گا اور میری سنت
اور میرے طریقہ کو بدل ڈالے گا اور میرے
وصی علی بن ابی طالب پر زیادتی کریگا
اور میری بیٹی فاطمہ کو اس کے حق سے
محروم کرے گا، تو میری بیٹی اس پر لعنت
اور بد دعا کرے گی، حق تعالی اسکی
لعنت اور بد دعا کو قبول فرمائے گا۔

حذیفہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض
کیا یا رسول اللہ آپ یہ دعا کیوں
نہیں کرتے کہ خدا اس ظالم اور فرعون
کو آپ کی زندگی ہی میں ہلاک کردے
حضرت نے فرمایا اے حذیفہ میں مناسب
نہیں سمجھتا کہ اللہ تعالی کے قضا وقدر

درمیان دوستان من وشیعیان
اہل بیت من، پس حق تعالیٰ وحی کرد
کہ اے محمد در علم سابق من گزشتہ است
در یابد ترا و اہل بیت ترا محنتہا و بلائے
دنیا و ستمہائے منافقاں و غصب
کنندگان.... اے محمد نے رسد علی
بمنزلت تو مگر بانچہ میرسد ہا واز
بلاہا از فرعون او وغصب کنندہ حق او
من امر کردہ ام ملائکہ ہفت آسمان
خود راکہ برائے شیعان ومحبان دین
شما عید کنند۔ آں روزے راکہ آں
ملعون کشتہ می شود... وامر کردہ ام
ملائکہ نویسندگان اعمال راکہ از یں
روز تا سہ روز قلم از مردم بردارند و نہ
نویسند گناہان ایشاں را برائے
کرامت تو ووصی تو۔ اے محمد ایں روز
را عیدے گردانیدم برائے تو و اہل بیت
تو و برائے ہر کہ تابع ایشاں باشد از
مومنان وشیعان ایشاں، وسوگند
باد میکنم بعزت وجلال خود وعلو
منزلت ومکان خود کہ عطا کنم کسے را

کے فیصلہ میں دخل دوں اور جو کچھ علم
الٰہی میں طے ہو چکا ہے اس میں تبدیلی
کی درخواست کروں، ۔۔۔ لیکن میں نے
اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ جس دن
وہ ظالم و فرعون واصل جہنم ہو (یعنی
ہلاک کیا جائے) اس دن کو دوسرے
تمام دنوں پر فضیلت دی جائے تا کہ
اس دن کا احترام میرے شیعان اہل بیت
میں ایک سنّت بن جائے ۔۔۔ تو اللہ تعالےٰ
نے وحی فرمائی کہ میرے علم قدیم میں
طے ہو چکا ہے کہ آپ کو اور آپکے اہل بیت
کو غصب کرنے والے منافقوں کی طرف سے
طرح طرح کی تکلیفیں اور مشقتیں پہنچیں گی۔
اے محمد علی کو تمہارا مرتبہ ان تکلیفوں
ہی کی وجہ سے عطا کیا جائے گا جو انکا
حق غصب کرنے والے اس امت کے
فرعون کی طرف سے ان کو پہنچیں گی؛....
میں نے ساتوں آسمان کے
فرشتوں کو حکم دیا ہے کہ جس دن وہ
مارا جائے اس دن اہل بیت کے شیعان
اور محبان کے لیے عید منائیں اور میں نے

کہ عید کند ایں روز را از برائے من
ثواب آں کہ مدور عرش کردہ اند،
و قبول کنم شفاعت او را در خویشان
او، و زیادہ کنم مال او را اگر کشادگی
دہد بر خود و بر عیال خود دریں روز
و ہر سال دریں روز ہزار ہزار کس
از موالیان و شیعان شما را از آتش
جہنم آزاد گردانم و اعمال ایشاں را
قبول کنم و گناہان ایشاں را بیامرزم۔
حذیفہ گفت پس برخواست حضرت
رسول خدا و بخانہ ام سلمہ رفت و من
برگشتم و صاحب یقین بودم در کفر عمر،
تا آنکہ بعد از وفات رسول دیدم کہ او
چہ فتنہا برانگیخت و کفر اصلی خود را
اظہار کرد و از دین برگشت و دامان
بحیائی و وقاحت برائے غصب امامت
و خلافت برزد و قرآن را تحریف کرد،
و آتش در خانہ وحی و رسالت زد۔۔۔
و یہود و نصاریٰ و مجوس را از خود
راضی کرد و نور دیدہ مصطفےٰ را بخشم
آورد و رضا جوئی اہل بیت رسالت

بندوں کے اعمال لکھنے والے فرشتوں
(کراماً کاتبین) کو حکم دیا ہے کہ
اس دن کے احترام میں اس روز
سے تین دن بعد تک گناہ لکھنے سے
قلم روکے رہیں (کسی زانی، شرابی
چور ڈاکو وغیرہ کا کوئی گناہ نہ لکھیں)
اے محمد تین دن تک گناہوں کی یہ
عام چھٹی اور اجازت تمہارے اور
تمہارے وصی کے احترام میں دی گئی
ہے۔ اے محمد اس دن کو میں نے
تمہارے لیے اور تمہارے اہل بیت کے
لیے اور ان کے متبعین و محبین کے
لیے روز عید قرار دیا ہے، اور مجھے قسم
ہے اپنے عزت و جلال کی جو شخص
اُس دن عید منائے گا میں اس کو
عرش کا طواف کرنے والے فرشتوں کے
برابر ثواب عطا کروں گا اور اس کے
عزیزوں قرابت داروں کے بارے
میں اس کی شفاعت قبول کروں گا،
اور اگر وہ اس دن خود اپنے پر اور
اپنے اہل و عیال پر ہاتھ کھول کے

نکرد و جمیع سنتہائے رسول خدارا برطرف کرد، و تدبیر کشتن امیرالمومنین کرد و جور و ستم در میان مردم علانیہ کرد، و ہر چہ خدا حلال کردہ بود حرام کرد و ہر چہ حرام کردہ بود حلال کرد.. و در بر رو و شکم فاطمہ علیہا السلام زد...

حذیفہ گفت پس حق تعالیٰ دعائے برگزیدۂ خود و دختر پیغمبر خود را در حق او منافق مستجاب گردانید و قتل او را بردست کشندۂ او را رحمہ اللہ جاری ساخت۔

زاد المعاد ص ۴۳۳ تا ۴۳۶

خرچ کرے گا تو میں اس کے مال و دولت میں اضافہ کروں گا۔ اور ہر سال اس دن کے آنے پر تمہارے شیعوں میں سے ہزار ہا ہزار کو آتش جہنم سے آزادی دوں گا ان کے اعمال قبول کروں گا اور ان کے گناہ بخش دوں گا۔

حذیفہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ یہ سب کچھ فرما کے اٹھ گئے اور ام سلمہ کے گھر میں چلے گئے اور مجھے آنحضرت سے یہ باتیں سن کر عمر کے کفر کے بارہ میں یقین ہو گیا، کوئی شبہ نہیں رہا۔ یہاں تک کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ کی وفات کے بعد میں نے دیکھ لیا

کہ اس نے کیا کیا فتنے برپا کئے اور اپنے اندر کے کفر کو اس نے ظاہر کر دیا اور دین اسلام سے برگشتہ ہو گیا اور امامت و خلافت غصب کرنے کے لیے انتہائی بیحیائی سے کام لیا، اور قرآن میں تحریف کر ڈالی اور کاشانۂ وحی و رسالت میں (یعنی رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ کے مقدس گھر میں) آگ لگائی۔ اور یہود و نصاریٰ اور مجوسیوں کو راضی اور خوش کیا اور نور نظر مصطفی فاطمہ زہرا اور تمام ہی اہل بیت کو ناراض کیا، اور امیرالمومنین کو مروا ڈالنے کی سازش اور تدبیر کی

اور خدا نے جو حلال کیا تھا اس کو حرام کیا اور جو خدا نے حرام کیا تھا اس کو حلال کیا... اور فاطمہ زہرا علیہا السلام کے چہرے اور شکم پر دروازہ دے مارا.... (یہ سب بیان کر کے) حذیفہ نے کہا کہ پھر حق تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ پیغمبر اور اُن کی صاحبزادی کی بددعا اس منافق کے بارے میں قبول فرمائی اور اس کے قاتل (ابو لولو ایرانی) کے ہاتھ سے اس کو قتل کرادیا۔ اس کے اِس قاتل پر اللہ کی رحمت ہو۔

اس روایت سے متعلق کچھ ضروری اشارات :

جیسا کہ عرض کیا جاچکا ہے اس تحریری کاوش کا مقصد اہل سنّت میں سے اُن لوگوں کو، خاص کر اُن اہل علم اور دانشور حضرات کو جو شیعیت سے ناواقف ہیں" شیعی عقائد ونظریات اور ان کی بنیاد ان کے "ائمہ معصومین" کی روایات سے واقف کرانا ہے، ان پر بحث وتنقید اس مقالہ کا موضوع نہیں ہے۔ تاہم حضرت فاروق اعظم سے متعلق اس روایت کے بارے میں چند نکتوں کی طرف اپنے ناظرین کو توجہ دلانا ہم ضروری سمجھتے ہیں۔

اوّل یہ کہ روایت کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ۹ ربیع الاول کو عید اور جشن منانے اور اس کے فضائل وبرکات کے بارے میں اس مجلس میں اتنی لمبی بات فرمائی (جس کا صرف حاصل اور خلاصہ ناظرین کرام نے گذشتہ چھ صفحات میں پڑھا ہے) لیکن اس طویل سلسلہ کلام میں اُس ظالم اور مجرم اور اپنے اہل بیت کے "فرعون" کا نام کہیں نہیں لیا جس کی ہلاکت کی خوشی اور تقریب میں یہ عید منائی جارہی تھی، صرف اشاروں اور کنایوں سے کام لیا ــــــ روایت کی تمہید

میں علامہ مجلسی کے بیان سے اور آخر میں روایت کے راوی حذیفہ بن یمان کے بیان سے معلوم ہوا کہ یہ سب کچھ آپ نے عمر بن الخطاب کے بارے میں فرمایا تھا۔ شیعی فلسفہ کے مطابق اس کی وجہ صرف یہی ہو سکتی ہے کہ (معاذ اللہ) رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم عمر بن الخطاب سے اتنا ڈرتے تھے کہ اپنے گھر کے اندر بھی ان کے خلاف کوئی بات کرتے تو ان کا نام نہیں لیتے تھے کہ گھر کے در و دیوار بھی نہ سن پائیں، گویا آپ کی یہ سخت احتیاط "دیوار ہم گوش دارد" کے خطرہ کی بنیاد پر تھی۔ یا یہ کہ آپ کو حذیفہ بن یمان ہی سے خطرہ تھا کہ کہیں یہ بات عمر تک نہ پہنچا دیں۔ اسی ڈر کی وجہ سے قریبًا ۲۰ سال تک ساتھ رہنے کے باوجود کبھی اس کا اشارہ بھی آپؐ نے عمر بن الخطاب سے نہیں کیا کہ تم ایسے ہو، ویسے ہو، بلکہ ان کو ایک قابلِ اعتماد ساتھی کی حیثیت سے ساتھ لگائے رہے، گویا حضورؐ ابتداء دورِ نبوت سے وفات تک اس بارے میں تقیہ کرتے رہے اور اپنے اس طرزِ عمل سے اپنی امت کو بھی (معاذ اللہ) آپ نے دھوکے میں مبتلا کیا۔ استغفر اللہ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

دوسرا نکتہ اس روایت میں قابلِ غور یہ ہے کہ بندوں کے اعمال نویس فرشتوں کو خود اللہ تعالیٰ نے حکم دے دیا کہ جب ۹ ربیع الاول کی تاریخ آئے تو تین دن تک گناہ کرنے والوں کا کوئی گناہ نہ لکھا جائے (ظاہر ہے کہ یہ رعایت اور آزادی صرف شیعہ مومنین ہی کے لیے ہوگی) ۔ سوچا جائے اور تحقیق کی جائے کیا دنیا کے کسی مذہب میں چوری، ڈاکہ زنی، خون ناحق، زنا اور بالجبر زنا جیسے گناہوں کے لیے اس طرح کی چھٹی اور آزادی کی مثال مل سکتی ہے؟ ہمارے نزدیک اس روایت کے مطابق صرف شیعہ مذہب میں ہے، اور وہ بھی عمر بن الخطاب کی ہلاکت کی خوشی میں۔

تیسرا قابل غور نکتہ اس روایت میں یہ ہے کہ ۹ ربیع الاول کو یہ عید منانے پر شیعہ صاحبان کو عرش الٰہی کا طواف کرنے والے فرشتوں کے برابر ثواب عطا ہونے کا اعلان فرمایا گیا ہے، اور ظاہر ہے کہ مکمل طور پر عید اور جشن منانے کی صورت یہی ہوگی کہ اس عید کے دن کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملی ہوئی گناہوں کی آزادی سے بھرپور فائدہ اٹھایا جائے۔ گویا (العیاذ باللہ) اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے شیعہ صاحبان کو صلائے عام ہے کہ عمر بن الخطاب کی ہلاکت کی یادگار کی خوشی میں ہر سال ۹-۱۰-۱۱ ربیع الاول کو اپنے نفس کی خواہشوں کے مطابق ہر طرح کے گناہ کریں۔ دل میں کوئی حسرت باقی نہ رہے۔ ہر چاہت اور ہر خواہش پوری کریں۔ اور عرش کا طواف کرنے والے فرشتوں کے برابر ثواب حاصل کریں۔

چوتھا نکتہ یہ ہے کہ روایت میں حذیفہ بن یمان کی زبان سے نقل کیا گیا ہے کہ انھوں نے (حضرت عمرؓ کے قاتل ابو لولو ایرانی مجوسی) کے حق میں فرمایا "رحمہ اللہ" (اس پر خدا کی رحمت ہو)

ہم نے شیعہ مذہب اور اس کی بنیاد ان کے ائمہ کی روایات سے ناواقفوں کو واقف کرانے کے مقصد سے "نقل کفر کفر نباشد" کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ روایت نقل کر دی ہے لیکن اس میں ذرہ برابر شک نہیں ہے کہ یہ خرافاتی روایت از اول تا آخر، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پاک (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آپ کے مقرب و معتمد صحابی حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ پر ہی نہیں بلکہ حسن عسکری اور ان کے والد ماجد علی نقی پر بھی افترا اور محض افترا ہے۔ ان بزرگان اہل بیت کا دامن ان خرافات کی نجاست سے یقیناً پاک ہے۔

وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنقَلَبٍ يَنقَلِبُونَ

○

ان خرافات کے افترائے محض ہونے کی روشن ترین دلیل، عقد ام کلثوم

مجلسی کی "زاد المعاد" کی اس روایت اور حضرت فاروق اعظم کے مومن صادق ہونے کی نفی کرنے والی اس جیسی تمام خرافاتی روایات کے افترا محض ہونے کی سیکڑوں عقلی و نقلی دلیلوں میں اس عاجز کے نزدیک سب سے زیادہ روشن یہ واقعاتی دلیل ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنی صاحبزادی ام کلثوم کا (جو شیعہ مؤرخین کے بیان کے مطابق بھی سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے بطن سے سب سے بڑی صاحبزادی تھیں[1]) حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ان کے زمانۂ خلافت میں نکاح کیا اور وہ ان کی زوجہ محترمہ کی حیثیت سے ان کے گھر میں رہیں اور ان سے حضرت عمر کے ایک صاحبزادہ بھی پیدا ہوئے جن کا اسم گرامی زید تھا۔

اس مبارک نکاح کے واقعہ سے دو باتیں بدیہی طور پر ثابت ہوتی ہیں۔

ایک[1] یہ کہ حضرت علی مرتضیٰ کے نزدیک حضرت عمر مومن صادق تھے اور اس لائق تھے کہ اپنی اور سیدہ فاطمہ زہرا کی لخت جگر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نواسی کا ان سے نکاح کر دیں۔ حضرت علی مرتضیٰ کے بارہ میں یہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا

---

[1] تاریخ طراز مذہب مظفری جس کے مصنف ایک ایرانی شیعہ ہیں، انھوں نے اس کتاب میں حضرت عمر کے ساتھ ام کلثوم کے نکاح کے بیان کے لیے مستقل باب قائم کیا ہے جو کتاب کے صفحہ ۳۴ سے شروع ہو کر صفحہ ۶۷ پر ختم ہوا ہے۔ اس باب میں ایک فقرہ یہ ہے "ام کلثوم کبریٰ دختر فاطمہ زہرا، در سرائے عمر بن خطاب بود و از وے فرزند بیاورد"۔

بحوالہ "باقیات صالحات" ص ۱۹۲ (طبع بمبئی)

کہ وہ اپنی صاحبزادی کا ایسے آدمی سے نکاح کردیں جس کو وہ مومن صادق، خدا و رسول کا سچا وفادار اور مقبول بارگاہ خداوندی نہ سمجھتے ہوں بلکہ (معاذ اللہ) منافق اور دشمن خدا اور رسول جانتے ہوں۔

دوسری بات اس مبارک نکاح سے یہ ثابت ہوگئی کہ حضرت علی مرتضیٰ اور حضرت عمر کے درمیان ایسا تعلق اور ایسی محبت و مودت تھی جس کی بنا پر یہ مبارک رشتہ ہوا۔

بہرحال اس واقعہ نکاح نے ثابت کردیا کہ کتب شیعہ میں جو سیکڑوں روایتیں ہیں جن میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو (معاذ اللہ) منافق، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اہل بیت کے دشمن کی حیثیت سے دکھلایا گیا ہے۔ اور اسی طرح وہ سب روایتیں جن میں حضرت علی مرتضیٰ اور حضرت عمر کے درمیان انتہائی درجہ کی عداوت و دشمنی دکھلائی گئی ہے اور حضرت سیدہ فاطمہ زہرا تک پر حضرت عمر کے مظالم بیان کیے گئے ہیں کہ یہ سب ان لوگوں کی گھڑی ہوئی کہانیاں ہیں جو ابن سبا کی شروع کی ہوئی تحریک کے نتیجہ میں پیدا ہوتے رہے جس کا مقصد اسلام کی تخریب اور امت مسلمہ میں اختلاف پیدا کرکے اس کی طاقت کو ختم کرنا تھا۔ یہ اللہ تعالیٰ علام الغیوب کی حکمت بالغہ کا کرشمہ ہے کہ اس نے یہ رشتہ قائم کراکے ان تمام خرافاتی کہانیوں کی حقیقت واضح فرمادی جن سے شیعہ حضرات کی کتابیں بھری ہوئی ہیں، اور انہی روایات پر مذہب شیعہ کی عمارت تعمیر ہوئی ہے۔ اللھم لک الحمد ولک الشکر

عقد ام کلثوم اور شیعہ علماء و مصنفین:

راقم سطور کو معلوم ہے کہ شیعہ علماء و مجتہدین اور اُن کے مصنفین نے اس نکاح کے بارے میں کیا کیا کہا اور لکھا ہے اور اس کی کیسی کیسی عجیب و غریب اور

مضحکہ خیز تاویلیں اور توجیہیں کی ہیں، جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جب خلیفہ ثانی عمر بن الخطاب نے امیر المومنین پر اس کے لیے شدید دباؤ ڈالا کہ وہ اپنی بیٹی ام کلثوم کا ان سے نکاح کر دیں اور اس سلسلہ میں سخت دھمکیاں بھی دیں تو امیر المومنین نے اپنی معجزانہ قدرت سے ایک جنیہ کو اپنی بیٹی ام کلثوم کی شکل میں تبدیل کر دیا اور اسی کو اپنی بیٹی ام کلثوم بنا کر اس کا نکاح عمر بن الخطاب سے کر دیا تھا وہی ان کی بیوی بن کر ان کے گھر میں رہی۔ اصلی ام کلثوم جو امیر المومنین اور سیدہ فاطمہ زہرا کی بیٹی تھیں ان کا نکاح عمر بن الخطاب سے نہیں ہوا[1]۔ اور بعض مصنفین نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ اس نکاح کی ساری روایتیں ناقابل اعتبار ہیں، نکاح کا واقعہ ہوا ہی نہیں[2]۔

حقیقت یہ ہے کہ طاہرہ ام کلثوم کے نکاح کا یہ واقعہ شیعہ حضرات کے لیے بلائے بے درماں اور مصیبت عظمیٰ بن گیا ہے کیونکہ جیسا کہ عرض کیا گیا تنہا اس واقعہ نکاح سے مذہب شیعہ کی پوری عمارت منہدم ہو جاتی ہے، لیکن چونکہ اس طرح کے مباحث اس مقالہ کے موضوع سے باہر ہیں اس لیے ہم اس مسئلہ پر بحث نہیں کریں گے۔ ناظرین میں سے جو حضرات اس موضوع پر تحقیق و تفصیل سے مطالعہ کرنا چاہیں وہ نواب محسن الملک مرحوم کی "آیات بینات" حصہ اول میں اس نکاح کی بحث کا مطالعہ فرمالیں جو بڑے سائز کے پورے چالیس صفحات پر ہے —— حق یہ ہے کہ

---

[1] یہ عجیب و غریب اور مضحکہ خیز دعویٰ شیعوں کے قطب الاقطاب قطب الدین راوندی صاحب نے کیا ہے اور ان کے مجتہد اعظم دیدار علی صاحب نے "مواعظ حسینیہ" میں اس کو تفصیل سے لکھا ہے۔ (آیات بینات حصہ اول ص ۱۲۶)

[2] یہ موقف شیعوں کے دوسرے مجتہد اعظم سید محمد صاحب نے اختیار کیا ہے (آیات بینات حصہ اول ص ۱۳۵)

کیا ذکر، ہم جیسے لوگ جنھوں نے دینی مدارس اور دارالعلوموں میں دینی تعلیم حاصل کی ہے اور "عالم دین" کہے اور سمجھے جاتے ہیں، عام طور سے شیعہ مذہب کے بنیادی اصول وعقائد سے بھی واقف نہیں ہوتے۔ سوائے اُن کے جنھوں نے کسی خاص ضرورت سے ان کی کتابوں کا مطالعہ کیا ہو ـــــ خود اس عاجز راقم سطور کا حال یہ ہے کہ اپنی مدرسی تعلیم اور اس کے بعد تدریس کے دور میں بھی شیعہ مذہب سے میں اُس سے زیادہ واقف نہیں تھا جتنا ہمارے عام پڑھے لکھے لوگ واقف ہوتے ہیں (اور واقعہ یہ ہے کہ اس کو واقفیت سمجھنا ہی غلط ہے) ـــــ پھر ایک وقت آیا کہ بعض ان علمائے اہل سنت کی کتابوں کے مطالعہ کا اتفاق ہوا جنھوں نے مذہب شیعہ کی بنیادی کتابوں کو اچھی طرح دیکھ کے اس موضوع پر لکھا ہے ان میں مولانا قاضی احتشام الدین مرادآبادی علیہ الرحمہ کی کتاب "نصیحۃ الشیعۃ" خاص طور پر قابل ذکر ہے، اس موضوع پر سب سے پہلے یہی کتاب راقم سطور کے مطالعہ میں آئی تھی، یہ اب سے کچھ کم سو سال پہلے کی تصنیف ہے، اس کا انداز بیان سنجیدہ و متین ہونے کے ساتھ بڑا دلچسپ بھی ہے، اس کے علاوہ اس موضوع پر کبھی کبھی حضرت مولانا عبدالشکور صاحب فاروقی لکھنوی علیہ الرحمہ کی بعض تصانیف بھی مطالعہ میں آئیں۔ اس کے بعد میں سمجھنے لگا تھا کہ شیعہ مذہب سے میں واقف ہوگیا ـــــ لیکن جب حال میں ایرانی انقلاب کے سلسلہ کے اس پروپیگنڈے کو جس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے اور اس کے اثرات کو دیکھ کر اس موضوع پر لکھنے کا داعیہ پیدا ہوا اور میں نے اس کو دینی فریضہ سمجھا تو شیعیت سے ذاتی اور براہ راست واقفیت کے لیے میں نے مذہب شیعہ کی بنیادی اور مستند کتابوں کا اور خود امام خمینی کی تصانیف کا مطالعہ ضروری سمجھا۔ چنانچہ گزشتہ قریباً ایک سال میں ـــــ اس حالت میں کہ عمر اسی سے متجاوز ہو چکی ہے، اور اس عمر میں ظاہری و باطنی قویٰ میں جو ضعف و اضمحلال فطری طور پر پیدا ہو جانا چاہیے وہ پیدا ہو چکا ہے، اس کے علاوہ ہائی بلڈ پریشر کا

اللہ کے اس بندے نے (جو پہلے خود شیعہ اور شیعہ خاندان کا ایک فرد تھا[1]) تحقیق کا حق ادا کر دیا ہے اور شیعی دنیا پر حجت تمام کر دی ہے۔ جزاہ اللہ تعالیٰ احسن الجزاء

ہم یہاں صرف کلینی کی "الجامع الکافی" سے (جو شیعہ حضرات کے نزدیک اصح الکتب ہے) اس نکاح سے متعلق ایک روایت نقل کرنے پر اکتفا کریں گے، اس روایت میں اس نکاح کے بارے میں امام جعفر صادق کا بیان ذکر کیا گیا ہے جس سے یہ تو ثابت ہو جاتا ہے کہ یہ نکاح یقیناً ہوا، اور حضرت علی مرتضیٰ اور سیدہ فاطمہ زہرا کی بیٹی ام کلثوم ہی کے ساتھ ہوا لیکن شیعہ عقیدہ کے مطابق حضرت عمر کو (معاذ اللہ) منافق و کافر اور دشمن خدا و رسول ماننے کی بنیاد پر اس نکاح کے بارے میں جو معذرت یا توجیہ امام جعفر صادق سے نقل کی گئی ہے، جیسا کہ ناظرین کرام محسوس کریں گے وہ انتہائی شرمناک ہے اور اس سے خود حضرت علی مرتضیٰ اور صاحبزادگان امام حسن و حسین کی شخصیتیں بھی سخت مجروح ہوتی ہیں اور ان پر ایسا الزام آتا ہے کہ اس سے زیادہ شرمناک الزام سوچا نہیں جا سکتا۔

---

[1] نواب محسن الملک مرحوم شیعہ خاندان اور گھرانے میں پیدا ہوئے پلے بڑھے، تعلیم حاصل کی، ان کی کتاب "آیات بینات" علم میں ان کی بلند مقامی کی شاہد ہے۔ وہ شیعہ ہی تھے، پھر ذاتی مطالعہ سے اس نتیجہ پر پہنچے کہ اہل سنت کا مذہب ہی حق ہے، چنانچہ اسی کو اختیار کر لیا اور اس کے نتیجہ میں خاندان سے کٹ گئے، مشکلات اور تکالیف کا سامنا کرنا پڑا۔ پھر شیعوں کی ہدایت اور اُن پر حجت تمام کرنے کے لیے "آیات بینات" لکھی، جس نے فی الحقیقت شیعہ حضرات پر حجت حق تمام کر دی ہے۔ یہ کتاب تیرہویں صدی ہجری کے اواخر میں لکھی گئی تھی۔ اور پہلی مرتبہ ۱۳۰۱ھ میں چھپی تھی۔

شیعوں کے رئیس المحدثین ثقۃ الاسلام ابوجعفر یعقوب کلینی کی فروع کافی جلد دوم میں اس نکاح سے متعلق ایک مستقل باب ہے، جس کا عنوان ہے "باب فی تزویج ام کلثوم" (یعنی یہ باب ہے ام کلثوم کے نکاح کے بیان میں) اس باب میں امام جعفر صادق کے خاص شیعہ راوی جناب زرارہ سے روایت ہے، اور یہ باب کی پہلی روایت ہے۔

عن زرارۃ عن ابی عبد اللّٰہ علیہ السلام فی تزویج
ام کلثوم فقال "ان ذالك فرج غصبناہ" (فروع کافی جلد دوم ص۱۴۱)

ناظرین کرام میں جو حضرات عربی داں ہیں انھوں نے تو سمجھ لیا ہوگا کہ یہ جملہ جو زرارہ صاحب نے امام جعفر صادق کا ارشاد بتا کر روایت کیا ہے (ذالك فرج غصبناہ) کس قدر شرمناک اور حیا سوز ہے جو ہرگز کسی شریف آدمی کی زبان سے نہیں نکل سکتا نیز یہ کہ اس سے خود حضرت علی مرتضیٰ پر کتنا شدید الزام عائد ہوتا ہے اور معاذ اللہ وہ کس قدر بزدل اور بے غیرت ثابت ہوتے ہیں ـــــ اور ناظرین میں جو حضرات عربی داں نہیں ہیں ان کو سمجھانے کے لیے ٹھیٹ عوامی اردو زبان میں اس کا ترجمہ کرنے سے تو حیا اور شرافت مانع ہے، تاہم ان کے لیے حتی الوسع محتاط اور مناسب الفاظ میں عرض کیا جاتا ہے کہ اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ عمر بن الخطاب کے ساتھ ام کلثوم کا نکاح شرعی قاعدہ کے مطابق ان کے والد اور شرعی ولی حضرت علی مرتضیٰ کی اور خود ام کلثوم کی رضامندی سے نہیں ہوا تھا بلکہ (معاذ اللہ) عمر بن الخطاب نے اپنے دور خلافت میں ان کو زبردستی حضرت علی سے چھین کے اور غاصبانہ قبضہ کر کے اپنے گھر میں بیوی بنا کے رکھ لیا تھا یعنی جو کچھ ہوا با لجبر ہوا۔ استغفر اللہ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت فاروق اعظم کے ساتھ سیدہ طاہرہ ام کلثوم کا نکاح چوں کہ ایسا واقعہ ہے جس سے حضرت علی مرتضیٰ اور حضرت فاروق اعظم کے درمیان

محبت و مودت کا ہونا اور فاروق اعظم کا مومن صادق ہونا آفتاب نیمروز کی روشنی
کی طرح ثابت ہو جاتا ہے اور جیسا کہ عرض کیا گیا تنہا اس واقعہ سے مذہب شیعہ کی
پوری عمارت منہدم ہو جاتی ہے۔ اس لیے زرارہ نے (جو مذہب شیعہ کے خاص معماروں
میں ہے اور شیعی روایات کے بڑے حصہ کا وہی راوی ہے اور جو جانتا تھا کہ یہ نکاح
ہوا ہے اور سیدہ طاہرہ ام کلثوم حضرت فاروق اعظم کی زوجہ محترمہ کی حیثیت سے انکی
شہادت تک ان کے گھر میں رہیں اور ان کے بطن سے حضرت عمر کے ایک فرزند بھی پیدا
ہوئے اس لیے وہ نکاح کا انکار نہیں کر سکتا تھا، لہذا اس نے) مذہب شیعہ کی عمارت
کو انہدام سے بچانے کے لیے امام جعفر صادق کی طرف سے گھڑ کے شیعہ صاحبان کو
یہ حدیث سنادی اور اصل واقعہ کو تسلیم کر کے اس کی یہ تاویل و توجیہ امام موصوف کی طرف
نسبت کر کے بیان کر دی کہ یہ نکاح شرعی قاعدہ کے مطابق رضامندی سے نہیں ہوا تھا
بلکہ (معاذ اللہ) ام کلثوم کو زبردستی چھین کے گھر میں رکھ لیا تھا ۔۔۔۔ اس ظالم
نے یہ نہیں سوچا کہ اس تاویل و توجیہ کو تسلیم کرنے کے نتیجہ میں حضرت علی مرتضیٰ پر کتنا
شدید الزام عائد ہوتا ہے کہ ان کی بیٹی کو جو سیدہ فاطمہ زہرا کے بطن سے تھیں اور اس لیے
رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی نواسی تھیں، ایک ایسے شخص نے جو زرارہ اور شیعہ
حضرات کے عقیدہ کے مطابق منافق و کافر اور اس امت کا فرعون تھا ناجائز طور پر غصب
کر کے اور زبردستی چھین کے بیوی بنا کے اپنے گھر میں رکھ لیا اور انھوں نے کوئی
مزاحمت نہیں کی ۔۔۔ حالانکہ آپ فطری طور پر مثالی شجاع اور بہادر تھے، اسی لیے
آپ کو "اسد اللہ" (شیر خدا) کہا جاتا ہے، آپ کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کی تلوار ذوالفقار تھی، عصائے موسیٰ بھی تھا جو اژدہا بن جاتا تھا، حسنین نوجوان
صاحبزادے تھے، اس کے علاوہ ساتھ دینے کے لیے آپ کا قبیلہ بنی ہاشم موجود تھا اور
ایسے معاملہ میں تو ہر شریف آدمی آپ کا ساتھ دیتا ۔۔۔۔ ان سب باتوں کو پیش نظر

رکھنے کے بعد اس میں شبہ نہیں رہتا کہ اس نکاح کے بارے میں "ذالک فرج غصبناہ" ہرگز امام جعفر صادق کا ارشاد نہیں ہے، یہ اُن پر جناب زرارہ کا افترائے ہے۔ اور حقیقت یہی ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنی صاحبزادی ام کلثوم کا حضرت فاروق اعظم سے نکاح کیا تھا اور یہ اس کی روشن ترین دلیل ہے کہ وہ ان کو مومن صادق خلیفہ برحق مقبول بارگاہ خداوندی اور اس کا اہل سمجھتے تھے کہ اپنی بیٹی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نواسی کو ان کی زوجیت میں دیں۔ جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی مرتضیٰ اور حضرت عثمان کو مومن صادق اور اہل سمجھ کر اپنی صاحبزادیوں کا ان سے نکاح کیا اور دامادی کا شرف عطا فرمایا۔

اختصار کے ارادہ کے باوجود فاروق اعظم سے متعلق علامہ باقر مجلسی کی "زاد المعاد" کی روایت پر کلام طویل ہو گیا۔ اب دل پہ جبر کر کے حضرات شیخین سے متعلق ایک روایت اور پڑھ لی جائے۔

شیخین سے متعلق خون کھولا دینے والی ایک روایت

امام غائب جب ظاہر ہوں گے تو شیخین کو قبروں سے نکالیں گے اور زندہ کر کے ہزاروں بار سولی پہ چڑھائیں گے

وہی علامہ باقر مجلسی جن کی کتاب "زاد المعاد" سے حضرت فاروق اعظم سے متعلق مندرجہ بالا شیعی روایت نقل کی گئی ہے، اُن ہی کی ایک کتاب "حق الیقین" ہے، یہ بھی فارسی زبان میں خاصی ضخیم کتاب ہے (اور جیسا کہ پہلے ایک جگہ ذکر کیا جا چکا ہے خمینی صاحب نے اپنی کتاب "کشف الاسرار" ص ۱۲۱ پر مجلسی صاحب کی عام فارسی تصانیف کی تعریف کرتے ہوئے اُن کے مطالعہ کا مشورہ دیا ہے اور خاص طور سے اس کتاب "حق الیقین"

کی عبارتیں اپنے ایک دعوے کے ثبوت میں پیش کی ہیں)۔ بہر حال اسی "حق الیقین" میں مجلسی صاحب نے شیعوں کے خاص عقیدۂ رجعت کے بیان میں امام جعفر صادق کے ایک خاص مرید مفضل بن عمر سے ایک بہت طویل روایت نقل کی ہے، اس میں امام جعفر صادق کی زبان سے امام غائب مہدی کے ظہور کا بہت تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے، روایت کی نوعیت یہ ہے کہ مفضل سوالات کرتے ہیں، اور امام جعفر صادق جواب دیتے ہیں ــــ ہم اس روایت کے بیشتر حصہ کا عام فہم ترجمہ ہی یہاں نذر ناظرین کریں گے اور صرف اس حصہ کا فارسی متن بھی درج کریں گے جس میں (معاذاللہ) شیخین کو قبروں سے نکال کے زندہ کر کے دنیا بھر کے گناہگاروں کے گناہوں کی سزا میں ہر روز ہزاروں بار سولی پر چڑھائے جانے کا ذکر کیا گیا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ان خرافات کا مطالعہ بھی سخت مجاہدہ ہے لیکن شیعیت کی حقیقت اور شیعی ذہنیت سے واقف کرانے کے لیے دل پر جبر کر کے اس کو لکھا جا رہا ہے۔ (معاذاللہ ثم معاذاللہ)

روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ امام جعفر صادق نے بیان فرمایا کہ صاحب الامر (امام غائب) جب ظاہر ہوں گے تو پہلے مکہ معظمہ آئیں گے اور وہاں یہ اور وہ کریں گے آگے ناظرین روایت کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں (ناظرین کی سہولت فہم کے لیے ایک حد تک آزاد ترجمہ کرنا مناسب سمجھا گیا ہے)

مفضل نے امام جعفر صادق سے عرض کیا کہ اے میرے آقا! صاحب الامر (امام مہدی) مکہ معظمہ کے بعد دوسرے کس مقام کا رخ کریں گے؟ ــــ آپ نے فرمایا کہ ہمارے نانا رسول خدا کے شہر مدینہ جائیں گے، وہاں ان سے ایک عجیب بات کا ظہور ہوگا جو مومنین کے لیے خوشی و شادمانی کا اور کافروں منافقوں کے لیے ذلت و خواری کا سبب بنے گی ــــ مفضل نے پوچھا وہ عجیب بات کیا ہوگی؟ امام جعفر صادق نے فرمایا کہ جب وہ

اپنے نانا رسول خدا کی قبر کے پاس پہنچیں گے تو وہاں کے لوگوں سے پوچھیں گے کہ لوگو بتلاؤ کیا یہ قبر ہمارے نانا رسول خدا کی ہے؟ لوگ کہیں گے کہ ہاں یہ انہی کی قبر ہے۔ پھر امام پوچھیں گے کہ یہ اور کون لوگ ہیں جو ہمارے نانا کے پاس دفن کر دیے گئے ہیں؟ لوگ بتلائیں گے کہ یہ آپ کے خاص مصاحب ابوبکر اور عمر ہیں۔ حضرت صاحب الامر (امام مہدی) اپنی سوچی سمجھی پالیسی کے مطابق (سب کچھ جاننے کے باوجود) ان لوگوں سے کہیں گے کہ ابوبکر کون تھا؟ اور عمر کون تھا؟ اور کس خصوصیت کی وجہ سے ان دونوں کو ہمارے نانا رسول خدا کے ساتھ دفن کیا گیا؟ لوگ کہیں گے کہ یہ دونوں آپ کے خلیفہ اور آپ کی بیویوں (عائشہ وحفصہ) کے والد تھے۔ اس کے بعد جناب صاحب الامر فرمائیں گے کہ کیا کوئی ایسا آدمی بھی ہے جس کو اس بارے میں شک ہو کہ یہی دونوں یہاں مدفون ہیں؟ لوگ کہیں گے کہ کوئی آدمی ایسا نہیں ہے جس کو اس بارے میں شک شبہ ہو، سب یقین کے ساتھ جانتے ہیں کہ رسول خدا کے پاس یہی دو بزرگ مدفون ہیں۔

پھر تین دن کے بعد صاحب الامر حکم دیں گے کہ دیوار توڑی جائے اور ان دونوں کو ان کی قبروں سے باہر نکالا جائے۔ چنانچہ دونوں کو قبروں سے نکالا جائے گا، ان کا جسم تازہ ہوگا اور صوف کا وہی کفن ہوگا جس میں یہ دفن کیے گئے تھے۔ پھر آپ حکم دیں گے کہ ان کا کفن الگ کر دیا جائے (ان کی لاشوں کو برہنہ کر دیا جائے) اور ایک بالکل سوکھے درخت پر لٹکا دیا جائے۔ اُس وقت مخلوق کے امتحان و آزمائش کے لیے یہ عجیب واقعہ ظہور میں آئے گا کہ وہ سوکھا درخت جس پر لاشیں

لٹکائی جائیں گی، ایک دم سرسبز ہو جائے گا، تازہ ہری پتیاں نکل آئیں گی اور شاخیں بڑھ جائیں گی، بلند ہو جائیں گی، پس وہ لوگ جو ان دونوں سے محبت رکھتے اور ان کو مانتے تھے (یعنی اہل سنت) کہیں گے کہ واللہ یہ ان دونوں کی عنداللہ مقبولیت اور عظمت کی دلیل ہے اور ان کی محبت کی وجہ سے ہم نجات کے مستحق ہوں گے ـــــ اور جب سوکھے درخت کے اس طرح سرسبز ہو جانے کی خبر مشہور ہو گی تو جن لوگوں کے دلوں میں اِن دونوں کی ذرہ برابر بھی محبت و عظمت ہو گی وہ اس کو دیکھنے کے شوق میں دور دور سے مدینہ آجائیں گے ـــ تو جناب قائم صاحب الامر کی طرف سے ایک منادی ندا دے گا اور اعلان کرے گا کہ جو لوگ اِن دونوں (ابوبکر و عمر) سے محبت و عقیدت رکھتے ہوں وہ ایک طرف الگ کھڑے ہو جائیں۔ اس اعلان کے بعد لوگ دو حصوں میں بٹ جائیں گے۔ ایک گروہ اِن دونوں سے محبت کرنے والوں کا ہو گا اور دوسرا ان پر لعنت کرنے والوں کا۔ اس کے بعد صاحب الامر ان لوگوں سے جو ان دونوں سے محبت کرنے والے ہوں گے (یعنی سنیوں سے) مخاطب ہو کر فرمائیں گے کہ ان دونوں سے بیزاری کا اظہار کرو اور اگر ایسا نہیں کرو گے تو تم پر ابھی خدا کا عذاب آئے گا ـــ وہ لوگ جواب دیں گے کہ جب ہم ان کی عنداللہ مقبولیت کے بارے میں پوری طرح جانتے بھی نہیں تھے، اس وقت بھی ہم نے ان سے بیزاری کا رویہ اختیار نہیں کیا۔ تو اب جبکہ ہم نے اِن کے مقرب اور مقبول بارگاہ خداوندی ہونے کی علامت آنکھوں سے دیکھ لی تو ہم کیسے ان سے بیزاری کا رویہ اختیار کر سکتے ہیں ـــ بلکہ اب ہم تم سے بیزاری ظاہر کرتے ہیں اور ان سب لوگوں سے جو تم پر ایمان لائے، اور

جنھوں نے تمھارے کہنے سے ان بزرگوں کو قبروں سے نکال کر ان کے ساتھ توہین و تذلیل کا یہ معاملہ کیا۔ ان لوگوں کا یہ جواب سن کر امام مہدی کالی آندھی کو حکم دیں گے کہ وہ ان لوگوں پر چلے اور ان سب کو موت کے گھاٹ اتار دے۔ پھر امام مہدی حکم دیں گے کہ ان دونوں (ابوبکر و عمر) کی لاشوں کو درخت سے اتارا جائے، پھر ان دونوں کو قدرت الٰہی سے زندہ کریں گے۔

وامر فرماید خلائق را کہ ہمہ جمع شوند۔ پس ہر ظلمے و کفرے کہ از اول عالم تا آخر شد گناہش را بر ایشاں لازم آورد، و زدن سلمان فارسی و آتش افروختن بدر خانہ امیر المومنین را و فاطمہ و حسن و حسین را برائے سوختن ایشاں و زہر دادن امام حسن و کشتن امام حسین و اطفال ایشاں و پسر عماں و یاران او و اسیر کردن ذریت رسول و ریختن خون آل محمد در ہر زمانے و ہر خونے کہ بناحق ریختہ شد، و ہر فرجے کہ بحرام جماع شد، و ہر سوئے و حرامے کہ خوردہ شد، و ہر گناہے و ظلمے و جورے کہ واقع شد تا قیام قائم

اور حکم دیں گے کہ تمام مخلوق جمع ہو پھر یہ ہوگا کہ دنیا کے آغاز سے اس کے ختم تک جو بھی ظلم اور جو بھی کفر ہوا اس سب کا گناہ ان دونوں پر لازم کیا جائے گا اور انہی کو اس کا ذمہ دار قرار دیا جائے گا۔ (خاص کر) سلمان فارسی کو پیٹنا اور امیر المومنین اور فاطمہ زہرا اور حسن و حسین کو جلا دینے کے لیے ان کے گھر کے دروازے میں آگ لگانا اور امام حسن کو زہر دینا اور حسین اور ان کے بچوں اور چچازاد بھائیوں اور ان کے ساتھیوں مددگاروں کو کربلا میں قتل کرنا، اور رسول خدا کی اولاد کو قید کرنا اور ہر زمانے میں آل محمد

آل محمد ہمہ را بایشاں بشمارد کہ
از شما شدہ و ایشاں اعتراف کنند
زیرا کہ اگر در روز اول غصب حق
خلیفہ بحق نمی کردند اینہا نمے شد،
پس امر فرماید کہ از برائے مظالم
ہر کہ حاضر باشد از ایشاں قصاص
نمایند، پس ایشاں را بفرماید کہ از
درخت برکشند و آتشے را فرماید کہ
از زمیں بیروں آید و ایشاں را
بسوزاند با درخت، و بادے را
فرماید کہ خاکستر ایشاں را بدریا ہا
پاشد، مفضل گفت اے سید من
ایں آخر عذاب ایشاں خواہد بود؟
فرمود کہ ہیہات اے مفضل!
واللہ کہ سید اکبر محمد رسول اللہ و
صدیق اکبر امیر المومنین و فاطمۂ زہرا
و حسن مجتبیٰ و حسین شہید کربلا و
جمیع ائمہ ہدیٰ ہمگی زندہ خواہند
شد و ہر کہ ایمان محض خالص داشتہ
و ہر کہ کافر محض بودہ ہمگی زندہ خواہند
شد و از برائے جمیع ائمہ و مومناں

کا خون بہانا اور ان کے علاوہ جو
بھی ناحق خون کیا گیا ہو اور کسی
عورت کے ساتھ جہاں کہیں بھی
زنا کیا گیا ہو، اور جو سود یا جو بھی
حرام کا مال کھایا گیا ہو اور جو بھی
گناہ اور جو ظلم و ستم قائم آل محمد
(یعنی امام غائب مہدی) کے ظہور
تک دنیا میں کیا گیا ہو، اس سب کو
ان دونوں کے سامنے گنا جائے گا
اور پوچھا جائے گا کہ یہ سب کچھ تم سے
اور تمہاری وجہ سے ہوا ہے؟ وہ
دونوں اقرار کریں گے (کہ ہاں ہماری
ہی وجہ سے ہوا) کیونکہ اگر (رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ کی وفات کے
بعد) پہلے ہی دن خلیفہ برحق (علی)
کا حق یہ دونوں مل کر غصب کرتے
تو ان گناہوں میں سے کوئی بھی
نہ ہوتا۔ اس کے بعد صاحب الامر
حکم فرمائیں گے کہ جو لوگ حاضر و موجود
ہیں وہ ان دونوں سے قصاص لیں
اور ان کو سزا دی جائے ـــ پھر

ایشاں را عذاب خواہند کرد حتّٰی	صاحب الامر حکم فرمائیں گے کہ ان
آنکہ در شبانہ روزے ہزار مرتبہ	دونوں کو درخت پر لٹکا دیا جائے
ایشاں را بکشند و زندہ کنند	اور آگ کو حکم دیں گے کہ زمین سے
پس خدا بہر جا کہ خواہد ایشاں را	نکلے اور ان دونوں کو مع درخت
ببرد و معذب گرداند۔	کے جلا کر راکھ کر دے اور ہوا کو حکم
حق الیقین ص۱۴۵ (دربیان رجعت)	دیں گے کہ ان کی راکھ کو دریاؤں

پر چھڑک دے۔ مفضل نے عرض کیا کہ اے میرے آقا! یہ ان لوگوں کو آخری عذاب ہوگا؟۔ امام جعفر صادق نے فرمایا کہ اے مفضل ہرگز نہیں۔ خدا کی قسم سید اکبر محمد رسول اللہ اور صدیق اکبر امیر المومنین (علی) اور سیدہ فاطمہ زہرا اور حسن مجتبیٰ اور حسین شہید کربلا، اور تمام ائمہ معصومین سب زندہ ہوں گے اور جو خالص مومن ہوں گے اور جو خالص کافر ہوں گے سب زندہ کیے جائیں گے اور تمام ائمہ اور تمام مومنین کے حساب میں ان دونوں کو عذاب دیا جائے گا یہاں تک کہ دن رات میں ان کو ہزار مرتبہ مار ڈالا جائے گا اور زندہ کیا جائے گا۔ اس کے بعد خدا جہاں چاہے گا ان کو لے جائے گا اور عذاب دیتا رہے گا۔

مریض بھی ہوں اور اس کی وجہ سے لکھنے پڑھنے کی صلاحیت بہت متاثر ہو گئی ہے،
بہرحال اسی حالت میں ـــــ اِن کتابوں کے کئی ہزار صفحات پڑھے اور اب معلوم ہوا کہ میں
شیعہ مذہب کے بڑے حصّے سے بھی واقف نہیں تھا اور اس مطالعہ ہی سے یہ بات سامنے
آئی کہ امام خمینی کے برپا کیے ہوئے ایرانی انقلاب کی حقیقت و نوعیت کو شیعیت سے
اچھی واقفیت کے بغیر نہیں سمجھا جا سکتا، کیونکہ مذہب شیعہ کا بنیادی عقیدہ "امامت"
اور امام آخرالزماں (مہدی منتظر) کی "غیبت کبریٰ" کا شیعی عقیدہ و نظریہ ہی اس
انقلاب کی اساس و بنیاد ہے۔

اس موقع پر راقم سطور اس حقیقت کا اظہار بھی مناسب سمجھتا ہے کہ مذہب شیعہ
سے ہمارے علمائے اہل سنت کے واقف نہ ہونے کی خاص وجہ یہ ہے کہ شیعہ مذہب میں۔
اور جہاں تک اس عاجز کی واقفیت اور مطالعہ ہے دنیا کے ادیان و مذاہب میں سے
صرف شیعہ مذہب میں۔ اپنے دین و مذہب کو چھپانے اور ظاہر نہ کرنے کا سخت تاکیدی
حکم ہے ـــــ اس سے ہماری مراد شیعہ مذہب کی وہ خصوصیت اور وہ تعلیم نہیں ہے
جو "تقیہ" کے عنوان سے عوام میں بھی معروف ہے، بلکہ تقیہ سے الگ یہ مستقل
باب ہے، اور کتب شیعہ اور ان کے ائمہ معصومین کے ارشادات میں اس کا عنوان "کتمان"
ہے جس کے معنی چھپانے اور ظاہر نہ کرنے کے ہیں۔ اور تقیہ کا مطلب ہوتا ہے اپنے قول
یا عمل سے اصل حقیقت اور واقعہ کے خلاف ظاہر کرنا اور اس طرح دوسرے کو دھوکے
میں مبتلا کرنا ـــــ ان دونوں کا تفصیلی بیان اور ان کے بارے میں مذہب شیعہ کی
بنیادی کتابوں کی تصریحات اور ان کے ائمہ معصومین کے ارشادات انشاء اللہ اس مقالہ
میں بھی اپنے موقع پر ناظرین کرام ملاحظہ فرمائیں گے[1] ـــــ اس وقت تو اس کے

---

[1] ناظرین کرام کتمان کی تاکید کے سلسلہ میں اُن کے امام معصوم امام جعفر صادق کا ایک ارشاد یہاں نقل
(باقی برصفحہ آئندہ)

ازواج مطہرات کی شان میں

حضرات شیخین اور ان کے رفقا دیگر اکابر صحابہ سے متعلق جو شیعی روایات (قریباً چالیس صفحات میں) یہاں تک ناظرین کرام نے ملاحظہ فرمائیں، وہ یہ جاننے کے لیے کافی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوتِ اسلام پر ابتدا ہی میں لبیک کہنے والے اور اللہ اور اس کے دین کے راستہ کی مصیبتوں میں آپ کا پورا ساتھ دینے والے اور اپنا سب کچھ قربان کر دینے والے اِن سابقین اولین کے بارے میں شیعہ حضرات کا عقیدہ اور رویہ کیا ہے ـــــ اب ہم رسول پاک صلے اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات اور اس کے بعد عام صحابہ کرام کے بارے میں ایک دو روایتیں اور پیش کر کے اس موضوع کو ختم کرنا چاہتے ہیں۔

معلوم ہے کہ قرآن مجید میں سورۂ احزاب کے آغاز ہی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ پر ایمان لانے والوں کے تعلق کی نوعیت بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے۔ "اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ" اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کو "مومنین" کی مائیں بتلایا گیا ہے، ظاہر ہے کہ اس کا مطلب یہی ہے کہ اہل ایمان کے دلوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلق اور رشتہ سے آپ کی ازواج مطہرات کی وہ عظمت ہونی چاہیے جو ماؤں کی ہوتی ہے اور اسی کے مطابق ادب واحترام کا رویہ رہنا چاہیے، وہ ایمان کے رشتہ سے اہل ایمان کی مقدس مائیں ہیں جو خون کے رشتہ سے بدرجہا زیادہ احترام کا مستحق ہے ـــــ لیکن رسول پاک صلے اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات میں سے حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت حفصہ چونکہ حضرت صدیق اکبر اور فاروق اعظم کی صاحبزادیاں ہیں اس لیے ان کے ساتھ بھی شیعہ صاحبان کو وہی عداوت ہے جو

حضرات شیخین کے ساتھ ہے اور ان کی روایات میں ان مطہر و مقدس ماؤں کے لیے بے تکلف منافقہ و کافرہ جیسے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں اور ان پر وہ سنگین ترین تہمتیں لگائی گئی ہیں جو اس کی دلیل ہیں کہ ان کے تراشنے والے اور بیان کرنے والے، ایمان ہی سے نہیں انسانیت اور اس کے خاص امتیاز جوہر عقل سے بھی محروم ہیں۔

(معاذ اللہ) حضرت عائشہؓ و حضرت حفصہؓ منافقہ تھیں انھوں نے حضورؐ کو زہر دے کے ختم کیا

وہی علامہ باقر مجلسی جن کی دو کتابوں (زاد المعاد اور حق الیقین) سے مندرجہ بالا دو روایتیں نذر ناظرین کی گئی ہیں، ان کی ایک تیسری کتاب "حیات القلوب" ہے، یہ اُن کی اہم تصانیف میں سے ہے، اس کی تین ضخیم جلدیں ہیں، اس کی جلد دوم کے صفحہ ۷۴۲ پر ایک مستقل باب ہے جس کا عنوان ہے۔

باب پنجاہ و پنجم در بیان احوال شقاوت مآل عائشہ و حفصہ	باب ۵۵ عائشہ و حفصہ کے بدبختانہ حالات کے بیان میں

اس باب میں اور کتاب کے دوسرے ابواب میں بھی ان دونوں امہات المومنین کو مجلسی نے بار بار منافقہ لکھا ہے ۔۔ پھر اسی کتاب کی اِسی جلد میں آگے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بیان میں لکھا ہے۔

وعیاشی بسند معتبر از حضرت صادق روایت کردہ است کہ عائشہ و حفصہ آنحضرت را بزہر شہید کردند (ص۸۷۰)	اور عیاشی نے معتبر سند سے امام جعفر صادقؑ سے روایت کیا ہے کہ عائشہ و حفصہ نے آنحضرتؐ کو زہر دیکر شہید کیا تھا۔

اور اسی کتاب کی اسی جلد میں مجلسی صاحب نے اپنے اسلاف علی بن ابراہیم اور عیاشی کی روایت سے یہ خرافاتی کہانی بھی بیان کی ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حفصہ کو رازداری کے ساتھ بتلایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ مجھے بتلایا ہے کہ میرے بعد ابوبکر ظالمانہ طور پر خلیفہ ہو جائیں گے، اور ان کے بعد تمہارے والد عمر خلیفہ ہوں گے، اور آپ نے تاکید کی تھی کہ وہ راز کی یہ بات کسی کو نہ بتلائیں، لیکن حفصہ نے عائشہ سے ذکر کر دیا، انھوں نے اپنے والد ابوبکر کو بتلا دیا، انھوں نے عمر سے کہا کہ حفصہ نے عائشہ کو یہ بات بتلائی ہے۔ انھوں نے اپنی بیٹی حفصہ سے پوچھا، اس نے پہلے تو بتلانا نہ چاہا لیکن آخر میں بتلا دیا کہ ہاں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے یہ بات مجھ سے فرمائی تھی۔ آگے مجلسی نے لکھا ہے۔

پس آں دو منافق و آں دو منافقہ بایکدیگر اتفاق کردند کہ آنحضرت را بہ زہر شہید کنند ص ۲۲۵	پس ان دونوں منافقوں (ابوبکر و عمر) اور دونوں منافقات (عائشہ و حفصہ) نے اس بارے میں اتفاق کر لیا کہ آنحضرتؐ کو زہر دیکر شہید کر دیا جائے۔

واقعہ یہ ہے کہ ان خرافات کا پڑھنا اور لکھنا بڑا اذیت ناک اور تکلیف دہ کام ہے لیکن ناواقف اہل سنت کو شیعیت کی حقیقت اور شیعی عقائد و نظریات سے واقف کرانا اپنا فرض سمجھ کر یہ تکلیف برداشت کی جارہی ہے۔

(معاذ اللہ) تین کے سوا تمام صحابہ مرتد ہو گئے

یہاں تک جو شیعی روایات پیش کی گئیں ان سے ناظرین کو معلوم ہو گیا کہ حضرات

شیخین و ذوالنورین اور ان کے خاص رفقا اکابر صحابہ کے بارے میں نیز امہات المومنین رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے بارے میں شیعہ حضرات کے اکابر مجتہدین و مصنفین نے کیا کیا تحریر فرمایا ہے اور ان کے بارے میں کیسی کیسی خرافاتی روایات اپنے ائمہ معصومین کی طرف منسوب کرکے بیان کی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ خاص کر حضرات خلفائے ثلاثہ ان کے نزدیک (معاذ اللہ) ابوجہل وابولہب سے بھی بدتر درجہ کے کافر ہیں۔ استغفر اللہ لاحول ولاقوۃ الاباللہ۔

اب ہم صرف ایک اور روایت اس سلسلہ میں نذر ناظرین کرکے اس موضوع کو ختم کرتے ہیں۔ اس روایت میں بتلایا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد تمام صحابہ (معاذ اللہ) مرتد ہو گئے۔ صرف تین آدمی وہ تھے جو مرتد نہیں ہوئے —— "کتاب الروضہ" میں امام باقر سے روایت ہے۔

قال كان الناس اهل ردة بعد النبي صلى الله عليه واله الا ثلثة، فقلت ومن الثلثة؟ فقال المقداد بن الاسود وابوذر الغفاری وسلمان الفارسی رحمة الله عليهم وبركاته۔ (فروع کافی جلد ۳ کتاب الروضہ ص ۱۱۵)	انھوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد سب لوگ مرتد ہو گئے، سوائے تین کے۔ (راوی کہتا ہے) میں نے عرض کیا کہ وہ تین کون تھے؟ تو امام باقر نے فرمایا مقداد بن الاسود اور ابوذر غفاری اور سلمان فارسی، ان پر اللہ کی رحمت ہو اور اسکی برکتیں۔

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے حضرات خلفائے ثلثہ اور دیگر خواص وعوام صحابہ کرام اور ازواج مطہرات کے بارے میں یہ شیعی عقائد و نظریات "عقیدہ امامت" کے لازمی اور بدیہی نتائج ہیں۔ آگے ہم مذہب شیعہ کے چند اور اہم مسائل کا ذکر کریں گے جو اسی عقیدۂ امامت ہی کے لازمی نتائج ہیں۔

کتمان اور تقیہ

مذہب شیعہ کی اصولی تعلیمات میں کتمان اور تقیہ بھی ہیں ___ کتمان کا مطلب ہے اپنے اصل عقیدہ اور مذہب و مسلک کو چھپانا اور دوسروں پر ظاہر نہ کرنا ___ اور تقیہ کا مطلب ہوتا ہے اپنے قول یا عمل سے واقعہ اور حقیقت کے خلاف یا اپنے عقیدہ و ضمیر اور مذہب و مسلک کے خلاف ظاہر کرنا اور اس طرح دوسروں کو دھوکے اور فریب میں مبتلا کرنا ___ آگے مذہب شیعہ کی مسلّم و مستند روایتوں سے کتمان اور تقیہ سے متعلق ان کے ائمہ معصومین کے جو ارشادات اور واقعات پیش کیے جائیں گے ان سے ان کی پوری حقیقت ناظرین کے سامنے آجائے گی ___ یہ دونوں بھی عقیدۂ امامت کے لوازم و نتائج میں سے ہیں۔ اسی لیے یہ شیعہ مذہب کی خصوصیات میں سے ہیں۔ جہاں تک راقم سطور کا مطالعہ اور علم ہے دنیا کے کسی دوسرے مذہب میں اس کتمان اور تقیہ کی تعلیم نہیں دی گئی ہے جو مذہب شیعہ کی اصولی تعلیمات میں سے ہے اور جو شیعہ حضرات کے نزدیک زندگی بھر ائمہ معصومین کا معمول رہا ہے۔

کتمان اور تقیہ کی تصنیف کس ضرورت سے ؟

یہ بات بطور واقعہ معلوم اور مسلّم ہے جس سے کسی کے لیے انکار کی گنجائش نہیں کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے لے کر شیعوں کے گیارہویں امام حسن عسکری تک کسی بھی امام نے مسلمانوں کے کسی بڑے اجتماع میں نہ کبھی حج کے موقع پر جو مسلمانوں کا سب سے بڑا اجتماع ہوتا ہے اور پورے عالم اسلامی سے مسلمان اس میں آتے ہیں، اور اسی طرح نہ کبھی عیدین یا جمعہ کے مجمع میں جس میں علاقہ اور شہر کے

مسلمان جمع ہوتے ہیں، اور نہ ان کے علاوہ مسلمانوں کے کسی بھی ایسے اجتماع میں امامت کا وہ مسئلہ بیان کیا جو شیعہ مذہب میں عقیدۂ توحید و رسالت ہی کی طرح دین کی بنیاد اور شرط نجات ہے اور وہی مذہب شیعہ کی اساس و بنیاد ہے۔ اسی طرح ان میں سے کسی نے ایسے کسی اجتماع میں اپنی امامت کا دعویٰ بھی نہیں کیا اور عام مسلمانوں کو اس کے قبول کرنے اور اس کی بنیاد پر بیعت کرنے کی دعوت نہیں دی ــــ بلکہ اس کے برعکس خود حضرت علی مرتضیٰ کا طرز عمل خلفائے ثلاثہ کے ۲۴ سالہ دورِ خلافت میں یہ رہا کہ دوسرے تمام مسلمانوں کی طرح وہ بھی اُن کے پیچھے نماز پڑھتے رہے، ان کی بیعت بھی کی اور سب نے یہی دیکھا کہ وہ بظاہر اخلاص اور سچائی کے ساتھ ان کے ساتھ تعاون کرتے رہے ــــ اسی طرح ان کے بعد حضرت حسن مجتبیٰ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں کبھی کسی مجمع میں اپنی امامت کا دعوی اور اعلان نہیں کیا اور خود ان کے پیچھے اور ان کے مقرر کیے ہوئے ائمہ کے پیچھے سب کے سامنے نمازیں پڑھتے رہے۔ یہی رویہ اثنا عشریہ کے باقی تمام ائمہ کا۔ چوتھے امام علی بن الحسین (زین العابدینؒ) سے لے کر گیارہویں امام حسن عسکری تک سب کا۔ رہا (رحمہم اللہ تعالیٰ)

تنہا یہی واقعہ اور ان تمام ائمہ کا یہ مسلسل طرز عمل مذہب اثنا عشری کی اساس و بنیاد مسئلہ امامت کے باطل اور بے اصل ہونے کی ایسی روشن واقعاتی دلیل اور شہادت تھی اور ہے کہ اس سے زیادہ روشن دلیل اور شہادت کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔

راقم سطور نے کتب شیعہ کے مطالعہ سے کتمان اور تقیہ کی تصنیف و ایجاد کے بارے میں جو کچھ سمجھا ہے وہ یہ ہے کہ عبداللہ بن سبا کے فیض یافتہ کوفہ کے جن لوگوں نے پہلی صدی ہجری کے اواخر اور دوسری صدی کے نصف اول میں (یعنی

امام باقر اور امام جعفر صادقؒ کے زمانہ میں اثنا عشری مذہب تصنیف کیا، یا کہا جائے کہ اس کی بنیاد ڈالی، انھوں نے اس ناقابل تردید دلیل اور شہادت کی زد سے عقیدہ امامت اور شیعہ مذہب کو بچانے کے لیے یہ دو عقیدے تصنیف کیے۔ ایک کتمان، جس کا مطلب یہ تھا کہ ہمارے ان ائمہ کو خود اللہ و رسول کا یہ حکم تھا کہ عقیدۂ امامت کا اظہار نہ کریں، اس کو چھپائیں، اس لیے انھوں نے امامت کا عقیدہ عام مسلمانوں کے سامنے اور مجامع میں بیان نہیں فرمایا، اور دوسرا حکم ان کو تقیہ کا تھا اس کی وجہ سے وہ تمام عمر اپنے ضمیر اور عقیدہ کے خلاف عمل کرتے رہے بہر حال عقیدۂ امامت کو تمام ائمہ کے اس مسلسل طرز عمل کی زد سے بچانے کی ضرورت سے یہ دونوں عقیدے تراشے گئے ـــ اسی لیے راقم سطور نے عرض کیا تھا کہ یہ دونوں بھی عقیدۂ امامت ہی کے لوازم و نتائج میں سے ہیں ـــ اب دونوں کے بارے میں ناظرین کرام ائمہ معصومین کے ارشادات اور واقعات ملاحظہ فرمائیں۔

کتمان کے بارے میں ائمہ معصومین کا ارشاد اور عمل:

اصول کافی میں "باب الکتمان" مستقل باب ہے، اس باب میں امام جعفر صادق کے خاص مرید اور راوی سلیمان بن خالد سے روایت ہے، انھوں نے بیان کیا کہ۔

قال ابو عبد اللہ علیہ السلام یاسلیمان انکم علی دین من کتمہ اعزہ اللہ ومن اذاعہ اذلہ اللہ	امام جعفر صادق نے فرمایا کہ اے سلیمان تم ایسے دین پر ہو کہ جو شخص اس کو چھپائے گا اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عزت عطا ہوگی اور جو اس کو ظاہر اور شائع کریگا اسکو اللہ تعالیٰ ذلیل و رسوا کریگا۔
اصول کافی ص ۴۸۵	

اور اسی کتاب کے اگلے صفحہ پر امام جعفر صادق کے والد ماجد امام باقر کا یہ ارشاد روایت کیا گیا ہے، انھوں نے اپنے شیعان خاص سے فرمایا۔

ان احب اصحابی الیّ اورعهم	مجھے اپنے اصحاب میں (شاگردوں
وافقههم واکتمهم لحدیثنا	اور مریدوں میں) وہ شخص زیادہ
اصول کافی ص ۴۸۶	پیارا ہے جو زیادہ پرہیزگار ہو، دین

کو زیادہ سمجھنے والا ہو، اور ہماری باتوں کو زیادہ چھپانے والا اور راز میں رکھنے والا ہو۔

اور اسی اصول کافی میں امام جعفر صادق کا مندرجہ ذیل واقعہ بیان کیا گیا ہے جو کتمان کی بھی مثال ہے اور تقیہ کی بھی۔

عن سعید السمان قال	سعید سمان سے روایت ہے کہ
کنت عند ابی عبد الله	ایک دن میں امام جعفر صادق کی
اذ دخل علیه رجلان	خدمت میں حاضر تھا کہ فرقہ زیدیہ[1]
من الزیدیة فقالا له	کے دو آدمی آئے اور انھوں نے
افیکم امام مفترض الطاعة؟	جناب امام سے کہا کہ کیا آپ لوگوں میں

---

[1] "زیدیہ" بھی شیعوں ہی کا ایک فرقہ ہے، حضرت علی مرتضیٰ سے لے کر چوتھے امام علی بن الحسین (زین العابدین) تک کی امامت پر ان کے اور اثنا عشریہ کے درمیان اتفاق ہے۔ امام زین العابدین کے بعد اثنا عشریہ ان کے بیٹے امام باقر کو امام مانتے ہیں اور ان کے بعد انہی کی اولاد میں سات اور امام مانتے ہیں ۔۔۔ اور "زیدیہ" امام زین العابدین کے دوسرے بیٹے زید شہید کو امام مانتے ہیں اور آگے ان ہی کی اولاد اور نسل میں امامت کا سلسلہ جاری رہنے کے قائل ہیں ۔۔۔ نیز ان دونوں کے درمیان امام کی شان اور مقام و مرتبہ کے بارے میں بھی کچھ اختلاف ہے۔

قال فقال لا، قال فقالا	کوئی (اللہ کی طرف سے مقرر کیا ہوا)
له قد اخبرنا عنك الثقات	امام ہے جس کی اطاعت فرض ہو؟
انك تفتی وتقر وتقول به	تو امام جعفر صادق نے فرمایا کہ نہیں
ونسميهم لك فلان و	(ہم میں کوئی بھی ایسا امام نہیں ہے)
فلان وهم اصحاب ورع	تو ان دونوں نے کہا کہ ہم کو تو تمہارے
وتشمير وهم ممن لا	بارے میں ایسے لوگوں نے بتلایا ہے
يكذب، فغضب ابو عبد الله	جو ثقہ اور قابل اعتماد ہیں کہ تم یہ بات
وقال ما امرتهم بهذا الخ	کہتے ہو اور اس کا اقرار کرتے ہو اور
(اصول کافی ص ۱۲۲)	اس کا فتویٰ دیتے ہو اور ہم آپ کو

اُن کا نام بتلاتے ہیں وہ فلاں اور فلاں ہیں اور وہ پرہیزگار اور سنجیدہ لوگ ہیں اور جھوٹ بولنے والے نہیں ہیں (ان کی یہ بات سن کر) امام جعفر صادق غضب ناک ہو گئے اور فرمایا کہ میں نے تو ان لوگوں کو اس کا حکم نہیں دیا۔

اس واقعہ میں امام جعفر صادق نے کتمان پر بھی عمل کیا کہ اپنی امامت کے مسئلہ کو چھپایا جو عقیدۂ توحید و رسالت کی طرح جزو ایمان ہے اور تقیہ سے بھی کام لیا کہ صاف فرمایا کہ یہاں ہم میں کوئی امام مفترض الطاعۃ نہیں ہے ــــ حالانکہ اس موقع پر اس اخفا اور غلط بیانی کی کوئی ضرورت نہیں تھی، یہ دونوں آدمی جو فرقہ زیدیہ سے تعلق رکھتے تھے، پردیسی تھے، کوفے سے آئے تھے اور امام جعفر صادق اپنے گھر پر مدینہ منورہ میں تھے، اگر ان کے سامنے صحیح بات ظاہر کر دی جاتی تو کوئی خطرہ نہیں تھا ــــ اب ناظرین تقیہ کے بارہ میں ملاحظہ فرمائیں۔

تقیہ کے بارے میں ائمہ کا ارشاد اور عمل :

اصول کافی میں تقیہ کا بھی مستقل باب ہے۔ اسی باب میں روایت ہے۔

عن ابی عمیر الاعجمی قال قال لی ابوعبداللہ علیہ السلام یا ابا عمیر تسعة اعشار الدین فی التقیہ ولا دین لمن لا تقیة لہ

ابوعمیر اعجمی راوی ہیں کہ امام جعفر صادق نے مجھ سے فرمایا اے ابوعمیر دین کے دس حصوں میں سے نو حصے تقیہ میں ہیں، اور جو تقیہ نہیں کرتا وہ بے دین ہے۔

اصول کافی ص۴۸۲

آگے اسی باب میں روایت ہے۔

عن حبیب بن بشر قال ابوعبداللہ علیہ السلام سمعت ابی یقول لا واللہ ما علی وجہ الارض شئ احب الیّ من التقیة یا حبیب انہ من کانت لہ تقیة رفعہ اللہ یا حبیب من لم تکن لہ تقیة وضعہ اللہ۔

حبیب بن بشر راوی ہیں کہ امام جعفر صادق نے فرمایا کہ میں نے اپنے والد (امام باقر) سے سنا ہے وہ فرماتے تھے "روئے زمین پر کوئی چیز بھی مجھے تقیہ سے زیادہ محبوب نہیں ہے"۔ (آگے امام جعفر صادق فرماتے ہیں) اے حبیب جو شخص تقیہ کرے گا اللہ اس کو رفعت اور بلندی عطا فرمائے گا اور جو تقیہ نہیں کرے گا اس کو اللہ پستی میں گرائے گا۔

اصول کافی ص۴۸۳

اسی باب میں اس سے اگلے صفحہ پر روایت ہے۔

حوالہ سے صرف یہ عرض کرنا ہے کہ مذہب شیعہ کی اس تعلیم کا قدرتی نتیجہ یہ ہوا کہ جب تک پریس کے ذریعہ عربی فارسی کی دینی کتابوں کی طباعت کا سلسلہ شروع نہیں ہوا تھا اور ہاتھ ہی سے کتابیں لکھی جاتی تھیں ہمارے علماء عام طور سے مذہب شیعہ سے ناواقف رہے کیونکہ وہ کتابیں صرف خاص خاص شیعہ علماء ہی کے پاس ہوتی تھیں اور وہ کسی غیر شیعہ کو ان کی ہوا بھی نہیں لگنے دیتے تھے ___ ہماری فقہ اور فتاویٰ کی کتابوں میں **نکاح** یا **رِدّۃ** کے ابواب میں شیعوں کے بارے میں جو لکھا گیا ہے اس کے مطالعہ کے بعد اس میں شک نہیں رہتا کہ ان کے واجب الاحترام مصنفین کی نظر سے شیعہ مذہب کی بنیادی کتابیں بالکل نہیں گزریں اس لیے شیعوں کے بارے میں بس وہی باتیں لکھی ہیں جو مشہور عام تھیں یا تاریخ کی کتابوں میں جن کا کچھ تذکرہ کیا گیا ہے ___ فتاویٰ عالمگیری جو اب سے قریباً تین سو سال پہلے عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کے دور حکومت میں فقہ کے ماہر علماء و اصحابِ فتویٰ کی ایک جماعت نے مرتب کیا تھا اس کے مطالعہ سے بھی یہی اندازہ ہوتا ہے ___ اور علامہ ابن عابدین شامی جن کا زمانہ اب سے قریباً صرف ڈیڑھ سو سال پہلے کا ہے، ان کی کتاب "ردالمحتار" جو فقہ حنفی کی مستند ترین کتابوں میں شمار ہوتی ہے، اس میں بھی شیعوں کے بارے میں جو کچھ لکھا گیا ہے اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ شیعہ مذہب کی کتابیں ان کی نظر سے بھی نہیں گزریں ___ اس سے زیادہ عجیب اور حیرت انگیز بات یہ ہے کہ امام ربانی شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ نے (جن کا زمانہ اب سے قریباً چار سو سال پہلے کا ہے)

(بقیہ صفحہ گذشتہ)

ـ ملاحظہ فرمالیں ـ مذہب شیعہ کی معتبر ترین کتاب "اصول کافی" میں ان کا یہ ارشاد روایت کیا گیا ہے:

انکم علی دین من کتمہ اعزہ	تم ایسے دین پر ہو کہ جو اس کو چھپائے گا اللہ تعالیٰ
اللہ ومن اذاعہ اذلہ اللہ	اس کو عزت عطا فرمائے گا اور جو کوئی اس کو شائع
(اصول کافی ص۴۸۳ طبع لکھنؤ)	اور ظاہر کرے گا اللہ اس کو ذلیل و رسوا کرے گا۔

قال ابو جعفر علیہ السلام التقیۃ من دینی ودین ابائی ولا ایمان لمن لا تقیۃ لہ۔ اصول کافی ص۴۸۴

امام باقر نے فرمایا کہ تقیہ میرا دین ہے اور میرے آباء واجداد کا دین ہے، اور جو شخص تقیہ نہیں کرتا اس میں ایمان ہی نہیں۔

تقیہ کی ایک تاویل اور اس کی حقیقت :

معلوم ہوا ہے کہ شیعہ صاحبان ناواقفوں کے سامنے تقیہ کے بارے میں فرمادیتے ہیں کہ ہمارے ہاں تقیہ کی اجازت صرف اس صورت میں ہے جب کہ جان کا خطرہ ہو یا ایسی ہی کوئی شدید مجبوری ہو ــــ حالانکہ شیعی روایات میں ائمہ معصومین کے ایسے واقعات بکثرت موجود ہیں کہ بغیر کسی مجبوری کے اور بغیر کسی ادنیٰ خطرہ کے انھوں نے تقیہ فرمایا اور کھلی غلط بیانی کی یا اپنے عمل سے لوگوں کو دھوکا اور فریب دیا ــــ اس قسم کا امام جعفر صادق کا ایک واقعہ ابھی اصول کافی ہی کے حوالہ سے بیان کیا جا چکا ہے اور انشاء اللہ چند واقعات اور بھی اس سلسلہ کے نذرِ ناظرین کیے جائیں گے۔ ــــ اس کے علاوہ تقیہ ہی کے باب میں اسی اصول کافی میں یہ صریح روایت موجود ہے جس کے بعد اس تاویل کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔

عن زرارۃ عن ابی جعفر علیہ السلام قال التقیۃ فی کل ضرورۃ وصاحبہا اعلم بہا حین تنزل بہ۔

اصول کافی ص۴۸۴

زرارہ، امام باقر سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ تقیہ ہر ضرورت میں کیا جائے، اور صاحبِ معاملہ ہی اپنی ضرورت کے بارے میں زیادہ جانتا ہے (یعنی ضرورت وہ ہے جس کو صاحبِ معاملہ ضرورت سمجھے۔)

اس روایت سے معلوم ہوگیا کہ یہ بات صحیح نہیں ہے کہ تقیہ کی اجازت صرف اس صورت میں ہے جب جان جانے کا خطرہ ہو یا ایسی ہی کوئی شدید مجبوری ہو، بلکہ معاملہ ہر شخص کی رائے پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ جب بھی کوئی اپنی کسی مصلحت سے تقیہ کی ضرورت سمجھے تقیہ کرسکتا ہے۔

تقیہ صرف جائز نہیں بلکہ واجب اور ضروری ہے :

بلکہ واقعہ یہ ہے کہ شیعہ مذہب میں تقیہ صرف جائز نہیں ہے بلکہ ضروری اور جزو دین وایمان ہے جیسا کہ مندرجہ بالا روایات سے بھی معلوم ہوچکا ہے۔ اور "من لایحضرہ الفقیہ" میں (جو حضرات شیعہ کے اصول اربعہ میں سے ہے) روایت ہے کہ۔

قال الصادق علیہ السلام لوقلت ان تارك التقیة کتارك الصلوٰة لکنت صادقاً وقال علیہ السلام لادین لمن لاتقیة له۔ (من لایحضرہ الفقیہ۔ بحوالہ تکملہ باقیات صالحات ص۲۱۶)	امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ اگر میں کہوں کہ تقیہ ترک کرنے والا ایسا ہی (گنہگار) ہے جیسا کہ نماز کا ترک کرنے والا تو میری یہ بات صحیح اور سچ ہوگی اور آپ نے یہ بھی فرمایا کہ جو تقیہ نہیں کرتا وہ بے دین ہے۔

بالکل بے ضرورت ائمہ کے تقیہ کی مثالیں :

"الجامع الکافی" کے آخری حصہ کتاب الروضہ میں ایک روایت ہے اس کے راوی اور صاحب واقعہ امام جعفر صادق کے ایک مخلص مرید محمد بن مسلم ہیں، وہ بیان

کرتے ہیں کہ

دخلت علی ابی عبد اللہ	میں ایک دن امام جعفر صادق
علیہ السلام وعندہ ابو حنیفۃ	علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اُس
فقلت لہ جعلت فداك	وقت اُن کے پاس ابو حنیفہ بھی بیٹھے
رأیت رؤیا عجیبۃ فقال	تھے، میں نے (امام جعفر صادق سے)
یا ابن مسلم ھاتھا فان	عرض کیا کہ میں آپ پر قربان جاؤں
العالم بھا جالسٌ واومیٰ	میں نے ایک عجیب خواب دیکھا ہے
بیدہ الی ابی حنیفۃ۔	انھوں نے فرمایا ابن مسلم! اپنا خواب
	بیان کرو، خوابوں کی تعبیر کا علم

دکھنے والے ایک عالم اس وقت یہاں موجود ہیں۔ اور اپنے ہاتھ سے ابو حنیفہ کی طرف اشارہ کیا (کہ یہ ہیں)

آگے محمد بن مسلم راوی کا بیان ہے کہ میں نے اپنا خواب بیان کیا۔۔۔ اس کو سن کر ابو حنیفہ نے اس کی تعبیر بتلائی۔ ان کی تعبیر سن کر امام جعفر صادق نے فرمایا۔

اصبت واللہ یا ابا حنیفۃ	خدا کی قسم اے ابو حنیفہ آپنے بالکل
قال ثم خرج ابو حنیفۃ من	صحیح کہا! (راوی ابن مسلم) کہتے ہیں کہ
عندہ فقلت لہ جعلت فداك	اسکے بعد ابو حنیفہ اُن کے پاس سے چلے گئے
انی کرھت تعبیر ھذا الناصب	تو میں نے عرض کیا کہ میں آپ پر قربان جاؤں
فقال یا ابن مسلم لا یسوءك	اس ناصبی[1] کی تعبیر مجھے اچھی نہیں

[1] "ناصبی" شیعہ حضرات کی خاص زبان میں ایک مذہبی گالی ہے، ان کے نزدیک ہر وہ شخص ناصبی ہے جو حضرات شیخین کو خلیفہ برحق مانتا ہو اور شیعہ حضرات، حضرت علی مرتضیٰ کے لیے جس طرح

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

کرتے ہیں کہ

دخلت علی ابی عبد اللہ	میں ایک دن امام جعفر صادق
علیہ السلام وعندہ ابوحنیفۃ	علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اُس
فقلت لہ جعلت فداک	وقت اُن کے پاس ابوحنیفہ بھی بیٹھے
رایت رؤیا عجیبۃ فقال	تھے میں نے (امام جعفر صادق سے)
یا ابن مسلم ھاتھا فان	عرض کیا کہ میں آپ پر قربان جاؤں
العالم بھا جالسٌ واوما	میں نے ایک عجیب خواب دیکھا ہے
بیدہ الی ابی حنیفۃ۔	انھوں نے فرمایا ابن مسلم! اپنا خواب
	بیان کرو، خوابوں کی تعبیر کا علم

رکھنے والے ایک عالم اس وقت یہاں موجود ہیں۔ اور اپنے ہاتھ سے ابوحنیفہ کی طرف اشارہ کیا (کہ یہ ہیں)

آگے محمد بن مسلم راوی کا بیان ہے کہ میں نے اپنا خواب بیان کیا۔۔۔۔ اس کو سن کر ابوحنیفہ نے اس کی تعبیر بتلائی۔ ان کی تعبیر سن کر امام جعفر صادق نے فرمایا۔

اصبت واللہ یا ابا حنیفۃ	خدا کی قسم اے ابوحنیفہ آپ نے بالکل
قال ثم خرج ابوحنیفۃ من	صحیح کہا! (راوی ابن مسلم) کہتے ہیں کہ
عندہ فقلت لہ جعلت فداک	اسکے بعد ابوحنیفہ اُن کے پاس سے چلے گئے
انی کرھت تعبیر ھذا الناصب	تو میں نے عرض کیا کہ میں آپ پر قربان جاؤں
فقال یا ابن مسلم لا یسوءک	اس ناصبی[1] کی تعبیر مجھے اچھی نہیں

[1] "ناصبی" شیعہ حضرات کی خاص زبان میں ایک مذہبی گالی ہے، ان کے نزدیک ہر وہ شخص ناصبی ہے جو حضرات شیخین کو خلیفہ برحق مانتا ہو اور شیعہ حضرات، حضرت علی مرتضٰی کے لیے جس طرح (بقیہ اگلے صفحہ پر)

فما يواطئ تعبيرنا تعبيرهم
ولا تعبيرهم تعبيرنا،
وليس التعبير كما عبره
قال فقلت له جعلت
فداك فقولك اصبت
وتحلف عليه وهو مخطئ
قال نعم حلفتُ عليه
انه اصاب الخطا..... الخ
(کتاب الروضہ ص۱۳۷)

لگی۔ تو امام جعفر صادق نے فرمایا کہ اے ابن مسلم تمھیں اس سے رنجیدہ اور فکر مند نہیں ہونا چاہیے، ہماری تعبیر ان لوگوں کی تعبیر سے مختلف ہوتی ہے۔ اور ابو حنیفہ نے جو تعبیر بیان کی وہ صحیح تعبیر نہیں ہے۔ (ابن مسلم کہتے ہیں کہ) میں نے عرض کیا میں آپ پر قربان جاؤں پھر آپ نے "اَصَبْتَ" کہہ کر اور قسم کھا کے ان کی تعبیر کی تصدیق اور تصویب کیوں کی؟ جبکہ ان کی تعبیر غلط تھی۔ امام نے فرمایا کہ میں نے اس پر قسم کھائی تھی کہ ابو حنیفہ غلطی کو پہنچ گئے۔

آگے یہ روایت بہت طویل ہے، ہم نے صرف وہی حصہ نقل کیا ہے جس کا تقیہ کے

(صفحہ گزشتہ کا بقیہ) کی امامت ثابت کرتے ہیں اس کا قائل نہ ہو اگرچہ ان کو خلیفہ راشد برحق مانتا ہو جیسا کہ عام اہل سنت کا عقیدہ اور حال ہے۔ اسی لیے ابن مسلم نے امام جعفر صادق کے سامنے امام ابو حنیفہ کو "ناصبی" کہا ۔۔۔ علامہ مجلسی نے "حق الیقین" کے "باب صفت اہل جہنم" میں جو کچھ لکھا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک آخرت میں ناصبیوں کا انجام وہی ہوگا جو کافروں کا ہوگا، یعنی وہ بھی دوزخ کے ابدی عذاب میں گرفتار رہیں گے۔

(حق الیقین ص۲۰ طبع ایران)

اور کلینی کی کتاب الروضہ میں امام باقر کی روایت ہے کہ ناصبی کے حق میں کسی کی شفاعت بھی قبول نہ ہوگی۔ (کتاب الروضہ ص۴۹)

بالارادہ اللہ کے بندوں اور اپنے معتقدوں کو غلط مسائل بتلاتے تھے اور یہ اتفاقیہ نہیں بلکہ ان کا عام معمول تھا۔ اصول کافی کتاب العلم میں یہ روایت ہے -

عن زرارة بن اعين عن ابي جعفر قال سألته عن مسئلة فاجابني ثم جاءه رجل فسأله عنها فاجابه بخلاف ما اجابني ثم جاء اٰخر فاجابه بخلاف ما اجابني واجاب صاحبي فلما خرج الرجلان قلت يا ابن رسول الله رجلان من اهل العراق من شيعتكم قدما يسئلا ن فاجبت كلّ واحدٍ منهما بغير ما اجبت به صاحبه فقال يا زرارة انّ هذا خير لنا وابقى لنا ولكم و لو اجتمعتم على امر واحدٍ لصدقكم الناس علينا و لكان اقل لبقائنا وبقائكم ثم قال قلت

زرارہ ابن اعین کی روایت ہے کہ میں نے امام باقر سے ایک مسئلہ دریافت کیا انھوں نے مجھے جواب دیا اور مسئلہ بتلا دیا۔ اس کے بعد اسی نشست میں ایک اور آدمی آیا اور اُس نے بھی امام باقر سے وہی مسئلہ پوچھا، تو انھوں نے اس کو اُس سے مختلف جواب دیا جو مجھ کو دیا تھا۔ پھر ایک اور آدمی آگیا (اور اس نے بھی وہی مسئلہ پوچھا) تو امام صاحب نے اس کو اس سے مختلف جواب دیا جو مجھ کو اور میرے بعد سوال کرنے والے آدمی کو دیا تھا۔ پھر جب یہ دونوں آدمی چلے گئے تو میں نے حضرت امام سے عرض کیا کہ اے رسول خدا کے فرزند عراق کے رہنے والے دو آدمی جو آپ اہل بیت کے شیعوں میں سے تھے وہ آئے اور اُن دونوں نے آپ سے ایک مسئلہ پوچھا آپ نے دونوں کو مختلف جواب دیا

لابی عبد اللہ شیعتکم لو	(یہ کیا ہوا ؟) توجناب امام نے
حملتموھم علی الاسنۃ	فرمایا اے زرارہ اسی میں ہماری
او علی النار لمضوا وھم	تمہاری خیریت اور بقا ہے اور اگر
یخرجون من عندکم	تم سب کا مسلک اور طریقہ ایک ہو گیا
مختلفین قال فاجابنی	تو لوگ تمہیں ہم سے تعلق رکھنے میں
بمثل جواب ابیہ	سچا سمجھیں گے اور اس میں تمہاری
(اصول کافی ص۳۷)	اور ہماری بقا کے لیے خطرہ ہے۔

اس کے بعد زرارہ نے بیان کیا

کہ میں نے امام باقر کے صاحبزادہ امام جعفر صادق سے ایک دفعہ عرض کیا کہ آپکے شیعہ ایسے وفادار اور جاں نثار ہیں کہ اگر ان کو نیزوں کے سامنے یا آگ میں کود جانے کا آپ حکم دیں تو وہ ایسا ہی کر گزریں گے، لیکن وہ آپ حضرات کے پاس سے نکلتے ہیں تو ان میں باہم اختلاف ہوتا ہے ۔۔۔ زرارہ کہتے ہیں کہ امام جعفر صادق نے بھی میری اس بات کا وہی جواب دیا جو اُن کے والد صاحب نے دیا تھا۔

امام باقر اور امام جعفر صادق کے مخلص مرید اور خاص راوی زرارہ ابن اعین کی اس روایت سے صراحت کے ساتھ معلوم ہو گیا کہ یہ ائمہ دینی مسائل کے بیان میں بھی تقیہ کرتے تھے، اور ایک ہی مسئلہ کے مختلف جوابات دیتے تھے جن میں سے اگر کوئی ایک صحیح ہوتا ہوگا تو باقی جوابات یقیناً غلط ہوتے ہوں گے ۔۔۔ اور یہ بھی ہوتا تھا کہ ایک چیز کو جو حلال ہوتی تقیہ کی بنیاد پر اس کو حرام اور اسی طرح ایک حرام چیز کو حلال بتلا دیتے تھے۔ مندرجہ ذیل روایت بھی اس کی ایک مثال ہے۔

عن ابان بن تغلب قال سمعت ابا عبدالله علیہ السلام یقول کان ابی علیہ السلام یفتی فی زمن بنی امیة عما قتله البازی والصقر فھو حلال، وکان یتقیھم وانا لا اتقیھم وھو حرام ماقتل۔ (فروع کافی جلد دوم جزء دوم صـ ۸۳)

ابان بن تغلب راوی ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق سے سنا وہ فرماتے تھے کہ میرے والد (امام باقر) علیہ السلام بنوامیہ کے دورِ حکومت میں تقیہ کے طور پر فتویٰ دیتے تھے کہ باز یا شاہین جس پرندہ کو شکار کریں اور وہ قبل ذبح کے مرجائے تو اس کا کھانا حلال ہے اور میں اہل حکومت کے خوف سے اس مسئلہ میں تقیہ نہیں کرتا میں فتویٰ دیتا ہوں کہ باز یا شاہین کا مارا ہوا جانور حرام ہے۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ شیعہ حضرات کے یہ ائمہ تقیہ کے طور پر حرام کو حلال بھی بتلا دیتے تھے اور یقیناً ان کے ماننے والے عوام ان کے فتویٰ کے مطابق اس حرام کو حلال سمجھ کر کھاتے تھے ـــ استغفر اللہ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

سیدنا حسینؓ پر ذلیل ترین تقیہ کی تہمت:

فروع کافی کی مندرجہ ذیل روایت پڑھ کر غالباً ناظرین کو حیرت ہوگی کہ اہل بیت خاص کر سیدنا حسینؓ سے محبت کا دعوی کرنے والوں نے اس روایت میں اُن کو کس قدر پست کردار دکھلایا ہے۔

عن عامر بن السمط عن ابی عبداللہ علیہ السلام

عامر بن السمط امام جعفر صادق سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے

ان رجلا من المنافقين
مات فخرج الحسين بن
علی صلوات الله عليهما
يمشی معه، فلقيه مولی
له فقال له الحسين
عليه السلام اين تذهب
يا فلان؟ قال فقال له
مولاه افر من جنازة
هذا المنافق ان اصلی عليها
فقال له الحسين عليه
السلام انظر ان تقوم
علی يمينی فما تسمع
اقول فقل مثله. فلما
ان كبر عليه وليه قال
الحسين عليه السلام
الله اكبر اللهم العن
فلانا عبدك الف لعنة
مؤتلفة غير مختلفة
اللهم اخز عبدك فی
عبادك وبلادك واصله
حر نارك واذقه اشدّ

بیان فرمایا کہ منافقین میں سے ایک
شخص کا انتقال ہو گیا تو (ہمارے پردادا)
حسین بن علی صلوات اللہ علیہما باہر
تشریف لائے اور اس کے جنازہ کے
ساتھ چلے تاکہ نماز جنازہ میں شرکت
کریں تو ان کا ایک غلام سامنے آگیا
(جو جنازہ سے کترا کے جا رہا تھا) حضرت
حسینؑ نے اس سے فرمایا کہ اے
فلاں تم کدھر جا رہے ہو؟ اس غلام
نے کہا میں اس منافق کے جنازہ سے
بھاگنا چاہتا ہوں (میں نہیں چاہتا
کہ اس کی نماز میں شرکت کروں)
حضرت حسین نے اُس سے فرمایا دیکھو
ایسا کرو کہ نماز میں میری داہنی جانب
کھڑے ہو جائیو، تو جو تم مجھے کہتا ہوا
سنو وہی تم بھی کہیو! — آگے امام
جعفر صادق نے بیان فرمایا — کہ
جب میت کے ولی نے نماز جنازہ
پڑھانا شروع کی اور اللہ اکبر کہا تو
حضرت حسین نے بھی کہا اللہ اکبر۔
(آگے اُس میت کے حق میں آپ نے)

عذابك فانه كان يتولى اعدائك ويعادى اوليائك . ويبغض اهل بيت نبيك -
(فروع کافی جلد اول ص۹۹-۱۰۰)

یہ دعا کی: اے اللہ اپنے اس فلاں بندہ پر ایک ہزار لعنتیں کر جو مسلسل اور پے در پے ہوں۔ الگ الگ نہ ہوں۔ اے اللہ تو اپنے اس بندہ کو اپنے بندوں میں اور اپنے شہروں میں ذلیل و رسوا کر، اور اس کو اپنی دوزخ کی آگ پہنچا اور اپنے سخت ترین عذاب کا مزہ اس کو چکھا۔ یہ تیرے دشمنوں سے دوستی اور تیرے دوستوں سے دشمنی اور تیرے نبی کے اہل بیت سے بغض رکھتا تھا۔

اپنے خاص مخاطبین اہل سنت کے علاوہ ہم سلیم الفطرت شیعہ حضرات سے بھی درخواست کرتے ہیں وہ بھی غور فرمائیں کہ اس روایت میں سیدنا حسین رضی اللہ عنہ پر کس قدر ذلیل قسم کے تقیہ کی تہمت لگائی گئی ہے اور ان کو کس درجہ پست کردار دکھلایا گیا ہے۔ ان کو کوئی ضرورت نہیں تھی کہ جس کو وہ منافق سمجھتے تھے اس کے جنازہ کے ساتھ جاتے اور سب کو دکھاتے کہ وہ اس شخص کے جنازہ کی نماز پڑھ رہے ہیں اور اس کو مومن اور دعائے مغفرت کا مستحق سمجھ رہے ہیں حالانکہ وہ اس کے لیے شدید ترین بد دعا کر رہے تھے اور لوگوں کو دھوکا دے رہے تھے کہ وہ حسب معمول نمازمیں میت کے لیے مغفرت و رحمت کی اور جنت کی دعا کر رہے ہیں۔۔۔ پھر یہ کہ غلام جو یہ تقیہ کرنا نہیں چاہتا تھا اس کو بھی تقیہ میں شریک کیا اور ہمیشہ کے لیے اس کو بھی اسی دغا و فریب کی تعلیم دے دی۔۔۔

آگے فروع کافی کے اسی صفحہ پر حضرت علی ابن الحسین (امام زین العابدین) اور خود امام جعفر صادق کے بھی اسی طرح کی نماز جنازہ کے واقعات کا ذکر کیا گیا ہے

اپنے بیسیوں مکتوبات میں مذہب شیعہ اور شیعوں کے بارے میں کلام فرمایا ہے' اس کے علاوہ اس موضوع پر ان کا فارسی زبان میں ایک مستقل رسالہ بھی ہے جو انھوں نے علمائے ماوراء النہر کی تائید میں لکھا تھا (یہ رسالہ "ردروافض" کے نام سے اُن کے مجموعۂ مکتوبات کے ساتھ شائع ہوتا رہا ہے) ان سب کے مطالعہ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ شیعہ مذہب کی بنیادی کتابیں حضرت مجدد علیہ الرحمہ کو بھی نہیں ملی تھیں ــــ پھر اس کے قریباً ایک صدی بعد بارہویں صدی ہجری کے وسط میں جب حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا قیام مدینہ منورہ میں تھا تو انھوں نے اپنے استاد شیخ ابوطاہر کردیؒ کی فرمائش پر حضرت مجددؒ کے اس رسالہ "ردروافض" کا عربی ترجمہ کیا اور اس پر اپنی طرف سے جابجا تعلیقات بھی لکھیں[1]، اس کے علاوہ شاہ صاحب نے تشیع کے خلاف مذہب اہل سنت کے اثبات میں دو ضخیم کتابیں بھی تصنیف فرمائیں جو مشہور و معروف اور مطبوع ہیں ـ ازالۃ الخفا اور قرۃ العینین ــــ اور یہ دونوں کتابیں شاہ صاحب کی وسعت علم، دقت نظر اور قوت استدلال کا آئینہ ہیں ــ لیکن ان سب چیزوں کے مطالعہ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ شیعہ مذہب کی بنیادی کتابیں "الجامع الکافی" وغیرہ (جن کے مطالعہ کے بغیر مذہب شیعہ سے پوری واقفیت نہیں ہو سکتی) ان کو بھی نہیں ملی تھیں ــــ ہمارے نزدیک ایسا اسی وجہ سے ہوا کہ ان کتابوں کی طباعت کے دور سے پہلے یہ کتابیں صرف خاص خاص شیعہ علما کے

---

[1] حضرت شاہ ولی اللہؒ کا یہ عربی رسالہ ابھی تک طبع نہیں ہوا تھا۔ مختلف کتب خانوں میں اس کے قلمی نسخے تھے ابھی حال میں مولانا ابوالحسن زید دہلوی نے اپنے اہتمام سے اس کو شائع کرایا ہے، اس کے ساتھ حضرت مجددؒ کا اصل فارسی رسالہ "ردروافض" بھی شامل ہے۔ اس کا نام "المجموعۃ السنیۃ" ہے ــ "شاہ ابوالخیر اکیڈمی"۔ شاہ ابوالخیر مارگ دہلی ۶ سے طلب کیا جا سکتا ہے۔ (کتب خانہ الفرقان سے بھی طلب فرمایا جا سکتا ہے ـ منیجر کتب خانہ الفرقان۔ لکھنؤ)

استغفر اللہ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

ہمیں یقین ہے کہ یہ سب ان محترم اور مقدس بزرگوں پر شیعہ مذہب کے مصنفین کا افتراء ہے۔ ان بزرگوں کا دامن اس طرح کی منافقانہ بدکرداری سے بالکل پاک ہے۔ سبحانک ھذا بھتان عظیم ○ کتمان اور تقیہ کے موضوع پر اس سے بہت زیادہ لکھا جاسکتا ہے لیکن ہم اتنے ہی کو کافی سمجھ کر اسی پر اکتفا کرتے ہیں۔

نبوّت ختم نہیں، ترقی کے ساتھ جاری

شیعہ حضرات کے عقیدۂ امامت کا یہ بھی لازمی اور بدیہی نتیجہ ہے کہ اس کو تسلیم کر لینے کے بعد ختم نبوّت کا عقیدہ ختم اور بے معنیٰ ہو جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ نبوّت و رسالت اور ختم نبوّت و ختم رسالت صرف الفاظ نہیں ہیں بلکہ ان کی ایک متعین اور معلوم حقیقت ہے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے "خاتم النبیین" ہونے کا مطلب یہ ہے کہ نبوّت و رسالت جس حقیقت کا عنوان ہے وہ آپؐ پر ختم کر دی گئی ـــــ ہر نبی و رسول اللہ تعالیٰ کی طرف سے نامزد اور بندوں کے لیے اللہ کی حجت ہوتا تھا۔ اس کی معرفت اور اسکو ماننا نجات کی شرط ہوتا تھا۔ اس کو وحی کے ذریعہ اللہ کے احکام ملتے تھے، وہ معصوم ہوتا تھا، اس کی اطاعت فرض ہوتی تھی، وہی اور اس کی تعلیم امت کے لیے ہدایت کا سرچشمہ اور مرجع و ماخذ ہوتا تھا ـــــ یہی نبوت کی حقیقت اور اس کا مقام تھا۔ اور ختم نبوّت کا مطلب یہی تھا اور یہی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ مقام کسی کو حاصل نہ ہوگا، اب قیامت تک کے لیے آپ ہی بندوں کے واسطے اللہ کی حجت اور اس کی طرف سے اس مقصد کے لیے نامزد ہیں، آپ کو ماننا شرط نجات اور آپ کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے۔ وحی کے ذریعہ اللہ کی ہدایت اور احکام آنے کا سلسلہ آپؐ پر ختم ہو گیا۔ اب قیامت تک کے لیے آپؐ کے ذریعہ آئی ہوئی اللہ کی کتاب قرآن مجید اور آپ کے ارشادات اور اعمال جن کا عنوان "سنّت" ہے وہی اور صرف وہی ہدایت کا چشمہ اور مرجع و ماخذ ہیں۔ آپؐ کے بعد کوئی شخصیت ایسی نہ ہوگی جو نبیوں رسولوں کی طرح بندوں کے لیے اللہ کی حجّت اور معصوم مفترض الطاعۃ ہو ـــــ یہی تھا اور یہی ہے ختم نبوت کا مطلب اور اس کی حقیقت۔

لیکن اثنا عشریہ کے عقیدۂ امامت کے مطابق (جس کی تفصیلات ناظرین کرام کو معلوم ہو چکی ہیں) جب یہ تسلیم کرلیا جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت علی مرتضیٰ سے لے کر بارہویں امام تک (جو اَب سے قریباً ساڑھے گیارہ سو سال پہلے پیدا ہوکر کسی غار میں روپوش ہو گئے ہیں اور وہ قیامت تک زندہ رہیں گے اور قیامت سے پہلے کسی مناسب وقت پر ظاہر ہوں گے) بارہ شخصیتیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبیوں رسولوں ہی کی طرح نامزد ہیں اور بندوں کے لیے اللہ کی حجت ہیں، معصوم اور مفترض الطاعہ ہیں، اور ان کی معرفت اور ان کا ماننا شرط نجات ہے۔ ان کو وحی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت اور احکام ملتے ہیں، اور ان کو وہ سارے فضائل و کمالات حاصل ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انبیاء علیہم السلام کو عطا ہوئے تھے وہ مرتبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تو برابر ہیں، لیکن آپ کے علاوہ تمام انبیاء علیہم السلام سے حتیٰ کہ انبیاء اولوالعزم سے بھی برتر اور بالاتر ہیں ــــ مزید برآں وہ خداوندی صفات و اختیارات کے بھی حامل ہیں، وہ عالم ماکان وما یکون ہیں، کوئی چیز اُن سے مخفی نہیں، ان کو اختیار ہے جس چیز یا عمل کو چاہیں حلال یا حرام قرار دیں، کائنات کے ذرہ ذرہ پر ان کو کن فیکونی اقتدار حاصل ہے، دنیا اور آخرت ان کی ملکیت ہے جس کو چاہیں دیدیں اور بخش دیں، اُن کی موت اُنکے اختیار میں ہوتی ہے ــــ ظاہر ہے کہ ائمہ کے بارے میں یہ سب کچھ ماننے کے بعد نہ صرف یہ کہ ختم نبوت کا عقیدہ ختم اور بے معنی ہو جاتا ہے بلکہ عقیدہ یہ بنتا ہے کہ گھٹیا درجہ کی نبوت کا سلسلہ ختم ہو کر امامت کے عنوان سے ترقی یافتہ اور بڑھیا اعلیٰ درجہ کی نبوت کا سلسلہ قیامت تک کے لیے جاری ہو گیا ہے۔ اس سلسلہ کے خاتم امام مہدی غائب ہیں جن سے اُن کمالات کا ظہور ہوگا جن کا ظہور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی نہیں ہوا تھا، وہ حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عائشہ

وغیرہ کو قبروں سے نکلوا کے زندہ کریں گے اور سزا دیں گے، ہزاروں باران کو مار مار کے جلائیں گے اور سولی پر چڑھائیں گے ــــ مذہبِ شیعہ کے ترجمان اعظم علامہ باقر مجلسی کا یہ ارشاد ناظرین کرام ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ "امامت بالا تر از مرتبہ پیغمبری است" (یعنی امامت کا درجہ پیغمبری سے بالاتر ہے) اس لیے عقیدۂ امامت کو تسلیم کرنے کا لازمی نتیجہ دو اور دو چار کی طرح یہ نکلتا ہے کہ نبوت ختم نہیں ہوئی بلکہ ترقی کے ساتھ امامت کے عنوان سے جاری ہے۔ کاش شیعہ حضرات میں جو اصحاب فہم اور سلیم الفطرت ہیں وہ بھی اس مسئلہ پر سنجیدگی سے غور فرمائیں۔

عقیدۂ رجعت

رجعت کا عقیدہ بھی شیعہ حضرات کے مخصوص عقائد میں سے ہے اور یہ بھی عقیدۂ امامت ہی کا شاخسانہ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ امام مہدی غائب جب ظاہر اور غار سے برآمد ہوں گے تو اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور امیر المومنین اور سیدہ فاطمہ زہرا، اور حضرت حسن و حسین اور تمام ائمہ اور ان کے علاوہ تمام خواص مومنین زندہ ہو کر اپنی قبروں سے باہر آئیں گے اور یہ سب امام مہدی کی بیعت کریں گے اور ان میں سب سے پہلے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور امیر المومنین علی مرتضیٰ بیعت کریں گے۔ اور ابو بکر و عمر اور عائشہ اور ان سے موالات اور محبت کا خصوصی تعلق رکھنے والے خواص کفار و منافقین بھی زندہ ہوں گے اور امام مہدی ان کو وہ سزا دیں گے جس کا ذکر علامہ مجلسی کی "حق الیقین" کے حوالہ سے چند صفحات پہلے کیا جا چکا ہے ــــ اسی "حق الیقین"

میں اس عقیدۂ رجعت کا مستقل باب ہے جس میں اس عقیدہ کا بیان بڑی تفصیل سے کیا گیا ہے۔ (ص ۱۴۰ تا ۱۴۵) ہم نے سطور بالا میں جو کچھ عرض کیا ہے وہ اسی سے ماخوذ ہے۔

شیعی عقائد و اعمال کے بیان میں "تحفۃ العوام" اردو زبان میں ایک قدیم ترین کتاب ہے اس میں اس عقیدۂ رجعت کا بیان ان مختصر الفاظ میں کیا گیا ہے۔

اور ایمان لانا رجعت پر بھی واجب ہے یعنی جب امام مہدی ظہور و خروج فرمائیں گے اس وقت مومن خاص اور کافر اور منافق مخصوص زندہ ہوں گے اور ہر ایک اپنی داد اور انصاف کو پہنچے گا اور ظالم سزا و تعزیر پاوے گا۔ (تحفۃ العوام ص)

جمہور امت مسلمہ کا عقیدہ ہے اور یہی قرآن مجید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات نے بتلایا ہے کہ مرنے کے بعد تمام بنی آدم، مومن و کافر اور صالح و فاسق و فاجر قیامت ہی میں زندہ کیے جائیں گے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے جزا و سزا اور ثواب و عذاب کا فیصلہ ہوگا۔ لیکن شیعہ حضرات کے نزدیک قیامت سے پہلے امام مہدی کے ظہور پر بھی ایک قیامت قائم ہوگی اور اس میں سزا اور عذاب دینے والے خود امام مہدی ہوں گے۔ اس طرح وہ خداوندی صفت "عزیز ذوانتقام" کے بھی حامل ہوں گے۔

قرآن مجید میں تحریف اور کمی بیشی

یہ عقیدہ بھی اسی عقیدۂ امامت کے لازمی نتائج میں سے ہے، جو مذہب شیعہ کی اساس و بنیاد ہے ـــــ جیسا کہ پہلے بھی عرض کیا جاچکا ہے راقم سطور اس سے ناواقف نہیں ہے کہ ہمارے زمانہ کے عام شیعہ علماء اس سے انکار فرماتے ہیں کہ وہ قرآن پاک میں تحریف اور کمی بیشی کے قائل ہیں ـــــ اس وقت ہم کو اس سے بالکل بحث نہیں کہ یہ انکار واقعہ کے لحاظ سے صحیح ہے یا غلط، اور ان کے ائمہ معصومین کی اُن بے شمار روایات کی موجودگی میں جو مذہب شیعہ کی مستند ترین کتابوں میں روایت کی گئی ہیں اور جو قطعیت کے ساتھ یہ ثابت کرتی ہیں کہ قرآن پاک میں تحریف اور کمی بیشی ہوئی ہے، کسی شیعہ عالم کے لیے اس انکار کی گنجائش بھی ہے یا نہیں ـــــ بہرحال اس وقت ہم اس سے بالکل صرف نظر کرتے ہوئے اپنے زمانے کے ان علماء شیعہ کے بارہ میں کچھ عرض کرنا نہیں چاہتے ـــــ لیکن کوئی بھی شیعہ عالم کسی واقف کے سامنے اس سے انکار کی جرات نہیں کرسکتا کہ ماضی میں (خاص طور سے ان کے خاتم المحدثین اور مذہب شیعہ کے ترجمان اعظم علامہ باقر مجلسی کے زمانہ یعنی دسویں اور گیارہویں صدی ہجری بلکہ اس کے بعد تک بھی) شیعہ علماء و مصنفین جو اپنے علم اور مذہب شیعہ کی معرفت میں بعد کے علماء سے یقیناً فائق تھے وہ پورے ادعا کے ساتھ یہی کہتے اور لکھتے رہے کہ موجودہ قرآن میں تحریف، تغیر و تبدل اور کمی بیشی ہوئی ہے، اور وہ اپنی تصانیف میں اس کا بھی اظہار کرتے رہے ہے کہ ہمارے ائمہ معصومین کی روایات یہی بتلاتی ہیں اور ہمارے علمائے متقدمین کا

یہی عقیدہ رہا ہے اور جن شیعہ علماء نے اس کے خلاف رائے ظاہر کی ہے ان کی تعداد بس اتنی ہے کہ آسانی سے ان کو انگلیوں پر گنا جا سکتا ہے (عنقریب ہم خود علماء شیعہ کی شہادتیں اس سلسلہ میں نذر ناظرین کریں گے۔)

الغرض اس وقت اس عنوان کے تحت ان صفحات میں ہم جو کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں اس کا تعلق انہی شیعہ علماء و مصنفین سے سمجھنا چاہیے جنھوں نے اپنی تصانیف میں اعتراف بلکہ ڈنکے کی چوٹ پر دعویٰ کیا ہے اور اپنے نقطۂ نظر کے مطابق اس کے دلائل بھی پیش کیے ہیں کہ قرآن میں تحریف ہوئی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جو لوگ برسر اقتدار آئے یعنی خلفائے ثلاثہ انھوں نے اپنی سیاسی اور حکومتی مصلحتوں اور نفسانی خواہشوں کے مطابق اس میں کمی بیشی اور ہر طرح کا تغیر و تبدل کیا ہے ـــــ تو اسی عقیدہ کے بارے میں ہم نے عرض کیا ہے کہ یہ بھی عقیدۂ امامت ہی کے لازمی نتائج میں سے ہے۔ سطور ذیل میں ہم اسی کی کچھ وضاحت کرنا چاہتے ہیں۔

تحریف کا عقیدہ، مسئلۂ امامت کا لازمی نتیجہ کیوں؟

مسئلہ امامت کے بارہ میں قریباً چالیس عنوانات کے تحت گزشتہ صفحات میں جو کچھ لکھا گیا ہے اس سے ناظرین کرام کو شیعہ مذہب میں اس عقیدہ کی غیر معمولی اہمیت کا علم ہو چکا ہے اور یہ معلوم ہو چکا ہے کہ عقیدۂ توحید و رسالت اور عقیدۂ قیامت و آخرت کی طرح یہ بھی دین کا بنیادی عقیدہ اور جزو ایمان و شرط نجات ہے، بلکہ اس کا درجہ قیامت و آخرت کے عقیدہ سے مقدم ہے ـــــ اس سلسلہ میں جو کچھ پہلے لکھا جا چکا ہے اگرچہ وہ بھی کافی ہے، لیکن یہاں ہم کو جو کچھ عرض کرنا ہے، اسکے لیے ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ اس موضوع (شیعہ مذہب میں عقیدۂ امامت کی اہمیت

(عظمت) سے متعلق ائمہ معصومین کے چند اور ارشادات بھی نذرِ ناظرین کیے جائیں ۔ ملاحظہ فرمایا جائے ۔

شیعہ مذہب میں عقیدۂ امامت کا درجہ اور اس کی عظمت و اہمیت

اصول کافی "کتاب الکفر والایمان" میں ایک باب ہے "باب دعائم الاسلام" اس میں پہلی روایت ہے ۔

عن ابی جعفر علیہ السلام قال بنی الاسلام علی خمس الصلوٰۃ، والزکوٰۃ، والصوم، والحج والولایۃ، ولم یناد بشئ مانودی بالولایۃ ۔ اصول کافی ص ۳۶۸	امام باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا پانچ رکنوں پر اسلام کی بنیاد قائم ہے نماز ۔ زکوٰۃ روزہ ۔ حج ۔ اور امامت (یعنی عقیدۂ امامت کو ماننا) اور ان ارکان میں سے کسی رکن کے بارے میں بھی اتنے اہتمام سے اعلان نہیں کیا گیا جتنے اہتمام سے امامت کے بارے میں کیا گیا ۔

پھر اسی باب میں امام باقر ہی سے جناب زرارہ کی روایت ہے جس کا مضمون بلکہ الفاظ بھی قریب قریب یہی ہیں ۔ البتہ اس کے آخر میں یہ اضافہ ہے ۔

قال زرارۃ فقلت وای شئ من ذالک افضل ؟ فقال الولایۃ افضل ۔ ص ۳۶۸	زرارہ نے بیان کیا کہ میں نے (امام باقر کا یہ ارشاد سنکر اُن سے) عرض کیا کہ ان پانچوں ارکان میں کون افضل ہے ؟ تو آپ نے فرمایا کہ عقیدۂ امامت کا ماننا افضل ہے ۔

اور اسی باب میں امام باقر کے صاحبزادے امام جعفر صادق کی روایت ہے کہ۔

عن الصادق علیه السلام	امام جعفر صادق نے فرمایا کہ اسلام
قال قال اثافی الاسلام	کے تین پائے ہیں (جن پر اسلام قائم
ثلثة، الصلوٰة والزکوٰة	ہے)۔ ایک نماز، دوسرا زکوٰۃ اور
والولایة، لاتصح واحدة	تیسرا عقیدہ امامت، اور ان میں
منهن الابصاحبتها۔	سے کوئی بھی صحیح نہیں ہوتا اپنے
ص۳۶۵	ساتھی کے بغیر۔

اس باب میں انہی دونوں حضرات (امام باقر و امام جعفر صادق) سے اسی مضمون کی اور بھی متعدد روایتیں ہیں، ہم نے صرف انہی تین روایتوں کا نقل کر دینا کافی سمجھا ہے ۔ ان میں صراحت کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے کہ مسئلہ امامت کو ماننا نماز اور زکوٰۃ ہی کی طرح دین اسلام کا رکن ہے اور ان سب ارکان میں اعلیٰ و افضل ہے۔ اور اس کو مانے اور اس پر ایمان لائے بغیر نماز اور زکوٰۃ بھی ادا نہیں ہوتی (جس طرح توحید و رسالت پر ایمان لائے بغیر کسی کی نماز و زکوٰۃ ادا اور قابل قبول نہیں ہو سکتی)

اس کے بعد اسی موضوع (مذہب شیعہ میں مسئلہ امامت کی اہمیت و عظمت) سے متعلق اسی اصول کافی "کتاب الحجہ" کے آخری باب "باب فیه نتف وجوامع من الروایة فی الولایة" کی دو روایتیں ناظرین کرام اور ملاحظہ فرمالیں۔

اللہ کے ہر پیغمبر نے عقیدۂ امامت کی تعلیم دی اور ہر آسمانی کتاب میں اس کا حکم دیا گیا

عن ابی عبد الله علیه السلام	امام جعفر صادق سے روایت ہے
قال ولایتنا ولایة الله	آپ نے فرمایا کہ ہماری ولایت

التی لم یبعث نبی قط الا بھا۔	(امامت وحاکمیت) بعینہ اللہ کی ولایت وحاکمیت ہے اور ہر نبی اس کا حکم لے کر مبعوث ہوا ہے۔
اصول کافی ص۲۷۶	

پھر اسی صفحہ پر امام جعفر صادق کے صاحبزادے شیعہ حضرات کے ساتویں امام موسیٰ کاظم کا یہ ارشاد سند کے ساتھ روایت کیا گیا ہے۔

عن ابی الحسن علیہ السلام قال ولایۃ علی مکتوبۃ فی جمیع صحف الانبیاء ولن یبعث اللہ رسولا الا بنبوۃ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ ووصیۃ علی علیہ السلام۔	ابوالحسن (یعنی موسیٰ کاظم) سے روایت ہے آپ نے فرمایا (امیر المومنین) علی کی ولایت وامامت تمام انبیاً علیہم السلام کے صحیفوں میں لکھی ہوئی ہے، اور اللہ نے جو بھی رسول دنیا میں بھیجا وہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ کی نبوت اور علی علیہ السلام کی وصیت (یعنی امامت) کی تعلیم کے
اصول کافی ص۲۷۶	

ساتھ بھیجا (مطلب یہ کہ خدا کے ہر نبی نے اپنی امت کو یہ دونوں باتیں بھی بتلائیں اور ان پر ایمان لانے کی دعوت دی۔)

یہ تو ناظرین کرام کو پہلے معلوم ہو چکا تھا کہ امامت کا عقیدہ مذہبِ شیعہ میں توحید و رسالت کے عقیدہ ہی کی طرح دین اسلام کی بنیاد اور اس پر ایمان لانا شرطِ نجات ہے ــــ یہاں جو روایات ناظرین کرام نے ملاحظہ فرمائیں ان سے مزید یہ معلوم ہو گیا کہ عقیدۂ امامت نماز، زکوٰۃ اور حج و روزہ کی طرح اسلام کا رکن اور ان سب میں اہم و افضل ہے۔ نیز یہ کہ اللہ نے جتنے بھی نبی دنیا میں بھیجے سب نے اپنی امتوں کو حضرت علی اور ان کی اولاد میں ہونے والے گیارہ اماموں کی امامت پر ایمان لانے

پاس ہی ہوتی تھیں اور وہ اپنے ائمہ معصومین کے تاکیدی حکم کتمان کی تعمیل میں دوسروں کو نہیں دکھلاتے تھے بلکہ ان کی ہوا بھی نہیں لگنے دیتے تھے ـــــ اس دور میں علمائے اہل سنت میں سے بعض خاص ہی حضرات اپنی غیر معمولی کوششوں سے ان کتابوں کو کسی طرح پا سکے، ان میں شاہ ولی اللہؒ کے صاحبزادے "تحفۂ اثنا عشریہ" کے مصنف شاہ عبدالعزیزؒ بھی ہیں ـــــ بعد میں جب دینی مذہبی کتابیں پریس کے ذریعہ چھپنے لگیں اور مذہب شیعہ کی یہ کتابیں بھی چھپ گئیں تب بھی ہمارے علمائے کرام نے انکے مطالعہ کی طرف توجہ نہیں کی سوائے اُن چند حضرات کے جن کو اپنے مخصوص مقامی حالات یا کسی خاص وجہ سے ان کے مطالعہ کی ضرورت کا احساس ہوا، انھوں نے مطالعہ کیا اور پھر اپنی تصنیفات کے ذریعہ دوسروں کو بھی واقف کرانے کی کوشش کی، لیکن یہ افسوس ناک واقعہ ہے کہ ہمارے علمی حلقوں میں ان تصنیفات سے بھی بہت کم فائدہ اٹھایا گیا اسی لیے ایسا ہے کہ ہمارے اس دور کے علمائے اہل سنت میں بھی شاذونادر ہی ایسے حضرات ہیں جن کو شیعہ مذہب کے بارے میں ایسی واقفیت ہو جس کو واقفیت کہا جا سکے ـــــ اور جب علماء کا یہ حال رہا تو ہمارے عوام اور آج کی صحافی اصطلاح میں "دانشور" کہلانے والے حضرات کا کیا ذکر اور کسی سے کیا شکایت!

اس عام ناواقفیت کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب روح اللہ خمینی صاحب کی قیادت میں ایران میں یہ انقلاب برپا ہوا اور انھوں نے اس کو "اسلامی انقلاب" کا نام دے کر اور پورے عالم اسلام بلکہ پوری دنیا میں یہی انقلاب برپا کرنے کا نعرہ لگا کر اپنا ساتھ دینے کے لیے ساری دنیا کے مسلمانوں کو پکارا اور اس کے لیے پروپیگنڈے کے وہ سب وسائل و ذرائع استعمال کیے جن کا اوپر ذکر کیا گیا، تو یہ بات معلوم اور آشکارا ہونے کے باوجود کہ امام خمینی نہ صرف یہ کہ شیعہ ہیں بلکہ شیعوں کے اُس درجہ کے مذہبی پیشواؤں میں ہیں جن کو "آیۃ اللہ" کہا جاتا ہے۔ ہندو پاکستان اور بعض دوسرے ملکوں کے بھی ایک خاص ذہن رکھنے والے

کی دعوت دی تھی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیغمبروں پر جو بھی کتابیں اور صحیفے نازل ہوئے سب میں حضرت علی کی امامت کا بیان و اعلان فرمایا گیا تھا۔

ایک اہم سوال، قرآن میں عقیدۂ امامت کا ذکر کیوں نہیں؟

ائمہ معصومین کے ارشادات سے عقیدۂ امامت کی یہ غیر معمولی اہمیت و عظمت معلوم ہونے کے بعد قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر قرآن مجید میں امامت کا عقیدہ کیوں بیان نہیں فرمایا گیا؟ ــــ عقیدۂ توحید و رسالت اور اسی طرح قیامت و آخرت کا بیان قرآن پاک میں سیکڑوں جگہ مختلف عنوانات سے فرمایا گیا ہے ــــ لیکن حضرت علی کی امامت کا بیان ایک جگہ بھی نہیں فرمایا گیا۔ آخر ایسا کیوں ہے؟ جب کہ ساتویں امام معصوم موسیٰ کاظم کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہلے جو کتابیں اور جو صحیفے پیغمبروں پر نازل ہوئے ان سب میں حضرت علی کی ولایت و امامت کا عقیدہ بیان کیا گیا تھا۔ پھر اللہ کی آخری کتاب قرآن مجید میں جو اسی امت کی ہدایت کے لیے نازل ہوئی جس کے حضرت علی امام بنائے گئے تھے اُن کی امامت کا بیان کیوں نہیں فرمایا گیا اور قرآن میں کوئی ایک آیت بھی اس بارے میں کیوں نازل نہیں فرمائی گئی؟

تحریف کا دعویٰ اسی سوال کا جواب:

اس سوال کا جو جواب خود ائمہ معصومین کی ایک دو نہیں سیکڑوں روایتوں سے ملتا ہے وہ یہ ہے کہ قرآن میں علی علیہ السلام کی امامت کا صدہا جگہ صاف صاف بیان فرمایا گیا تھا۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جن لوگوں نے غاصبانہ طور پر خلافت اور حکومت پر قبضہ کر لیا، انھوں نے قرآن میں سے وہ آیتیں یا وہ

کلمات نکال دیئے جن میں حضرت علی اور ان کے بعد کے ائمہ معصومین کی امامت کا بیان فرمایا گیا تھا اور ان کے نام تک ذکر فرمائے گئے تھے۔

اسی کتاب میں جہاں امامت کے مسئلہ پر تفصیل سے لکھا گیا ہے وہاں مختلف عنوانات کے تحت خاص کر زیر عنوان "قرآن مجید میں امامتِ ائمہ کا بیان" ایسی متعدد روایات ناظرین کرام ملاحظہ فرما چکے ہیں جن میں قرآن پاک میں اس طرح کی تحریف کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس سلسلہ کی چند اور روایتیں بھی یہاں ملاحظہ فرمائی جائیں۔

تحریف کے بارے میں ائمہ کے ارشادات:

سورۂ احزاب کے آخری رکوع میں آیت ہے "ومن یطع اللہ ورسولہ فقد فاز فوزا عظیما (اور جو کوئی فرمانبرداری کرے اللہ کی اور اس کے رسول کی تو وہ بڑی کامیابی حاصل کرے گا) اس آیت کے بارے میں اصول کافی میں ابو بصیر کی روایت ہے کہ امام جعفر صادق نے فرمایا کہ

> یہ آیت اس طرح نازل ہوئی تھی "ومن یطع اللہ ورسولہ فی ولایۃ علی والائمۃ من بعدہ فقد فاز فوزا عظیما (جس کا مطلب یہ تھا کہ جو کوئی علی اور ان کے بعد کے ائمہ کے بارے میں اللہ اور اس کے رسول کی بات مانے اور فرمانبرداری کرے گا وہ بڑی کامیابی حاصل کرے گا) مطلب یہ ہوا کہ اس آیت میں حضرت علی اور ان کے بعد کے تمام ائمہ کی امامت کا صراحت کے ساتھ بیان فرمایا گیا تھا لیکن اس میں سے "فی ولایۃ علی والائمۃ من بعدہ" کے الفاظ نکال دیئے گئے جو موجودہ قرآن میں نہیں ہیں،
>
> (اصول کافی ص ۲۶۲)

اصول کافی کے اس سے اگلے ہی صفحہ پر امام باقر سے روایت ہے۔

عن ابی جعفر علیہ السلام قال نزل جبرئیل بھذہ الآیۃ علی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ "بئسما اشتروا بہ انفسھم ان یکفروا بما انزل اللہ فی علی بغیاً۔ الآیۃ (ص۲۶۳)

مطلب یہ ہے کہ سورہ بقرہ کی اس آیت ۹۰ میں "فی علیٍ" کا لفظ تھا جو نکال دیا گیا اور موجودہ قرآن میں نہیں ہے۔

پھر اس کے اگلے صفحہ پر امام جعفر صادق سے روایت ہے آپ نے فرمایا۔

نزل جبرئیل علی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ بھذہ الآیۃ ھکذا "یا ایھا الذین اوتوا الکتاب آمنوا بما نزلنا فی علیٍ نورا مبیناہ	جبرئیل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ پر یہ آیت اس طرح لے کر نازل ہوئے تھے۔ "یا ایھا الذین اوتوا الکتاب آمنوا بما نزلنا فی علی نورا مبیناہ

(اصول کافی ص۲۶۴)

اس میں اہل کتاب سے مطالبہ کیا گیا تھا کہ ہم نے علی کے بارے میں جو حکم نازل کیا ہے جو نور مبین ہے اس پر ایمان لاؤ اور اس کو قبول کرو۔ یہ آیت موجودہ قرآن میں کہیں نہیں ہے، مطلب یہ ہوا کہ یہ آیت ہی نکال دی گئی ہے۔

پھر اصول کافی کے اسی باب میں امام جعفر صادق سے ابو بصیر کی روایت ہے۔

عن ابی عبد اللہ علیہ السلام فی قولہ تعالیٰ "سأل سائل بعذاب واقع للکفرین بولایۃ علی	سورہ معارج کی پہلی آیت "سأل سائل، الآیۃ کے بارے میں آپ نے فرمایا کہ خدا کی قسم جبرئیل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ پر یہ آیت اس طرح

ليس له دافع" ثم قال هٰكذا والله نزل بها جبريل على محمد صلى الله عليه وآله ۔	لے کر نازل ہوئے تھے "سائل سائل بعذاب واقع للكٰفرين بولاية علي ليس له دافع ۔

(اصول کافی ص۲۶۶)

مطلب یہ ہوا کہ آیت میں سے " بولایۃ علی " کے الفاظ نکال دیے گئے۔
پھر اصول کافی کے اسی باب میں اس کے اگلے صفحہ پر امام باقر کی روایت ہے۔

قال نزل جبريل بهٰذه الأية هٰكذا ... يايها الناس قد جاءكم الرسول بالحق من ربكم في ولاية علي فآمنوا خيرا لكم وان تكفروا بولاية علي فان لله ما في السمٰوت وما في الارض ۔ (اصول کافی ص۲۶۷)	آپ نے فرمایا کہ جبرئیل (سورۂ نساء کی آیت ۱۷۰) اس طرح لے کر نازل ہوئے تھے .... اے لوگو تمہارے پاس اللہ کے رسول تمہارے پروردگار کی طرف سے علی کی ولایت وامامت کے بارے میں حق بات لے کر آگئے ہیں، پس تم اس پر ایمان لے آؤ اور قبول کرلو، اسی میں تمہارے لیے بھلائی ہے اور اگر تم علی کی ولایت

وامامت کا انکار کروگے (تو تمہاری خیریت نہیں ہے) آسمانوں میں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اللہ ہی کا ہے (اسے تمہاری کوئی پروا نہیں)
مطلب یہ ہوا کہ اس آیت میں صراحت کے ساتھ حضرت علی کی ولایت وامامت کا ذکر تھا اور اس پر ایمان لانے اور قبول کرنے کا مطالبہ کیا گیا تھا اور انکار کرنے اور نہ ماننے پر وعید سنائی گئی تھی۔ لیکن ۔۔ یہ مضمون اس آیت سے نکال دیا گیا اور

موجودہ قرآن میں "فی ولایۃ علی" اور "بولایۃ علی" کے الفاظ نہیں ہیں۔

آگے اسی صفحہ پر امام باقر ہی سے روایت ہے۔

عن ابی جعفر علیہ السلام قال ھکذا انزلت ھذہ الآیۃ "ولوا نھم فعلوا ما یوعظون بہ فی علی لکان خیرالھم"۔ (اصول کافی ص۲۶۷)	آپ نے فرمایا کہ سورۂ نساء کی آیت (۶۶) اس طرح نازل ہوئی تھی (اس میں فرمایا گیا تھا) کہ اگر یہ لوگ اُس کے مطابق عمل کریں جو اُن کو نصیحت کی گئی ہے علی کے بارے میں تو ان کے حق میں بہتر ہوگا۔

مطلب یہ ہے کہ اس آیت کا خاص تعلق حضرت علی سے تھا لیکن اس میں سے "فی علی" نکال دیا گیا، جو موجودہ قرآن میں نہیں ہے۔

ناظرین اس سلسلہ میں اصول کافی کے اسی باب کی ایک روایت اور ملاحظہ فرمالیں، اس میں قرآن پاک کی دو مختلف مقامات کی آیتوں میں اسی طرح کی تحریف کا ذکر کیا گیا ہے۔

عن ابی جعفر علیہ السلام قال نزل جبریل بھذہ الآیۃ ھکذا "فابی اکثر الناس بولایۃ علی الا کفورا"	امام باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ (سورۂ بنی اسرائیل کی آیت ۸۹) "فابی اکثر الناس الا کفورا" جبرئیل اس طرح لے کر نازل ہوئے تھے کہ اس میں "الا کفورا" سے پہلے "بولایۃ علی" بھی تھا (جو نکال دیا گیا ہے)
قال ونزل جبریل بھذہ الآیۃ ھکذا وقل الحق	اور امام باقر نے فرمایا کہ (سورۂ کہف کی آیت ۲۹) جبرئیل اس طرح لے کر

من ربکم فی ولایة علیؑ فمن شاء فلیومن ومن شاء فلیکفر انا اعتدنا للظلمین آل محمد نارا ۔ | نازل ہوئے تھے "وقل الحق من ربکم فی ولایة علیؑ فمن شاء فلیومن ومن شاء فلیکفر انا اعتدنا للظلمین آل محمد نارا اھ

مطلب یہ ہوا کہ اس آیت میں سے "فی ولایة علی" اور "آل محمد" کے کلمات نکال دیے گئے جو موجودہ قرآن میں نہیں ہیں۔

یہ سب روایتیں اصول کافی کے ایک ہی باب "باب فیہ نکت ونتف من التنزیل فی الولایة" کی تھیں، اب شیعہ حضرات کی اسی اصح الکتب "اصول کافی" کے "باب فضل القرآن" کی ایک روایت اور ملاحظہ فرمائی جائے۔ یہ اس باب کی آخری روایت ہے۔

قرآن کا قریباً دو تہائی حصہ غائب کر دیا گیا:

عن ہشام بن سالم عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال ان القران الذی جاء بہ جبریل علیہ السلام الی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ سبعة عشر الف اية | ہشام بن سالم سے روایت ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ قرآن جو جبرئیل علیہ السلام محمد صلی اللہ علیہ وآلہ پر لیکر نازل ہوئے تھے اس میں سترہ ہزار (۱۷۰۰۰) آیتیں تھیں۔

(اصول کافی ص ۶۷۱)

موجودہ قرآن میں خود شیعہ مصنفین کے لکھنے کے مطابق بھی کل آیات چھ ہزار سے کچھ اوپر ہیں پوری ساڑھے چھ ہزار بھی نہیں ہیں۔ "اصول کافی" کے شارح علامہ قزوینی نے اسی روایت کی شرح کرتے ہوئے موجودہ قرآن کی آیات کی تعداد کے بارے میں دو قول ذکر کیے ہیں، ایک یہ کہ ان کی تعداد چھ ہزار تین سو چھپن (۶۳۵۶) اور دوسرا قول یہ کہ ان کی تعداد چھ ہزار دو سو چھتیس ہے (۶۲۳۶) اور "باب فضل القرآن" کی اس روایت میں امام جعفر صادق کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ جو قرآن حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ پر لے کر جبرئیل نازل ہوئے تھے اس کی آیتوں کی تعداد سترہ ہزار (۱۷۰۰۰) تھی، تو اس روایت کے مطابق قریباً دو تہائی قرآن غائب کر دیا گیا۔ اسی بنا پر اس روایت کی شرح میں علامہ قزوینی نے لکھا ہے۔

مراد اینست کہ بسیارے ازاں قرآن ساقط شدہ و در مصاحف مشہورہ نیست۔ (صافی شرح اصول کافی آخری جلد۔ باب فضل القرآن)	امام جعفر صادق کے ارشاد کا مطلب یہی ہے کہ جبرئیل کے لائے ہوئے اصل قرآن میں سے بہت سا حصہ ساقط اور غائب کر دیا گیا ہے اور وہ قرآن کے موجودہ مشہور نسخوں میں نہیں ہے۔

اسی سلسلہ میں حضرت علی کا ایک عجیب ارشاد:

"احتجاج طبرسی" شیعہ مذہب کی معتبر و مستند کتابوں میں ہے، پہلے بھی اسکا ذکر آچکا ہے۔ اس میں ایک زندیق کے ساتھ حضرت علی مرتضیٰ رض کا طویل مکالمہ نقل کیا گیا ہے (جس کو اگر اردو میں منتقل کیا جائے تو راقم سطور کا اندازہ ہے کہ قریباً چاس صفحے کا رسالہ ہو جائے گا) اس طویل مکالمہ میں اس زندیق نے قرآن مجید پر بہت سے اعتراضات کیے ہیں، اور حضرت علیؓ نے ان کا جواب دیا ہے ــــ ان میں

ایک اعتراض اس کا یہ بھی تھا کہ سورۂ نساء کے پہلے رکوع کی آیت "وان خفتم الا تقسطوا فی الیتامیٰ فانکحوا ما طاب لکم من النساء الآیۃ" میں شرط وجزا کے درمیان وہ تعلق اور جوڑ نہیں ہے جو شرط وجزا میں ہونا چاہیے۔
(احتجاج ص۱۲۲ طبع ایران)

اس کا جواب حضرت علی کی زبان سے احتجاج میں یہ نقل کیا گیا ہے کہ

ہو مما قدمت ذکرہ من اسقاط المنافقین من القرآن، وبین القول فی الیتامیٰ وبین نکاح النساء من الخطاب و القصص اکثر من ثلث القرآن (ص۱۲۸)	یہ اسی قبیل سے ہے جس کا میں پہلے ذکر کر چکا ہوں یعنی یہ کہ منافقین نے قرآن میں سے بہت کچھ ساقط کر دیا ہے اور اس آیت میں (یہ تصرف ہوا ہے کہ) "ان خفتم فی الیتامیٰ" اور "فانکحوا ما طاب لکم من النساء" کے درمیان ایک تہائی

قرآن سے زیادہ تھا (جو ساقط اور غائب کر دیا گیا ہے) اس میں خطاب تھا اور قصص تھے۔

احتجاج طبرسی کی اس روایت کے مطابق حضرت علی مرتضیٰؓ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اس ایک آیت کے درمیان سے منافقین نے ایک تہائی قرآن سے زیادہ غائب کر دیا ہے۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ پورے قرآن سے کتنا غائب کیا گیا ہوگا۔

اس مکالمہ میں اس زندیق کے دوسرے متعدد اعتراضات کے جواب میں بھی حضرت علی مرتضیٰؓ نے قرآن میں تحریف وکمی وبیشی اور تغیر و تبدل کا ذکر فرمایا ہے —

پھر اس زندیق کے ایک اعتراض کا جواب دیتے ہوئے یہ بھی فرمایا ہے۔

حسبك من الجواب عن	اس معاملہ میں اور اس موقع پر

هذا الموضع ماسمعت	جو جواب تم نے مجھ سے سن لیا بس
فان شريعة التقية تحظل	وہی تمہارے لیے کافی ہونا چاہیے
التصريح باكثرمنه	کیونکہ ہماری شریعت کا تقیہ کا حکم
(احتجاج طبرسی طبع ایران ص۱۲۵)	اس سے زیادہ صراحت اور وضاحت سے

مانع ہے۔

بظاہر مطلب یہ ہے کہ جن منافقین نے قرآن میں یہ تحریف اور کمی بیشی کی ان کا نام ظاہر کرنے سے تقیہ کا حکم مانع ہے ___ عجیب بات ہے قرآن میں تحریف اور کمی بیشی کا عقیدہ ظاہر کرنے سے تقیہ مانع نہیں ہوا لیکن تحریف کرنے والے منافقین کا نام ظاہر کرنے سے تقیہ مانع ہوگیا ___ واقعہ یہ ہے کہ یہ مکالمہ اور اس طرح کی ساری روایتیں خانہ ساز ہیں حضرت مرتضیٰ اور تمام ہی بزرگان اہل بیت کا دامن ان خرافات سے پاک ہے۔

اصلی قرآن وہ تھا جو حضرت علی نے مرتب فرمایا تھا وہ امام غائب کے پاس ہے اور موجودہ قرآن سے مختلف ہے

یہ بات بھی مذہب شیعہ اور شیعی دنیا کے معروف مسلمات میں سے ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ نے قرآن مرتب فرمایا تھا اور وہ اس کے بالکل مطابق تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا تھا، اور موجودہ قرآن سے مختلف تھا وہ حضرت علی ہی کے پاس رہا اور ان کے بعد ان کی اولاد میں سے ائمہ کے پاس رہا اور اب وہ امام غائب کے پاس ہے اور جب وہ ظاہر ہوں گے تب ہی اس قرآن کو بھی ظاہر فرمائیں گے اس سے پہلے کوئی اس کو نہیں دیکھ سکتا ___ اس سلسلہ میں "اصول کافی" کی مندرجہ ذیل دو

روایتیں نذرِ ناظرین ہیں ۔۔۔ اصول کافی کتاب الحجۃ میں ایک باب ہے

باب انه لم یجمع القرآن	باب اس بیان میں کہ پورے قرآن کو
کله الا الائمة علیهم	ائمہ علیہم السلام کے سوا کسی نے بھی
السلام	جمع نہیں کیا (یعنی پورا قرآن ائمہ کے

سوا کسی کے پاس بھی نہیں تھا اور نہیں ہے۔)

اس باب میں پہلی روایت ہے کہ امام باقر علیہ السلام نے فرمایا۔

ما ادعی احد من الناس	جو آدمی یہ دعویٰ کرے کہ اس کے
انه جمع القرآن کله کما	پاس پورا قرآن ہے جس طرح کہ
انزل الا کذاب وما جمعه	نازل ہوا تھا، وہ کذاب ہے۔ اللہ تعالیٰ
وحفظه کما انزله الله	کی تنزیل کے مطابق قرآن کو صرف
الا علی بن ابی طالب	علی بن ابی طالب ہی نے اور انکے
والائمة من بعده	بعد ائمہ علیہم السلام نے جمع کیا اور اسکو
(اصول کافی ص ۱۳۹)	محفوظ رکھا۔

اور اسی اصول کافی کے "باب فضل القرآن" میں امام جعفر صادق سے روایت ہے۔

فاذا قام القائم قرأ	جب قائم (یعنی امام مہدی غائب)
کتاب الله عزوجل علی	ظاہر ہوں گے تو وہ قرآن کو اصلی اور
حده واخرج المصحف	صحیح طور پر پڑھیں گے اور قرآن کا
الذی کتبه علی علیه	وہ نسخہ نکالیں گے جس کو علی علیہ السلام
السلام وقال اخرجه علی	نے لکھا تھا ۔۔۔ اور امام جعفر صادق
علیه السلام الی الناس حین	نے یہ بھی فرمایا کہ جب علی علیہ السلام
فرغ منه وکتبه فقال لهم	نے اس کو لکھ لیا اور پورا کرلیا، تو

حلقوں کی طرف سے ایسے جوش وخروش سے اس کا استقبال اور خیر مقدم کیا گیا جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ ان حضرات کے نزدیک اس انقلاب کے نتیجہ میں ایران میں عہد نبوی اور خلافت راشدہ کے نمونے کی "حقیقی اسلامی حکومت" قائم ہو گئی ہے جس کے ولی الامر (امیر المومنین) امام خمینی ہیں پھر یہ حلقے چونکہ اہل سنت ہی میں شمار ہوتے ہیں اور خاص کر اُن جدید تعلیم یافتہ نوجوانوں کی ایک خاصی تعداد جن کو آج کل "اسلام پسند" کہا جاتا ہے، ان کے معروف زعما اور قائدین کو دین کا رازداں اور دینی رہبر سمجھتی ہے اس لیے ان کے اس رویہ سے اُن کا یہ عقیدہ بن گیا ہے کہ "آیۃ اللہ روح اللہ خمینی" اس وقت اسلام اور عالم اسلام کے گویا امام ہیں۔ ابھی حال میں پٹنہ سے شائع ہونے والا اس نوجوان طبقہ کا ترجمان ایک ماہنامہ نظر سے گزرا اس سے اندازہ ہوا کہ اس بارے میں ذہنی ضلال وفساد کس حد تک پہنچ چکا ہے۔

اس سب کے باوجود راقم سطور یہی سمجھتا ہے کہ ان حلقوں کی طرف سے یہ جو کچھ ہوا، شیعیت، امام خمینی کی شخصیت، خاص کر ان کی مذہبی حیثیت اور ان کے برپا کیے ہوئے انقلاب کی نوعیت وحقیقت سے ناواقفی کے ساتھ "حبك الشئ يُعمى ويصم" کے فطری قانون کے مطابق اسلامی حکومت کی تمنا اور اس کے بے تابانہ اشتیاق کے نتیجہ میں ہوا۔ اس لیے اس عاجز نے اپنا دینی فریضہ اور ان دینی بھائیوں اور عزیزوں کا اپنے پر حق سمجھا کہ امام خمینی اور ان کے برپا کیے ہوئے انقلاب کی نوعیت وحقیقت اور شیعیت خاص کر اس کی اصل بنیاد مسئلہ امامت سے ان حضرات کو اور عام مسلمانوں کو واقف کرانے کی اپنی استطاعت کے مطابق کوشش کی جائے کہ دراصل یہی مسئلہ امامت اس ایرانی انقلاب کی مذہبی وفکری بنیاد ہے ——— ہم پہلے امام خمینی صاحب کے برپا کیے ہوئے انقلاب کے بارے میں عرض کریں گے اس کے بعد خمینی صاحب کی شخصیت اور ان کی مذہبی حیثیت کے بارے، اور آخر میں شیعیت کے بارے میں جو ضرورت کے مطابق کسی قدر مفصل اور طویل ہوگا۔ واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔

هٰذا کتاب اللہ عز وجل	لوگوں سے (یعنی ابوبکر وعمر وغیرہ سے)
کما انزلہ اللہ علی محمد	کہا کہ یہ اللہ کی کتاب ہے ٹھیک اس کے
صلی اللہ علیہ والہ جمعتہ	مطابق جس طرح اللہ نے محمد صلی اللہ
من اللوحین فقالوا	علیہ والہ پر نازل فرمائی تھی میں نے
ہوذا عندنا مصحف	اس کو لوحین سے جمع کیا ہے۔
جامع فیہ القرآن لا	تو ان لوگوں نے کہا کہ ہمارے پاس
حاجۃ لنا فیہ فقال اما	یہ جامع مصحف موجود ہے اس میں
واللہ ماترونہ بعد یومکم	پورا قرآن ہے، ہم کو تمہارے جمع
ھٰذا۔	کیے ہوئے اس قرآن کی ضرورت
(اصول کافی ص۶۷۱)	نہیں ___ تو علی علیہ السلام نے فرمایا

خدا کی قسم اب آج کے بعد تم کبھی اس کو دیکھ بھی نہ سکو گے۔

بہر حال کتب شیعہ کی یہ روایات جن میں موجودہ قرآن میں تحریف اسقاط اور اضافے اور تغیر و تبدل کا ذکر ہے۔ خاص کر وہ روایات جن میں قرآن میں سے حضرت علی اور ائمہ کا تذکرہ نکال دینے کا ذکر کیا گیا ہے۔ شیعہ حضرات کی طرف سے اس سوال کا سمجھ میں آنے والا جواب پیش کرتی ہیں کہ جب عقیدۂ امامت توحید و رسالت ہی کے درجہ کا بنیادی عقیدہ ہے تو اس کا ذکر قرآن مجید میں کیوں نہیں کیا گیا؟ ___ راقم سطور نے اسی بنیاد پر عرض کیا تھا کہ قرآن میں تحریف اور کمی بیشی کا عقیدہ مذہب شیعہ کی اساس و بنیاد عقیدۂ امامت کے لوازم میں سے ہے ___ اس کے علاوہ اس عقیدہ کی تصنیف کا ایک خاص محرک اور مقصد یہ بھی ہے کہ حضرات شیخین و ذوالنورین کو، غصب خلافت اور غصب فدک وغیرہ جرائم کے علاوہ کتاب اللہ کی تحریف کا بھی مجرم ثابت کیا جائے جو یقیناً شدید ترین جرم اور بدترین کفر ہے۔

مسئلہ تحریف اور شیعہ علمائے متقدمین

جیسا کہ اس عاجز نے عرض کیا تھا شیعہ حضرات کے خاتم المحدثین اور مذہب شیعہ کے ترجمان اعظم علامہ باقر مجلسی کے زمانے یعنی دسویں گیارہویں صدی ہجری بلکہ اس کے بعد تک بھی (اگر کوئی ضرورت اور مصلحت تقیہ کی داعی نہ ہوتی) تو عام طور سے شیعہ علماء برملا اپنے اس عقیدے کا اظہار کرتے بلکہ اپنی تصانیف میں دلائل سے اس کو ثابت کرنے کی کوشش کرتے تھے کہ موجودہ قرآن محرف ہے، اس میں کمی بیشی اور ہر طرح کا تغیر تبدل ہوا ہے (جیسا کہ ان کے ائمہ کی روایات میں ہے اور اصلی قرآن وہ ہے جو مولیٰ علیؑ نے جمع کیا تھا، وہ امام آخرالزماں کے پاس ہے)

علامہ نوری طبرسی کی "فصل الخطاب"

ہم جیسوں کے لیے آسان بلکہ ممکن نہیں تھا کہ شیعہ علمائے متقدمین کی تصانیف حاصل کر کے ان کا مطالعہ کرتے ــــ اللہ تعالیٰ نے اس کا یہ انتظام فرمایا کہ اب سے قریباً سوا سو سال پہلے جب شیعہ علمائے نے عام طور سے عقیدۂ تحریف سے انکار کی پالیسی اپنائی اور اس اہم مسئلہ میں اپنا عقیدہ وہی ظاہر کرنے لگے جو سنیوں کا ہمیشہ سے عقیدہ ہے (یعنی یہ کہ موجودہ قرآن بعینہٖ وہ کتاب اللہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی تھی، اور اس میں ہرگز کوئی تحریف اور کمی بیشی نہیں ہوئی) تو ایک بہت بڑے شیعہ عالم محدث اور مجتہد علامہ نوری طبرسی نے یہ محسوس کر کے کہ یہ اپنے اصل مذہب سے انحراف اور ائمہ معصومین کے ایک دو نہیں، سیکڑوں بھی نہیں، بلکہ ہزاروں ارشادات کے خلاف بغاوت ہے (اور شیعی دنیا کو اس وقت اس بارے میں تقیہ کی کوئی ضرورت اور مجبوری بھی نہیں ہے) اس موضوع پر ایک

مستقل ضخیم کتاب حضرت علی مرتضیٰ کی طرف منسوب شہر نجف اشرف میں خاص مشہد امیر المومنین میں بیٹھ کر لکھی [1]۔ اس کتاب کا نام ہے "فصل الخطاب فی اثبات تحریف کتاب رب الارباب" یہ اتنی ضخیم ہے کہ اگر اس کو عام فہم اردو میں منتقل کیا جائے تو اندازہ ہے کہ اس کے صفحات ہزار سے کم نہ ہوں گے کچھ اوپر ہی ہوں گے ــــــ اس کتاب کے مصنف علامہ نوری طبرسی نے اپنے شیعی نقطۂ نظر کے مطابق اس دعوے کے ثبوت میں دلائل کے انبار لگا دیے ہیں کہ موجودہ قرآن میں تحریف ہوئی ہے اور ہر طرح کی تحریف ہوئی ہے، اس میں سے بہت سا حصہ غائب اور ساقط بھی کیا گیا ہے اور تحریف کرنے والوں (یعنی خلفائے ثلٰثہ اور اُن کے رفقا) نے اس میں اپنی طرف سے اضافے بھی کیے ہیں، اور ہر طرح کا تغیر و تبدل ہوا ہے، اور یہ کہ ہمارے ائمہ معصومین کی ہزاروں روایات یہی بتلاتی ہیں، اور یہی ہمارے عام علمائے متقدمین کا عقیدہ اور موقف رہا ہے اور انھوں نے اپنی تصانیف میں صراحت اور صفائی کے ساتھ اسی عقیدہ کا اظہار کیا ہے بلکہ اس کو دلائل سے ثابت کیا ہے ــــــ کتاب کے مصنف علامہ نوری طبرسی نے لکھا ہے کہ ہمارے علمائے متقدمین میں صرف چار افراد ایسے ملتے ہیں جنھوں نے اس سے اختلاف کیا ہے ـ اُن کے طبقہ میں اُن کے ساتھ کوئی پانچواں بھی نہیں ہے ـ پھر ان چار حضرات نے اپنے اختلافی موقف کے ثبوت میں جو کچھ لکھا تھا علامہ نوری طبرسی نے اس کا جواب بھی دیا ہے جو شیعہ حضرات کے لیے موجب اطمینان ہونا چاہیے۔

بہر حال یہ کتاب ایسی دستاویز ہے جس کے معائنہ کے بعد کسی بھی منصف مزاج کے لیے

---

[1] مصنف نے کتاب کے آخر میں لکھا ہے کہ وہ اس کی تصنیف سے جمادی الاخری سنہ ۱۲۹۲ھ میں فارغ ہوئے۔

اس میں شک شبہ کی گنجائش نہیں رہتی کہ مذہب شیعہ اور ائمہ معصومین کے ارشادات کی روسے موجودہ قرآن قطعاً محرف ہے، اس میں اسی طرح تحریف ہوئی ہے جیسی کہ اس سے پہلی آسمانی کتابوں تورات وانجیل وغیرہ میں ہوئی تھی۔ نیز یہ کہ یہی عام شیعہ علمائے متقدمین کا موقف اور عقیدہ رہا ہے ـــــ اگر اس موضوع سے متعلق اس کتاب کی وہ تمام عبارتیں نقل کی جائیں جو نقل کرنے کے لائق ہیں تو اندازہ ہے کہ ان کے لیے پچاس صفحات بھی ناکافی ہوں گے اس لیے بطور "مشتے نمونہ از خروارے" چند ہی عبارتیں نذرِ ناظرین کی جاتی ہیں۔

قرآن میں توراۃ وانجیل ہی کی طرح تحریف ہوئی ہے:

مصنف نے نمبروار اُن دلائل کا ذکر کیا ہے جن سے اُن کے نزدیک قرآن میں تحریف کا ہونا ثابت ہوتا ہے، اس سلسلہ میں ۴ پر انھوں نے اُن روایات کا حوالہ دیا ہے جو یہ بتلاتی ہیں کہ قرآن میں اسی طرح تحریف ہوئی جس طرح توراۃ وانجیل میں ہوئی تھی، ان کی اصل عبارت ملاحظہ ہو۔

الامر الرابع ذکر اخبار خاصة فیها دلالة او اشارة علی کون القرآن کالتوراة والانجیل فی وقوع التحریف والتغییر فیه ورکوب المنافقین الذین استولوا علی الامة فیه طریقة بنی اسرائیل	اور چوتھی بات ہے اُن خاص روایات کا ذکر جو صراحۃً یا اشارۃً یہ بتلاتی ہیں کہ تحریف اور تغیر وتبدل کے واقع ہونے میں قرآن توراۃ اور انجیل ہی کی طرح ہے، اور جو یہ بتلاتی ہیں کہ جو منافقین امت پر غالب آگئے اور حاکم بن گئے (ابوبکر وعمر وغیرہ) وہ قرآن میں تحریف کرنے کے

فيهما، وهي حجة مستقلة لاثبات المطلوب۔
(فصل الخطاب ص۳)

بارے میں اسی راستہ پر چلے جس راستہ پر چل کر بنی اسرائیل نے توراۃ و انجیل میں تحریف کی تھی اور یہ ہمارے دعوے (یعنی تحریف) کے ثبوت کی مستقل دلیل ہے۔

متقدمین علماء شیعہ سب ہی تحریف کے قائل اور مدعی ہیں صرف چار وہ ہیں جنھوں نے تحریف سے انکار کیا ہے

علامہ نوری طبرسی نے اسی فصل الخطاب میں زیر عنوان "المقدمة الثالثة" (تیسرا مقدمہ) لکھا ہے کہ ہمارے علماء میں اس مسئلہ میں کہ قرآن میں تحریف اور تغیر تبدل ہوا ہے یا نہیں، دو قول مشہور ہیں۔ پھر اس کی تفصیل کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

الاول وقوع التغيير و النقصان فيه وهو مذهب الشيخ الجليل علي بن ابراهيم القمي شيخ الكليني في تفسيره صرح بذالك في اوله وملأ كتابه من اخباره مع التزامه في اوله بان لايذكر فيه الا ما رواه مشائخه و ثقاته۔ ومذهب تلميذه

پہلا قول یہ ہے کہ قرآن میں تغیر تبدل ہوا ہے اور کمی ہوئی ہے (یعنی کچھ حصہ اس میں سے ساقط اور غائب کیا گیا ہے) اور یہ مذہب ہے ابو جعفر یعقوب کلینی کے شیخ علی بن ابراہیم قمی کا، انھوں نے اپنی تفسیر کے شروع ہی میں اس کو صراحت اور صفائی سے لکھا ہے اور اپنی کتاب کو تحریف (ثابت کرنے والی) روایات سے بھر دیا ہے اور انھوں نے اس کا

ثقة الاسلام الکلینی رحمہ	التزام کیا ہے کہ وہ اپنی اس کتاب
اللہ علی مانسبہ الیہ	میں وہی روایات ذکر کریں گے جن کو
جماعۃ لنقلہ الاخبار	وہ اپنے مشائخ اور ثقہ حضرات سے
الکثیرہ الصریحہ فی ھٰذا	روایت کرتے ہیں۔ اور یہی مذہب ہے
المعنی فی کتاب الحجہ	اُن کے شاگرد ثقۃ الاسلام کلینی رحمہ اللہ
خصوصا فی باب النکت و	کا جیسا کہ علماء کی ایک جماعت نے
النتف من التنزیل و	ان کی طرف اس کی نسبت کی ہے
الروضہ من غیر تعرض	کیونکہ انھوں نے اپنی کتاب "الجامع
لردھا او تاویلھا....	الکافی" کتاب الحجہ میں اور بالخصوص
(فصل الخطاب صہ ۲۵)	اس کے "باب النکت والنتف من

التنزیل" میں اور "کتاب الروضہ" میں بہت بڑی تعداد میں وہ روایات (ائمہ معصومین سے) نقل کی ہیں جو صراحۃً تحریف پر دلالت کرتی ہیں۔ پھر نہ تو انھوں نے ان روایات کو رد کیا ہے اور نہ ان کی کوئی تاویل کی ہے۔

[راقم سطور عرض کرتا ہے کہ جس شخص نے "الجامع الکافی" کی چاروں جلدوں کا مطالعہ کیا ہے، بلکہ جس کی نظر سے اس کی صرف وہ روایات بھی گزری ہیں جو تحریف کے موضوع سے متعلق ناظرین کرام نے گزشتہ چند صفحات میں ملاحظہ فرمائی ہیں، اس کو اس میں شک شبہ نہیں ہو سکتا کہ اس کے مؤلف اور جامع ابو جعفر یعقوب کلینی رازی قرآن میں تحریف اور کمی بیشی کے قائل ہیں اور انھوں نے اپنی اس کتاب میں ائمہ کی روایات سے اس کا ایسا ثبوت فراہم کر دیا ہے جس کے بعد شیعہ حضرات کو اس سے انکار کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔]

علامہ نوری طبرسی نے تحریف کے قائل علمائے متقدمین میں سے سب سے پہلے صرف اُن دو کا ذکر کیا ہے (ابو جعفر یعقوب کلینی اور ان کے شیخ علی بن ابراہیم قمی) واضح رہے

کہ یہ دونوں حضرات وہ ہیں جنھوں نے (شیعی نظریہ کے مطابق) غیبت صغریٰ کا پورا زمانہ پایا ہے بلکہ اُن کے تذکرہ نویسوں کے بیان کے مطابق ان دونوں نے گیارہویں امام معصوم امام حسن عسکری کا بھی کچھ زمانہ پایا ہے ــــ

اس کے بعد علامہ طبرسی نے پورے پانچ صفحے میں دوسرے اُن متقدمین اکابر علماء شیعہ کا ذکر کیا ہے جنھوں نے اپنی تصانیف میں تحریف اور تغیر و تبدل کا دعویٰ کیا ہے، ان کی تعداد تیس چالیس سے کم نہ ہوگی، زیادہ ہی ہوگی ــــ اس سب کے بعد مصنف نوری طبرسی نے لکھا ہے۔

ومن جميع ماذكرناه ونقلناه	ہم نے اپنی محدود تلاش اور محدود
بتتبعي القاصر يمكن	مطالعہ سے (تحریف کے بارے میں
دعوى الشهرة العظيمة	شیعہ اکابر علمائے متقدمین کے) جو
بين المتقدمين وانحصار	اقوال نقل کیے اُن کی بنیاد پر دعویٰ
المخالفين فيهم باشخاص	کیا جا سکتا ہے کہ ہمارے علمائے متقدمین
معينين يأتي ذكرهم ــــ	کا یہی مذہب عام طور سے مشہور تھا۔
قال السيد المحدث الجزائري	(کہ قرآن میں تحریف اور کمی بیشی ہوئی
في الانوار مامعناه ان	ہے) اور اس کے خلاف رائے رکھنے والے
الاصحاب قد اطبقوا على	بس چند متعین اور معلوم افراد تھے جن کا
صحة الاخبار المستفيضة	ناموں کے ساتھ ابھی ذکر آجائے گا۔
بل المتواترة الدالة	(آگے مصنف نوری طبرسی نے سید
بصريحها على وقوع	نعمت اللہ جزائری کی کتاب الانوار
التحريف في القرآن كلاما	النعمانیہ کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ
ومادة واعرابا والتصديق	انھوں نے فرمایا) ہمارے اصحاب کا

بها۔ نعم خالف فیها المرتضیٰ والصدوق و الشیخ الطبرسی۔ (فصل الخطاب ص۳۰)	اس پر اتفاق ہے کہ وہ مشہور بلکہ متواتر روایات جو صراحۃً بتلاتی ہیں کہ قرآن میں تحریف ہوئی، اس کی عبارت میں بھی، اُس کے

الفاظ اور اعراب میں بھی، وہ روایات صحیح ہیں اور ان روایات کی تصدیق (یعنی ان کے مطابق عقیدہ رکھنے) میں بھی ہمارے اصحاب کے درمیان اتفاق ہے ــــ ہاں اس میں صرف شریف مرتضیٰ اور صدوق اور شیخ طبرسی نے اختلاف کیا ہے۔

آگے اختلاف کرنے والوں میں مصنف نے ان تین حضرات کے علاوہ چوتھا نام ابوجعفر طوسی کا بھی ذکر کیا ہے اور تحریف سے انکار کے سلسلہ میں اِن سب کی عبارتیں نقل کر کے مصنف نے سب کا جواب دیا ہے ــــ

ملحوظ رہے کہ یہ چاروں حضرات، ابوجعفر یعقوب کلینی اور ان کے شیخ علی بن ابراہیم قمی سے کافی متاخر ہیں۔ پھر ان میں سب سے متاخر ابو علی طبرسی ہیں (ان کا سنہ وفات ۵۴۸ ہے) انھوں نے تحریف سے انکار کے سلسلہ میں جو کچھ لکھا تھا اس کا جواب دینے کے بعد مصنف علامہ نوری طبرسی نے لکھا ہے۔

والیٰ طبقتہ لم یعرف الخلاف صریحاً الا من ھذہ المشائخ الاربعۃ (فصل الخطاب ص۳۲)	اور ابو علی طبرسی کے طبقہ تک (یعنی چھٹی صدی ہجری کے وسط تک) اِن چار شائخ کے سوا کسی کے متعلق بھی معلوم نہیں ہوا کہ انھوں نے

اس مسئلہ میں صراحۃً اختلاف کیا ہو (یعنی قرآن میں تحریف ہونے سے صراحت کے ساتھ انکار کیا ہو۔)

نیز مصنف نے اسی سلسلۂ کلام میں ایک دوسری جگہ ان چاروں حضرات (صدوق، شریف مرتضیٰ، ابوجعفر طوسی اور ابو علی طبرسی) کا اور مسئلہ تحریف میں دوسرے تمام شیعہ علماء متقدمین سے ان کے اختلاف کا ذکر کر کے لکھا ہے۔

ولم یعرف من القدماء	اور ہمارے علمائے متقدمین میں
خامس لهم۔	کوئی پانچواں ان کا ہم خیال
(فصل الخطاب ۳۲)	معلوم نہیں ہو سکا ہے۔

علامہ نوری طبرسی کی ان عبارتوں کے نقل کرنے سے ہمارا مقصد اپنے ناظرین کو صرف یہ دکھلانا تھا کہ متقدمین اور اکابر علماء شیعہ عام طور سے یہی عقیدہ رکھتے تھے کہ موجودہ قرآن بعینہ وہ نہیں ہے جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا تھا بلکہ آنحضرت کے بعد جو لوگ خلافت پر غاصبانہ طور پر قابض ہو گئے، انھوں نے اس میں تحریف اور کمی زیادتی کی ہے ــــ اس مقصد و مدعا کے ثبوت کے لیے "فصل الخطاب" کی یہ عبارتیں بھی کافی ہیں جو یہاں تک نقل کی گئی ہیں۔ لیکن مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسی سلسلہ کی اس کتاب کی چند اور عبارتیں بھی ناظرین کی خدمت میں پیش کر دی جائیں ــــ راقم سطور نے عرض کیا تھا کہ مصنف نے اپنے عقیدہ اور نقطۂ نظر کے مطابق قرآن میں تحریف واقع ہونے پر دلائل کے انبار لگا دیئے ہیں ــــ اسی سلسلہ میں دلیل ۱۲ پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

تحریف کی روایتیں دو ہزار سے زیادہ:

الدليل الثاني عشر الاخبار	بارہویں دلیل ائمہ معصومین کی وہ
الواردة في الموارد المخصوصة	روایات ہیں جو قرآن کے خاص خاص
من القرآن الدالة على	مقامات کے بارے میں وارد ہوئی

تغییر بعض الکلمات و	ہیں جو بتلاتی ہیں کہ قرآن کے بعض
الأیات والسور باحدی	کلمات اور اس کی آیتوں اور
الصور المتقدمة وھی	سورتوں میں اُن صورتوں میں سے
کثیرة جداً حتی قال	کسی ایک صورت کی تبدیلی کی گئی ہے
السید نعمة اللہ الجزائری	جن کا پہلے ذکر کیا جاچکا ہے اور
فی بعض مؤلفاتہ کما حکی	وہ روایات بہت زیادہ ہیں ۔
عنہ ان الاخبار الدالة	یہاں تک کہ (ہمارے جلیل القدر
علی ذالك تزید علی الفی	محدث) سید نعمت اللہ جزائری نے
حدیث وادعی استفاضتہا	اپنی بعض تصانیف میں فرمایا ہے
جماعة کالمفید والمحقق	جیسا کہ ان سے نقل کیا گیا ہے
الداماد والعلامة المجلسی	کہ قرآن میں اس تحریف اور تغیر
وغیرھم بل الشیخ ایضاً	و تبدل کو بتلانے والی ائمہ اہل بیت
صرح فی التبیان بکثرتہا	کی حدیثوں کی تعداد دو ہزار سے
بل ادعی تواترھا جماعة	زیادہ ہے اور ہمارے اکابر علماء
یأتی ذکرھم۔	کی ایک جماعت نے مثلاً شیخ مفید
(فصل الخطاب ص۲۲۷)	اور محقق داماد اور علامہ مجلسی نے

ان حدیثوں کے مستفیض اور مشہور ہونے کا دعویٰ کیا ہے اور شیخ طوسی نے بھی تبیان میں بصراحت لکھا ہے کہ ان روایتوں کی تعداد بہت زیادہ ہے ــــ بلکہ ہمارے علماء کی ایک جماعت نے جن کا آگے ذکر آئے گا۔ ان روایات کے متواتر ہونے کا دعویٰ کیا ہے ۔

ایرانی انقلاب کی نوعیت اور اُس کی بنیاد

خمینی صاحب کے برپا کیے ہوئے اس انقلاب کی نوعیت کو سمجھنے اور اس کے بارے میں رائے قائم کرنے کے لیے سب سے پہلے یہ معلوم ہونا ضروری ہے کہ یہ اس طرح کا انقلاب نہیں ہے جیسے صحیح یا غلط، اچھے یا برے حکومتی انقلابات دنیا کے ملکوں، خاص کر اسلامی ممالک میں سیاسی نظریات کے اختلاف یا صرف اقتدار کی ہوس یا اسی طرح کے دوسرے عوامل ومحرکات کی بنیاد پر ہوتے رہے یا ہوتے رہتے ہیں ـــــ خمینی صاحب کا برپا کیا ہوا یہ انقلاب مذہب شیعہ کی اساس وبنیاد **عقیدۂ امامت** اور اسی سلسلہ کے دوسرے عقیدے امام آخر الزماں (**مہدی منتظر**) کی **غیبت کبریٰ** اور اس **غیبت کبریٰ** کے زمانے میں **ولایت فقیہ** کے اس نظریے کی بنیاد پر برپا ہوا ہے جس کو خمینی صاحب نے مذہب شیعہ کی مختلف کتب حدیث کی بہت سی روایات سے استدلال کرتے ہوئے اپنی کتاب "ولایۃ الفقیہ او الحکومۃ الاسلامیۃ" میں پوری وضاحت اور تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے یہی اس کتاب کا موضوع اور مدعا ہے ـــــ اور خمینی صاحب کی یہ کتاب ہی گویا اس انقلاب کی مذہبی و فکری بنیاد ہے ـــــ لیکن اس کو سمجھنے کے لیے شیعیت، خاص کر اس کی اساس و بنیاد عقیدۂ امامت سے واقف ہونا ضروری ہے، اس لیے اپنے ناظرین کو اس عقیدے سے متعارف اور واقف کرانے کے لیے پہلے اس عقیدہ ہی کے بارے میں اجمال و اختصار کے ساتھ کچھ عرض کیا جاتا ہے ـ واللہ الموفق

روایات تحریف کے تواتر کا دعویٰ کرنے والے اکابر علماءِ شیعہ

پھر کتاب کے آخر میں اُن اکابر و اعاظم علماءِ شیعہ کا مصنف نے ذکر کیا ہے جنھوں نے دعویٰ کیا ہے کہ قرآن میں تحریف اور تغیر و تبدل کی روایتیں متواتر ہیں، اور بلاشبہ اُن کا یہ دعویٰ شیعہ حضرات کی کتب حدیث کے لحاظ سے بالکل صحیح ہے ___ مصنّف رقمطراز ہیں۔

وقد ادعى تواتره (اى تواتر وقوع التحريف و التغيير والنقص) جماعة منهم المولى محمد صالح فى شرح الكافى حيث قال فى شرح ماورد "ان القرآن الذى جاء به جبرئيل الى النبى ﷺ سبعة عشر الف آية ـ وفى رواية سليم ثمانية عشر الف آية" مالفظه "واسقاط بعض القرآن وتحريفه ثبت من طرقنا بالتواتر معنًى كما يظهر لمن تامل فى كتب الاحاديث من اولها

اور قرآن میں تحریف اور تغیر و تبدل اور اس کو ناقص کیے جانے (کی روایات کے) متواتر ہونے کا دعویٰ کیا ہے ہمارے اکابر علماء کی ایک جماعت نے، ان میں سے ایک مولانا محمد صالح ہیں، انھوں نے کافی کی شرح میں اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے جس میں فرمایا گیا ہے کہ "جو قرآن رسول اللہ ﷺ پر جبرئیل لیکر نازل ہوئے تھے اس میں سترہ ہزار (۱۷۰۰۰) آیتیں تھیں" ـ (اور اسی حدیث کی سلیم کی روایت میں بجائے سترہ ہزار کے اٹھارہ ہزار (۱۸۰۰۰) آیات بتلائی گئی ہیں۔) اس حدیث کی شرح میں مولانا

الی آخرها۔

ومنهم الفاضل قاضی القضاة علی بن عبد العالی علی ماحکی عنه السید فی شرح الوافیه بعد ما اورد علی اکثر تلك الاخبار بضعف الاسناد مالفظه ان ایراد اکابر الاصحاب لاخبارنا فی کتبهم المعتبرة التی ضمنوا صحة ما فیها قاض بصحتها فان لهم طرقاً تصححها من غیر جهة الرواة کالاجماع علی مضمون المتن و احتفائه بالقرائن المفیدة للقطع ....

ومنهم الشیخ المحدث الجلیل ابو الحسن الشریف فی مقدمات تفسیره۔

ومنهم العلامة المجلسی قال فی مرآة العقول فی

محمد صالح نے فرمایا ہے" اور قرآن میں تحریف اور اس کے بعض حصوں کا ساقط کیا جانا، ہمارے طریقوں سے تواتر معنوی ثابت ہے، جیسا کہ ہر اس شخص پر ظاہر ہے جس نے ہماری حدیث کی کتابوں کا اول سے آخر تک غور سے مطالعہ کیا ہے۔

اور انہی علماء میں سے (جنھوں نے قرآن میں تحریف اور کمی بیشی کی حدیثوں کے متواتر ہونے کا دعویٰ کیا ہے) ایک قاضی القضاة علی بن عبد العالی بھی ہیں جیسا کہ جناب سید نے شرح وافیہ میں اُن سے نقل کیا ہے، انھوں نے ان میں سے اکثر روایات کی سندوں کے ضعف کا ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ ہمارے اکابر محدثین کا اپنی ان معتبر کتابوں میں جن کی روایات کی صحت کی انھوں نے ضمانت کی ہے (تحریف اور کمی بیشی کی) ان روایات کو بیان کرنا

شرح باب انه لم یجمع
القرآن کله الا الائمة علیهم
السلام بعد نقل کلام
المفید ما لفظه والاخبار
من طرق الخاصة والعامة
فی النقص والتغییر متواترة
وبخطه علی نسخة صحیحة
من الکافی کان یقرءها
علی والده وعلیها خطهما
فی اخر کتاب فضل القرآن
عند قول الصادق ؑ
"القرآن الذی جاء به
جبرئیل علی محمد ص سبعة
عشر الف آیة" ما لفظه
" لا یخفی ان هذا الخبر
وکثیر من الاخبار الصحیحة
صریحة فی نقص القرآن
وتغییره وعندی ان الاخبار
فی هذا الباب متواترة
معنیً وطرح جمیعها یوجب
رفع الاعتماد عن الاخبار

ان روایات کے صحیح ہونے کا
فیصلہ کرتا ہے کیونکہ ان کے لیے
دوسرے طریقے ہیں جو راویوں کے
حال سے قطع نظر کر کے بھی ان
روایتوں کی صحت ثابت کرتے
ہیں۔ مثلاً اس کے متن کے مضمون
پر اجماع و اتفاق اور مثلاً ایسے
قرائن کی موجودگی جن سے اس کے
مضمون کا یقین حاصل ہوتا ہے۔
اور انہی میں سے ایک شیخ
محدث جلیل ابوالحسن الشریف ہیں
انھوں نے بھی اپنی تفسیر کے مقدمات
میں ان روایات کے معنوی تواتر
کا دعویٰ کیا ہے۔ اور ہمارے
انہی علمائے کبار میں سے (جنھوں نے
تحریف کی روایات کے متواتر ہونے
کا دعویٰ کیا ہے) ایک علامہ مجلسی
بھی ہیں، انھوں نے اپنی کتاب
"مراۃ العقول" میں اصول کافی
کے باب "انه لم یجمع القرآن
کله الا الائمة علیهم السلام"

راسًا۔ بل ظني ان الاخبار في هذا الباب لا يقصر عن اخبار الامامة فكيف يثبتونها بالخبر

(فصل الخطاب ص ۳۲۸-۳۲۹)

کی شرح میں شیخ مفید کا کلام نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ قرآن میں کمی اور تبدیلی کیے جانے کے بارے میں احادیث و روایات جو شیعوں اور غیر شیعوں کی سندوں سے روایت کی گئی ہیں وہ متواتر ہیں۔ اور اصول کافی کے اس نسخہ پر جو انھوں نے اپنے والد کے سامنے پڑھا (اور اس پر ان دونوں کے قلم کی تحریر ہے) کتاب فضل القرآن کے خاتمہ پر جہاں امام جعفر صادقؑ کا یہ ارشاد روایت کیا گیا ہے کہ "جو قرآن جبرئیلؑ محمدؐ کے پاس لائے تھے اس میں سترہ ہزار (۱۷۰۰۰) آیتیں تھیں" علامہ مجلسی نے اپنے قلم سے لکھا ہے کہ "ظاہر ہے کہ یہ حدیث اور اس کے علاوہ بہت سی صحیح حدیثیں صراحت کے ساتھ یہ بتلاتی ہیں کہ قرآن میں کمی اور تبدیلی کی گئی ہے ـــــ (اس کے آگے علامہ مجلسی لکھتے ہیں کہ) میرے نزدیک اس باب میں حدیثیں (معنی کے لحاظ سے) متواتر ہیں، اور ان سب کو نظر انداز کرنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ احادیث و روایات پر سے اعتماد بالکل اٹھ جائے گا۔ (اور احادیث کا سارا ذخیرہ ناقابل اعتبار ہو جائے گا) بلکہ میرا گمان ہے کہ اس باب کی (یعنی قرآن میں تحریف اور کمی و تبدیلی کی) حدیثیں۔ مسئلہ امامت کی حدیثوں سے کم نہیں ہیں۔ پھر (جب متواتر حدیثوں کو بھی نظر انداز کیا جاسکے گا تو) مسئلہ امامت کو (جو مذہب شیعہ کی اساس و بنیاد ہے) احادیث و روایات سے کیوں کر ثابت کیا جاسکے گا۔

قرآن میں تحریف کی روایات سے متعلق تین اہم باتیں :

علامہ نوری طبرسی نے "فصل الخطاب" میں جو عبارتیں ان متقدمین اور متاخرین شیعہ علماء کی جو مذہب شیعہ میں سند کا درجہ رکھتے ہیں تحریف کے بارے میں نقل کی ہیں (جن میں سے چند ناظرین کرام نے ان صفحات میں ملاحظہ فرمائیں) ان میں تین باتیں صراحت اور صفائی کے ساتھ لکھی گئی ہیں جو بہت اہم ہیں اور اس مسئلہ پر غور کرتے وقت ان کا پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔

(۱) ایک یہ کہ قرآن میں تحریف اور کمی بیشی کی روایات (جو ائمہ معصومین کے ارشادات ہیں) متواتر ہیں۔ سید نعمت اللہ جزائری محدث کی تصریح کے مطابق دو ہزار سے بھی زیادہ ہیں اور علامہ مجلسی کے بیان کے مطابق ان کی تعداد مذہب شیعہ کی اساس و بنیاد مسئلہ امامت کی روایات سے کم نہیں زیادہ ہی ہے۔

(۲) دوسرے یہ کہ یہ روایات اور ائمہ کے یہ ارشادات قرآن میں تحریف اور کمی اور تبدیلی کو ایسی صراحت اور صفائی کے ساتھ بتلاتے ہیں جس کے بعد کسی کے لیے شک شبہ کی اور کسی تاویل کی گنجائش نہیں رہتی۔

(۳) تیسرے یہ کہ اسی کے مطابق متقدمین علماء شیعہ کا عقیدہ رہا ہے۔ صرف چار حضرات نے اس سے اختلاف کیا ہے۔

کیا کسی صاحب علم شیعہ کے لیے تحریف سے انکار کی گنجائش ہے؟

یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ تحریف کے بارے میں ائمہ معصومین کی ہزاروں روایات کے ہوتے ہوئے جن میں بہت بڑی تعداد "الجامع الکافی" جیسی معتبر ترین کتابوں میں ہے، اور مذہب شیعہ میں سند کا درجہ رکھنے والے اکابر علماء کے اس اعتراف

اور اقرار کے باوجود کہ یہ روایات متواتر ہیں اور صراحۃً تحریف پر دلالت کرتی ہیں، اور انہی کے مطابق ہمارے علمائے متقدمین کا عقیدہ رہا ہے۔ کیا کسی صاحب علم اور باخبر شیعہ کے لیے تحریف سے انکار کی گنجائش رہتی ہے؟ ـــــ ظاہر ہے کہ اس کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔ ہاں تقیہ کی بنیاد پر انکار کیا جا سکتا ہے، جس طرح شیعی روایات کے مطابق ائمہ نے ازراہ تقیہ اپنی امامت سے بھی انکار فرمایا ہے ـــــ اس لیے قیاس یہی ہے کہ اِن چار حضرات نے تحریف سے انکار تقیہ ہی کی بنیاد پر کیا ہو۔ واللہ اعلم۔

شیعی دنیا میں علامہ نوری طبرسی کا مقام و مرتبہ

ہم یہاں اپنے ناظرین کو یہ بتلا دینا بھی مناسب سمجھتے ہیں کہ "فصل الخطاب" کے مصنف علامہ نوری طبرسی کو (جنھوں نے قرآن مجید میں ہر طرح کی تحریف، کمی بیشی اور تغیر و تبدل ثابت کرنے کے لیے یہ کتاب تصنیف فرمائی) شیعی دنیا میں عظمت و تقدس کا یہ مقام حاصل تھا کہ جب سنہ ۱۳۲۰ھ میں اُن کا انتقال ہوا تو ان کو نجف اشرف میں مشہد مرتضوی کی عمارت میں دفن کیا گیا جو شیعہ حضرات کے نزدیک "اقدس البقاع" یعنی روئے زمین کا مقدس ترین مقام ہے۔

یہ علامہ نوری طبرسی اپنے دور میں شیعوں کے عظیم مجتہد ہونے کے ساتھ بہت بڑے محدث بھی تھے ان کی مرتب کی ہوئی حدیث کی ایک کتاب "مستدرک الوسائل" ہے۔ یہ بات پہلے ذکر کی جا چکی ہے کہ روح اللہ خمینی صاحب نے اپنی کتاب "الحکومۃ الاسلامیہ" میں

اپنے نظریہ "ولایۃ الفقیہ" کے سلسلے میں اس کا حوالہ بھی دیا ہے اور وہاں علامہ نوری طبرسی کا ذکر پورے احترام کے ساتھ کیا ہے۔ حالانکہ وہ ان کی کتاب "فصل الخطاب" سے یقیناً واقف ہیں اور ہر شیعہ عالم واقف ہے۔

"فصل الخطاب" کے سلسلے میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ جب یہ کتاب تیرہویں صدی ہجری کے اواخر میں شائع ہوئی تو ایران وعراق کے شیعہ علماء کی طرف سے جنھوں نے عقیدۂ تحریف سے انکار کی پالیسی اپنائی تھی، اس کے خلاف بڑا ہنگامہ برپا کیا گیا اور معلوم ہوا ہے کہ اس کا جواب بھی لکھا گیا۔ علامہ طبرسی نے اس کے جواب میں بھی مستقل کتاب لکھی، اس کا نام ہے "رد الشبہات عن فصل الخطاب فی اثبات تحریف کتاب رب الارباب"

واقعہ یہ ہے کہ ان دونوں کتابوں نے شیعہ حضرات کے لیے عقیدہ تحریف سے انکار کی کوئی گنجائش نہیں چھوڑی ہے۔۔۔ وکفی اللہ المؤمنین القتال

قرآن کی ایک سورۃ جو موجودہ قرآن میں نہیں ہے

تحریف کے مسئلہ پر یہاں تک جو کچھ لکھا گیا تھا اُس پر اس موضوع کو ختم کر دیا گیا تھا، اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت سے اسی موضوع سے متعلق ایک ایسی چیز ملی جس کو اس سلسلۂ کلام کا خاتمہ بنانا مناسب سمجھا گیا۔

اب سے قریباً ایک صدی پہلے عراق کے علامہ سید محمود شکری آلوسیؒ نے "تحفۂ اثنا عشریہ" کی عربی میں تلخیص کی تھی جو "مختصر التحفۃ الاثنا عشریہ" کے نام سے شائع ہوئی تھی۔ بعد میں مصر کے ایک جلیل القدر عالم شیخ محب الدین الخطیب نے (جنھوں نے چند ہی برس پہلے وفات پائی ہے اور جن سے اللہ تعالیٰ نے شیعیت کے سلسلہ میں بہت کام لیا) اس کو ایڈٹ کیا اور تصحیح وتحشیہ اور مقدمہ

کے اضافہ کے ساتھ شائع کرایا۔ اس میں انھوں نے ایران میں لکھے ہوئے قرآن کے ایک قلمی نسخہ سے لیا ہوا ایک سورہ (سورۃ الولایہ) کا فوٹو بھی شائع کیا ہے (جو موجودہ قرآن میں نہیں ہے) اس کے بارے میں انھوں نے لکھا ہے کہ:

"پروفیسر نولدکی (NOELDEKE) نے اپنی کتاب تاریخ مصاحف قرآن (HISTORY OF THE COPIES OF THE QURAN) میں اس سورۃ کو شیعہ فرقہ کی معروف کتاب "دبستان مذاہب" (فارسی) (مصنفہ محسن فانی کشمیری) کے حوالے سے نقل کیا ہے جس کے متعدد ایڈیشن ایران میں شائع ہو چکے ہیں۔ مصر کے ایک بڑے ماہر قانون پروفیسر محمد علی سعودی نے مشہور مستشرق براؤن (BROWN) کے پاس ایران میں لکھا ہوا قرآن کا ایک قلمی نسخہ دیکھا تھا، اُس میں یہ "سورۃ الولایہ" بھی، انھوں نے اس کا فوٹو لے لیا جو مصر کے رسالہ "الفتح" کے شمارہ ۸۴۲ کے صفحہ ۹ پر شائع ہو گیا تھا۔"

شیخ محب الدین الخطیب نے اسی کا عکس اپنی کتاب کے صـ۳۱ پر شائع کر دیا ہے۔ ہم اس کا فوٹو نذرِ ناظرین کر رہے ہیں۔ بین السطور میں فارسی ترجمہ بھی ہے جس کا قلم بہت باریک ہے اور بعض الفاظ عکس میں صاف نہیں ہیں ــــ اس سورۃ الولایہ کے بارے میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ علامہ نوری طبرسی نے بھی اپنی کتاب فصل الخطاب میں اس سورۃ کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ ان سورتوں میں سے ہے جو قرآن مجید سے ساقط کر دی گئی ہیں۔ (فصل الخطاب صـ۱۸۱)

"سورۃ الولایہ" کا فوٹو اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمایا جائے۔

چند اور قابل ذکر عقائد و مسائل

یہاں تک اس مقالہ میں جو کچھ لکھا گیا اس عاجز راقم سطور کے خیال میں وہ اہل سنت کو شیعہ مذہب کی حیثیت سے واقف کرانے کے لیے بڑی حد تک کافی ہے تاہم اب خاتمۂ کلام میں شیعہ حضرات کے دو تین اور مسائل بھی نذر ناظرین کرنا انشاءاللہ مزید بصیرت کا باعث ہوگا۔

بعینہٖ عیسائیوں والا کفارہ کا عقیدہ :

علامہ باقر مجلسی نے ایک طویل روایت کے سلسلہ میں امام جعفر صادق کے خاص مرید مفضل بن عمر کے ایک سوال کے جواب میں ان کا یہ ارشاد نقل فرمایا ہے۔

حضرت امام جعفر صادق فرمود کہ	امام جعفر صادق نے فرمایا کہ اے مفضل
اے مفضل رسول خدا دعا کرد کہ	رسول خدا نے دعا کی کہ خداوندا
خداوندا گناہان شیعان برادر	میرے بھائی علی بن ابی طالب کے
من علی بن ابی طالب و شیعان	شیعوں اور میرے اُن فرزندوں کے
فرزندان من کہ اوصیائے منند	جو میرے وصی ہیں شیعوں کے اگلے
گناہان گزشتہ و آئندہ ایشاں را	پچھلے روز قیامت تک کے سب گناہ تو
تا روز قیامت بر من بار کن و مرا	میرے اوپر لاد دے اور شیعوں کے
درمیان پیغمبراں بسبب گناہان	گناہوں کی وجہ سے پیغمبروں کے
شیعاں رسوا مکن، پس حق تعالیٰ	درمیان مجھے رسوا نہ کر، تو حق تعالیٰ
گناہان شیعاں را برآنحضرت بار	نے تمام شیعوں کے گناہ آنحضرتؐ پر

عقیدۂ امامت کا اجمالی بیان

مذہب شیعہ کی بنیادی کتابوں اور ان کے ائمہ معصومین کے ارشادات سے گویا انہی کی زبان سے مسئلہ امامت کا تفصیلی بیان تو انشاء اللہ ناظرین کرام اسی مقالہ میں آگے اپنے مقام پر ملاحظہ فرمائیں گے، یہاں تو صرف اتنا عرض کر دینا اس وقت کے مقصد کے لیے کافی ہے کہ جس طرح ہم اہل سنت اور تمام امت مسلمہ کے نزدیک نبی و رسول اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر اور نامزد ہوتے ہیں (امت یا قوم ان کا انتخاب نہیں کرتی) شیعہ حضرات کے نزدیک اسی طرح نبی کے بعد اُن کے جانشین وخلیفہ **امام** بھی اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے مقرر اور نامزد ہوتے ہیں، وہ نبی ہی کی طرح معصوم ہوتے ہیں اور نبی و رسول ہی کی طرح ان کی اطاعت امت پر فرض ہوتی ہے۔ ان کا درجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر اور دوسرے سب نبیوں سے بالاتر ہوتا ہے، وہی امت کے دینی و دنیوی سربراہ اور حاکم ہوتے ہیں، اور امت پر بلکہ ساری دنیا پر حکومت کرنا اُن کا اور صرف ان کا حق ہوتا ہے، ان کے علاوہ جو بھی حکومت کرے وہ غاصب و ظالم اور طاغوت ہے (خواہ وہ قرن اول کے ابوبکر وعمر اور عثمان (رضی اللہ عنہم) ہوں یا ان کے بعد کے زمانوں کے خلفاء و سلاطین اور ملوک یا ہمارے زمانے کے ارباب حکومت، بہرحال مذہب شیعہ کے اس بنیادی عقیدۂ امامت کی رو سے یہ سب غاصب و ظالم اور طاغوت ہیں، حکومت صرف اللہ تعالیٰ کے نامزد کیے ہوئے ائمہ معصومین کا حق ہے) اور جس طرح نبی پر ایمان لانا اور اس کو نبی ماننا شرط نجات ہے، اسی طرح ان اماموں کی امامت کو تسلیم کرنا اور ان کو اللہ کا مقرر کیا ہوا امام معصوم اور حاکم ماننا بھی نجات کی شرط ہے ——— اور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد سے اس دنیا کے خاتمہ تک یعنی قیامت تک کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بارہ[۱۲] امام نامزد ہیں، ان سب کو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ نامزد فرمایا

کردو ہمہ را برائے آنحضرت	لاد دیئے، اور پھر وہ سارے گناہ
	آنحضرت کی وجہ سے بخشدیئے۔
امر زید	
(حق الیقین ص۱۴۸)	

ناظرین باانصاف (شیعہ حضرات بھی) غور فرمائیں کیا یہ عیسائیوں کے کفارہ کے عقیدہ سے کچھ بھی مختلف ہے؟

آگے اسی روایت میں اسی صفحہ پر یہ بھی ہے ــــ کہ

مفصل پرسید اگر یکے از شیعان	مفصل نے دریافت کیا کہ اگر آپ کے
شما بمیرد و قرضے از برادران	شیعوں میں سے کوئی اس حالت میں
مومن در ذمہ او باشد چگونہ خواہد	مرجائے کہ اس کے ذمہ کسی مومن
شد؟ حضرت فرمود کہ اول مرتبہ	بھائی کا (یعنی کسی شیعہ ہی کا) قرض
حضرت مہدی ندا فرماید در تمام	ہو تو اس کا کیا انجام ہوگا؟ تو
عالم کہ ہر کہ قرضے بر یکے از شیعان	حضرت امام نے فرمایا کہ جب امام مہدی
ما داشتہ باشد بیاید و بگیرد پس	ظاہر ہوں گے تو وہ سب سے پہلے
ہمہ را بدہد و ادا فرماید۔	ساری دنیا میں یہ منادی کرائیں گے
(حق الیقین ص۱۴۸)	کہ ہمارے شیعوں میں سے اگر کسی پر

کسی کا قرضہ ہو تو وہ آئے اور ہم سے وصول کرلے۔ پھر آپ سب قرض خواہوں کا قرضہ ادا فرمادیں گے۔

کربلا کعبہ سے افضل اور برتر:

اسی "حق الیقین" میں ہے کہ امام جعفر صادق نے اپنے انہی مرید مفصل کو دینی حقائق ومعارف بتلاتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ۔

بدرستیکہ بقعہائے زمیں بایکدگر مفاخرت کردند، پس کعبۂ معظم بر کربلائے معلّٰی فخر کرد۔ حق تعالیٰ وحی فرمود بکعبہ کہ ساکت شود فخر بر کربلا مکن ...	واقعہ یہ ہے کہ زمین کے مختلف قطعات نے ایک دوسرے پر فخر اور برتری کا دعویٰ کیا، تو کعبہ معظمہ نے کربلائے معلّٰی کے مقابلہ میں فخر اور برتری کا دعویٰ کیا تو اللہ تعالیٰ نے کعبہ کو وحی فرمائی کہ خاموش ہو جاؤ! اور

کربلا کے مقابلہ میں فخر اور برتری کا دعویٰ مت کرو۔

آگے روایت میں ہے کہ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے کربلا کی وہ خصوصیات اور فضیلتیں بیان فرمائیں جن کی وجہ سے اس کا مرتبہ کعبہ معظمہ سے برتر اور بالاتر ہے۔ (حق الیقین ص ۱۴۵)

بعض انتہائی شرمناک مسائل

شیعہ حضرات کی مستند ترین کتابوں میں حضرات ائمہ معصومین سے بعض ایسے مسائل بھی روایت کیے گئے ہیں جو انتہائی شرمناک ہیں اور دل گواہی دیتا ہے کہ ہرگز ان مقدس بزرگوں نے ایسی بات نہ فرمائی ہوگی، واقعہ یہ ہے کہ ان مسائل کا نقل کرنا بھی اذیت ناک اور سخت ناگوار ہے لیکن ناظرین کو یہ بتلانے کے لیے کہ انکی معتبر ترین کتابوں میں ایسے مسائل بھی ائمہ کی طرف منسوب کر کے روایت کیے گئے ہیں دل پر جبر کر کے ان میں سے صرف ایک مسئلہ بطور مثال کے یہاں ذکر کیا جا رہا ہے ___ ان کی اصح الکتب "الجامع الکافی" کے دوسرے حصہ "فروع کافی" میں پوری سند کے ساتھ امام جعفر صادق کا یہ ارشاد اور فتویٰ روایت کیا گیا ہے۔

عن ابی عبد اللہ علیہ السلام النظر الی عورۃ من لیس	امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے آپ نے فرمایا کسی غیر مسلم (عورت

بسلم مثل نظرك الى عورة الحمار۔
(فروع کافی جلد دوم جز ثانی ص۱۰۱)

یا مرد کی شرمگاہ کو دیکھنا ایسا ہی ہے جیسا کہ گدھے کی (یعنی کسی جانور کی) شرمگاہ کو دیکھنا (مطلب یہ ہوا کہ یہ کوئی گناہ کی بات نہیں ہے)

خدا کے لیے شیعہ حضرات بھی غور فرمائیں حضرت امام جعفر صادق تو ایک مقدس بزرگ ہیں، کیا کوئی بھی سلیم الفطرت اور شریف انسان ایسی شرمناک اور حیا سوز بات زبان سے نکال سکتا ہے اور وہ بھی شرعی مسئلے اور فتوے کے طور پر؟

فروع کافی کے اس باب میں اس طرح کے اور بھی متعدد شرمناک اور حیا سوز مسائل حضرات "ائمہ معصومین" کی طرف منسوب کر کے روایت کیے گئے ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ یہ سب ان بزرگوں پر افترا ہے ـــــ ان حضرات کا دامن ان ساری خرافات سے پاک ہے۔

متعہ صرف جائز اور حلال ہی نہیں ہے نماز، روزہ اور حج سے بھی افضل عبادت ہے

متعہ شیعہ اثنا عشریہ کا مشہور مسئلہ ہے، لیکن بہت کم لوگ ہوں گے جو یہ جانتے ہوں کہ اثنا عشری مذہب میں متعہ صرف جائز اور حلال ہی نہیں ہے، بلکہ اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے، اور اس کا اجر و ثواب، نماز، روزہ اور حج جیسی عبادات سے بدرجہا زیادہ ہے ـــ اور بلاشبہ یہ شیعہ مذہب کی خصوصیات اور امتیازات میں سے ہے۔ ہمارے علم میں دنیا کا کوئی دوسرا ایسا مذہب نہیں جس میں کسی ایسے فعل کو اس درجہ کی عبادت اور ترقی درجات کا ایسا وسیلہ بتایا گیا ہو ـــ اس سلسلہ میں ان کی ایک مستند تفسیر "منہج الصادقین" کے حوالہ سے ایک روایت پہلے نقل کی جا چکی ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ نے فرمایا کہ جو شخص ایک دفعہ متعہ کرے وہ امام حسینؑ کا درجہ پائے گا، اور جو دو دفعہ کرے وہ امام حسنؑ کا اور جو تین دفعہ کرے وہ امیر المومنین علیؑ کا درجہ پائے گا اور جو چار دفعہ یہ نیک کام کرے وہ میرا (یعنی رسول پاکؐ) کا درجہ پائے گا (نعوذ باللہ)

تنہا یہی شیعی روایت یہ جاننے کے لیے کافی ہے کہ ان حضرات کے نزدیک متعہ، تمام عبادات سے افضل اور اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے، اُن کی کسی کتاب میں ہماری نظر سے نہیں گزرا کہ نماز، روزہ یا حج کرنے سے کوئی شخص ان "ائمۂ معصومین" اور خود رسول خدا کے درجہ پر فائز ہو جاتا ہے۔

اس کے بعد ناظرین کرام اسی موضوع سے متعلق دو تین روایتیں اور بھی ملاحظہ فرمالیں۔

علامہ مجلسی جن کی مختلف کتابوں کے حوالے سے بہت سی روایات پہلے بھی

ذکر کی جاچکی ہیں، اور یہ بھی بتلایا جاچکا ہے کہ وہ دسویں اور گیارہویں صدی ہجری کے بہت بڑے شیعہ مجتہد، محدث اور عظیم مصنف ہیں (ان کے تذکرہ نگاروں نے ان کی تصانیف کی تعداد ساٹھ بتلائی ہے جن میں سے ایک "بحارالانوار" پچیس ۲۵ جلدوں میں ہے، ان کے علاوہ "حیات القلوب" "جلاء العیون" "زادالمعاد" اور "حق الیقین" وغیرہ بھی ان کی ضخیم کتابیں ہیں، بلاشبہ ان کی یہ کتابیں شیعہ مذہب میں اُن کے علمی تبحر کی دلیل ہیں) ان کی زیادہ تر تصانیف فارسی زبان میں ہیں اور یہ بات بھی پہلے ذکر کی جاچکی ہے کہ روح اللہ خمینی صاحب نے اپنی کتاب "کشف الاسرار" میں فارسی دانوں کو مذہبی معلومات حاصل کرنے کے لیے ان کی کتابوں کے مطالعہ کا مشورہ دیا ہے، اور خود اپنی تصانیف میں بھی ان کی کتابوں کے حوالہ سے روایات نقل کی ہیں —— بہرحال انہی علامہ مجلسی کا متعہ کے موضوع پر ایک مستقل رسالہ ہے، یہ بھی فارسی زبان میں ہے۔ اُردو میں اس کا ترجمہ ("عجالہ حسنہ" کے نام سے) اب سے قریباً ستر سال پہلے ایک شیعہ عالم سید محمد جعفر قدسی جائسی نے کیا تھا جو اس وقت سے برابر چھپتا رہا ہے۔ اس وقت ہمارے سامنے اُس کا تازہ ایڈیشن ہے جو "امامیہ جنرل بک ایجنسی۔ لاہور" کا شائع کیا ہوا ہے —— علامہ مجلسی نے اس رسالہ میں متعہ کے آداب و احکام اور ضروری مسائل بھی لکھے ہیں اور فضائل بھی —— تمہیدی مضمون کے بعد پہلے اس کی فضیلت اور بے پایاں اجر و ثواب ہی کا بیان کیا گیا ہے، اس سلسلہ میں سب سے پہلے مندرجہ ذیل طویل "حدیث" نقل فرمائی ہے۔ اور علامہ مجلسی نے اس کو "صحیح حدیث" لکھا ہے۔ ذیل میں "عجالہ حسنہ" سے "حدیث" کا اُردو ترجمہ ہی درج کیا جارہا ہے۔ ناظرین کرام ملاحظہ فرمائیں!

"حضرت سلمان فارسی و مقداد بن اسود کندی اور عمار بن یاسر رضی اللہ عنہم حدیث صحیح روایت کرتے ہیں کہ جناب ختم المرسلین ؐ نے ارشاد فرمایا، جو

شخص اپنی عمر میں ایک دفعہ متعہ کرے گا وہ اہل بہشت میں سے ہے
جب زنِ متوعہ کے ساتھ متعہ کرنے کے ارادہ سے کوئی بیٹھتا ہے
تو ایک فرشتہ اترتا ہے اور جب تک اس مجلس سے وہ باہر نہیں
جاتے ان کی حفاظت کرتا ہے، دونوں کا آپس میں گفتگو کرنا تسبیح
کا مرتبہ رکھتا ہے، جب دونوں ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑتے ہیں
ان کی انگلیوں سے ان کے گناہ ٹپک پڑتے ہیں، جب مرد عورت کا
بوسہ لیتا ہے خدائے تعالیٰ ہر بوسہ پر انہیں ثواب حج و عمرہ بخشتا ہے۔
جس وقت وہ عیش مباشرت میں مشغول رہتے ہیں پروردگار عالم ہر
ایک لذت و شہوت پر ان کے حصہ میں پہاڑوں کے برابر ثواب عطا
کرتا ہے۔ جب فارغ ہو کر غسل کرتے ہیں۔ بشرطیکہ وہ اس کا
بھی یقین رکھتے ہوں کہ ہمارا خدا حق سبحانہ و تعالیٰ ہے، اور متعہ کرنا
سنّت رسول ہے۔ تو خدا ملائکہ کی طرف خطاب کرتا ہے کہ میرے
ان بندوں کو دیکھو جو اٹھے ہیں اور اس علم و یقین کے ساتھ غسل
کر رہے ہیں کہ میں ان کا پروردگار ہوں، تم گواہ رہو میں نے ان کے
گناہوں کو بخش دیا ہے۔ وقت غسل جو قطرہ اُن کے موئے بدن
سے ٹپکتا ہے ہر ایک بوند کے عوض میں دس ثواب عطا، دس دس
گناہ معاف اور دس دس درجہ مراتب اُن کے بلند کیے جاتے ہیں۔
راویانِ حدیث (سلمان فارسیؓ وغیرہ) بیان کرتے ہیں کہ امیر المومنین
علیؑ بن ابی طالب نے متعہ کی فضیلتیں سن کر عرض کیا، اے حضرت
ختمی مرتبت میں آپ کی تصدیق کرنے والا ہوں، جو شخص اس کارِ خیر
میں سعی کرے اس کے لیے کیا ثواب ہے؟ آپ نے فرمایا جس وقت

فارغ ہو کر غسل کرتے ہیں باری تعالیٰ عز اسمہ ہر قطرہ سے جو انکے بدن سے جدا ہوتا ہے ایک ایسا ملک (فرشتہ) خلق کرتا (پیدا کرتا) ہے جو قیامت تک تسبیح و تقدیس ایزدی بجالاتا ہے اور اس کا ثواب ان کو (یعنی متعہ کرنے والے مرد و عورت کو) پہنچتا ہے۔"

(عجالہ حسنہ ترجمہ رسالہ متعہ از علامہ باقر مجلسی اصفہانی ص۱۴ تا ۱۶ طبع لاہور)

اس طویل حدیث کے بعد علامہ مجلسی نے متعہ کی فضیلت میں دوسری یہ مختصر حدیث رقم فرمائی ہے۔

"حضرت سید عالم نے فرمایا "جس نے زنِ مومنہ سے متعہ کیا گویا اس نے ستر مرتبہ خانہ کعبہ کی زیارت کی (عجالہ حسنہ ص۱۶)

اس کے آگے اور بھی متعدد حدیثیں متعہ کی فضیلت اور اس کے اجر و ثواب سے متعلق ذکر کی گئی ہیں۔ اس سلسلہ کی آخری حدیث میں فرمایا گیا ہے۔

جس نے اس کارِ خیر (متعہ) میں زیادتی کی ہوگی پروردگار اس کے مدارج اعلیٰ کرے گا.... یہ لوگ بجلی کی طرح صراط سے گزر جائیں گے ان کے ساتھ ساتھ ستر صفیں ملائکہ کی ہوں گی، دیکھنے والے کہیں گے یہ ملائک مقرب ہیں یا انبیاء و رسل؟ فرشتے جواب دیں گے یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے سنت پیغمبر کی اجابت (بجاآوری) کی ہے (یعنی متعہ کیا ہے) اور وہ بہشت میں بغیر حساب داخل ہوں گے......

یا علی! برادر مومن کے لیے جو سعی کرے گا اس کو بھی انہی کی طرح ثواب ملے گا" (عجالہ حسنہ ص۱۶)

ناظرین کرام نے علامہ مجلسی کی نقل کی ہوئی ان شیعی روایات سے جو انھوں نے رسول پاک صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت کر کے اس رسالہ میں حوالہ قلم فرمائی ہیں سمجھ لیا

ہوگا کہ شیعہ مذہب میں متعہ نماز روزہ اور حج وغیرہ تمام ہی عبادات سے بدرجہا اعلیٰ اور افضل درجہ کی عبادت ہے ____

متعہ کیا ہے ؟ ہمارا اندازہ ہے کہ ناظرین کرام میں بہت سے حضرات متعہ کی حقیقت سے واقف نہ ہوں گے اس لیے مختصراً عرض کیا جاتا ہے۔

متعہ کا مطلب یہ ہے کہ کوئی مرد کسی بھی بے شوہر والی غیر محرم عورت سے، وقت کے تعین کے ساتھ مقررہ اجرت پر متعہ کے عنوان سے معاملہ طے کرلے تو اس وقت کے اندر اندر یہ دونوں مباشرت اور ہم بستری کرسکتے ہیں ۔ اس میں شاہد، گواہ، قاضی، وکیل کی اور اعلان کی بلکہ کسی تیسرے آدمی کے باخبر ہونے کی بھی ضرورت نہیں، چوری چھپے بھی یہ سب کچھ ہوسکتا ہے (اور معلوم ہوا ہے کہ زیادہ تر ایسا ہی ہوتا ہے۔ واللہ اعلم) متعہ کرنے والے مرد پر عورت کے نان نفقہ اور لباس، رہائش وغیرہ کی کوئی ذمہ داری نہیں ہوتی بس مقررہ اجرت ہی ادا کرنی ہوتی ہے۔ مقررہ مدت یا وقت ختم ہونے کے ساتھ متعہ بھی ختم ہوجاتا ہے۔ جناب روح اللہ خمینی صاحب کی "تحریر الوسیلہ" کے حوالہ سے یہ بات ناظرین کرام کو پہلے معلوم ہوچکی ہے کہ متعہ جسم فروشی کا پیشہ کرنے والی زنان بازاری سے بھی کیا جاسکتا ہے اور وہ صرف "گھنٹہ دو گھنٹے" کے لیے بھی ہوسکتا ہے ____

شیعہ حضرات کی معتبر ترین کتاب "الجامع الکافی" کے آخری حصہ "کتاب الروضہ" میں امام جعفر صادق کے ایک مخلص شیعہ محمد بن مسلم کا متعہ کا ایک واقعہ ذکر کیا گیا ہے متعہ کی حقیقت سمجھنے میں اس سے بھی مدد مل سکتی ہے اس لیے اختصار کے ساتھ اس کا بھی ذکر کیا جاتا ہے۔

خود محمد بن مسلم نے بیان کیا کہ میں نے ایک خواب دیکھا تھا، میں نے وہ خواب حضرت امام جعفر صادق کی خدمت میں عرض کیا اور اس کی تعبیر

چاہی .... حضرت امام نے اس کی یہ تعبیر دی کہ تم کسی عورت سے متعہ
کروگے، تمہاری بیوی کو اس کا پتہ چل جائے گا، وہ تم پر ٹوٹ
پڑے گی اور تمہارے کپڑے پھاڑ ڈالے گی ۔ (آگے محمد بن مسلم نے
بیان کیا) کہ یہ جمعہ کا دن تھا اور صبح کو حضرت امام نے میرے خواب
کی یہ تعبیر بتلائی تھی ۔ آگے اصل روایت کا متن بھی پڑھ لیا جائے۔

فلما كان غداة الجمعه
وانا جالس بالباب ان
مرت جارية فاعجبتني
فامرت غلامي فردها
ثم ادخلها لدي فتمتعت
بها فاحست بي وبها
اهلي فدخلت علينا البيت
فبادرت الجارية نحو
الباب فبقيت انا فمزقت
علىّ ثيابا جددا كنت
البسها في الاعياد
(کتاب الروضہ صہ ۱۳۷)

پھر اسی جمعہ کے دوپہر کو یہ واقعہ ہوا
کہ میں اپنے دروازہ پر بیٹھا تھا
سامنے سے ایک لڑکی گزری جو
مجھے بہت اچھی لگی، میں نے اپنے
غلام سے اس کو بلانے کے لیے کہا،
وہ اس کو لے آیا اور میرے پاس
پہنچا دیا، میں نے اس کے ساتھ متعہ
کیا۔ میری بیوی نے کسی طرح اس کو
محسوس کرلیا، وہ ایک دم اس کمرہ میں
گھس آئی، لڑکی تو فوراً دروازہ کی
طرف بھاگ گئی، میں اکیلا رہ گیا تو
بیوی نے میرے کپڑے جو میں عید وغیرہ
کے موقع پر پہنا کرتا تھا ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔

ہمارا خیال ہے کہ متعہ کی حقیقت سمجھنے کے لیے تنہا یہ روایت بھی کافی ہے۔ اصل قابل غور بات
یہ ہے کہ یہ ہے وہ متعہ جس کا وہ درجہ اور وہ اجر و ثواب ہے جو مندرجہ بالا روایات میں بیان
کیا گیا ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

حرفِ آخر

ایک نیازمندانہ اور مخلصانہ عرضداشت

کتاب کے "پیش لفظ" میں یہ بات وضاحت اور تفصیل سے عرض کی جاچکی ہے کہ جب سے ایران میں آیۃ اللہ روح اللہ خمینی صاحب کی قیادت میں انقلاب برپا ہوا ہے، یہ بات بہت زور و شور سے کہی، اور پروپیگنڈے کے تمام وسائل کے ذریعہ پھیلائی جارہی ہے کہ آیۃ اللہ روح اللہ خمینی صاحب کی ذات میں عالم اسلام کو وہ مثالی رہنما و قائد اور امام و رہبر مل گیا ہے جس کا صدیوں سے انتظار تھا، وہ اسلام کی نشأۃ ثانیہ کی علامت ہیں، ان کی للکار سے ایوانہائے کفر لرز اٹھے ہیں، اور ان کی شخصیت سے معاشرہ میں طبقہ علماء و فقہاء کا قائدانہ منصب بحال ہوگیا ہے۔ پوری قوت سے، بلا کسی تحفظ کے یہ بھی کہا جارہا ہے کہ خمینی صاحب، نہ روایتی شیعہ ہیں، نہ روایتی سنی، زیادہ سے زیادہ، ان کے بارے میں بس یہی کہا جاسکتا ہے کہ وہ فروعی مسائل میں فقہ جعفری پر عمل کرتے ہیں (اور یہ کوئی قابل اعتراض بات نہیں ہے) ورنہ اپنے افکار و نظریات، مزاج و منہاج اور اصول و عقائد کے اعتبار سے وہ اسلام اور صرف اسلام کے داعی ہیں۔ وحدتِ اسلامی اُن کا سب سے بڑا خواب ہے۔ وہ شیعہ سنی اختلاف سے بیزار ہیں، وہ خلفائے راشدین کا احترام کرتے ہیں اور شیعہ سنی اختلاف کی باتیں چھیڑنے والے کو شیطانی و طاغوتی طاقتوں کا آلۂ کار سمجھتے ہیں، ان کے انقلاب کے عالمگیر نعروں میں سے ایک،

ہے ـــــ پہلے امام حضرت علی مرتضیٰ تھے، ان کے بعد ان کے بڑے صاحبزادے حضرت حسن اُن کے بعد کے لیے اُن کے چھوٹے بھائی امام حسین (رضی اللہ عنہم) پھر اُن کے بعد انہی کی اولاد میں ترتیب وار نو اور حضرات ـــــ ان میں سے ہر ایک اپنے زمانے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کیا ہوا امام وخلیفہ اور امت کا دینی و دنیوی سربراہ و حاکم تھا (اگرچہ حالات کی ناسازگاری سے ایک دن کے لیے بھی ان کو حکومت حاصل نہ ہو سکی ہو)۔

ان میں سے پہلے گیارہ امام ـــــ حضرت علی مرتضیٰ سے لے کر گیارہویں امام حسن عسکری تک ـــــ اس دنیا میں جاری اللہ تعالیٰ کے عام نظام موت وحیات کے مطابق وفات پا گئے۔ گیارہویں امام حسن عسکری کی وفات ۲۶۰ھ میں ہوئی (جس پر قریباً ساڑھے گیارہ سو سال گزر چکے ہیں) شیعہ حضرات کا عقیدہ ہے، اور یہ ان کے بنیادی عقائد میں اور جزو ایمان ہے) کہ ان کے ایک بیٹے تھے جو صغر سنی ہی میں معجزانہ طور پر غائب ہو گئے اور سُرَّ مَنْ رای کے ایک غار میں روپوش ہو گئے، اب قیامت تک انہی کی امامت اور حکومت کا زمانہ ہے، اس پوری مدت تک کے لیے وہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کیے ہوئے امام زماں اور امت کے دینی و دنیوی سربراہ اور حاکم ہیں۔

شیعہ صاحبان کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ ان کے غائب اور غار میں روپوش ہو جانے کے بعد چند سال تک اُن کے خاص محرم راز سفیروں کی ان کے پاس خفیہ آمد و رفت بھی ہوتی تھی اُن کے ذریعہ اُن کے پاس شیعہ حضرات کے خطوط اور درخواستیں بھی پہنچتی تھیں اور انہی کے ذریعہ اُن کے جوابات بھی آتے تھے ـــــ مذہب شیعہ کی کتابوں میں اس چند سالہ زمانے کو **غیبت صغریٰ** کا زمانہ کہا گیا ہے ـــــ اس کے بعد سفیروں کی آمد و رفت کا یہ سلسلہ بھی منقطع ہو گیا اور امام غائب سے رابطہ قائم کرنے کا کسی کے لیے بھی کوئی امکان باقی نہیں رہا۔ (اس کو اب گیارہ سو سال ہو چکے ہیں) شیعہ حضرات کا عقیدہ ہے کہ وہ اسی طرح روپوش ہیں اور کسی وقت (جو اُن کے ظہور کے لیے مناسب ہوگا) غار سے

ثورۃ اسلامیہ، لاشیعیہ ولاسنیہ ہے۔ لہٰذا ان کا برپا کیا ہوا انقلاب صرف اور صرف "اسلامی انقلاب" ہے۔

غور فرمایا جائے، ایک عام مسلمان جس نے نہ خمینی صاحب کی تصانیف کا خود مطالعہ کیا ہے، نہ وہ ایرانی انقلاب کی فکری بنیادوں سے واقف ہے، نہ وہ شیعیت کے آغاز، اس کی تاریخ اور افکار و عقائد کے بارے میں کچھ جانتا ہے، نہ اس کو وہ ذوقِ ایمانی، اور قرآن وحدیث اور مزاج اسلامی کی وہ عمیق اور براہِ راست معرفت اور سمجھ حاصل ہے جو ان اوصاف کے حامل بندگانِ خدا کی تربیت سے ہی حاصل ہو سکتی ہے اور جو غلط فہمیوں، غلط اندازوں اور پرفریب نعروں کا شکار ہونے سے بچانے میں سب سے زیادہ کارآمد وسیلہ ثابت ہوتی ہے۔ مگر اسے تمنا ہے کہ وہ اپنے دین، اپنی تہذیب اور اللہ کے نام کو سربلند دیکھے لیکن اپنے گرد وپیش اور عالم اسلام کے حالات میں اسے ہر طرف حوصلہ شکن اور مایوس کن مناظر ہی نظر آتے ہیں، ایک ایسے شخص کو جس کا یہ حال ہو اگر ہم دیکھتے ہیں کہ وہ ایرانی انقلاب کے اس تعارف سے متاثر ہے جس کا خلاصہ اوپر کی سطروں میں عرض کیا گیا ہے اور وہ خمینی صاحب اور ان کے برپا کردہ انقلاب کی تائید کر رہا ہے تو اس میں ہمارے نزدیک نہ تعجب کی بات ہے نہ ملامت کی، بلکہ ہمارے نزدیک ہمارا وہ نیک نیت اور سادہ دل بھائی ہمدردی کا مستحق ہے۔

گذشتہ ڈھائی سو صفحات میں اس عاجز نے اس کی کوشش کی ہے کہ ایسے تمام حضرات کے سامنے

۱- ایرانی انقلاب کی مخصوص فکری بنیادیں واضح ہو جائیں۔

۲- خمینی صاحب کے افکار و نظریات اور ان کا مزاج ومنہاج انہی کی کتابوں سے سامنے آجائے۔

۳۔ شیعیت کے آغاز کی تاریخ اور اس کے بنیادی اصول وعقائد شیعہ مذہب کے ہی مستند ترین مآخذ کی روشنی میں ناظرین ملاحظہ فرمالیں ـــــ تاکہ ان تینوں موضوعات کے بارے میں علی وجہ البصیرۃ رائے قائم کی جاسکے۔

گذشتہ صفحات میں آپ نے جو کچھ پڑھا، اس کا حاصل چند سطروں میں یہ ہے کہ۔

۱۔ ایرانی انقلاب خمینی صاحب کے پیش کردہ فلسفہ "ولایت فقیہ" کی بنیاد پر قائم ہے اور "ولایت فقیہ" کا یہ فلسفہ امام مہدی کی غیبوبت کے عقیدہ پر مبنی ہے ـــ اور امام مہدی کی غیبوبت کی کہانی نہ صرف یہ کہ تاریخی طور پر ایک خرافہ ہے، بلکہ اسکے ماننے کا مطلب یہ ہے کہ امامت اور ائمہ کے اس پورے سلسلہ پر ایمان لایا جائے جو اثنا عشری امامی مذہب کی اساس و بنیاد ہے اور جو عقیدۂ توحید اور ختم نبوت کے بالکل منافی ہے ــــ اس ضمن میں یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ خمینی صاحب کے نزدیک امام مہدی کے ظہور تک اسلامی حکومت اسی ولایت فقیہ کے فلسفہ کے مطابق قائم کی جاسکتی ہے۔ اس کے بغیر اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا ـــــ جیسا کہ ان کی کتاب "الحکومۃ الاسلامیہ" میں پوری وضاحت سے لکھا گیا ہے۔

۲۔ جہاں تک خمینی صاحب کے افکار و نظریات کا تعلق ہے تو آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ:

ا۔ خمینی صاحب ائمہ کے بارے میں وہی خیالات رکھتے ہیں جو اثنا عشری امامی مسلک کے قدیم علماء و مصنفین رکھتے تھے۔ وہ پوری صراحت کے ساتھ ائمہ کو انبیاء و رسل اور ملائکہ سے افضل قرار دیتے ہیں بلکہ انھیں صفات الوہیت کا بھی حامل مانتے ہیں۔

ب۔ خمینی صاحب صحابہ کرام بالخصوص خلفائے ثلاثہ کے بارے میں انتہائی گھناؤنی اور ناپاک رائے رکھتے ہیں، وہ ان کے ایمان و اسلام کے بھی منکر ہیں

اور ان کا تذکرہ آخری درجہ کے پست کردار، اغراض کے بندے، اقتدار کے بھوکے اور خالص سازشی ذہن اور سیاسی ہتھکنڈوں والے منافقین کے ایک ٹولے کی حیثیت سے کرتے ہیں۔ اور اُن سے عقیدت ومحبت ہی کے جرم میں وہ اولین وآخرین اہل سنت کو ناقابل معافی مجرم، خدا ورسول کا باغی اور جہنمی قرار دیتے ہیں۔

الغرض ان دونوں مسئلوں میں جو بلاشبہ بنیادی اہمیت کے حامل ہیں وہ اپنے پیشرو غالی اثنا عشری علماء سے اپنی ان کتابوں کے صفحات میں بھی ذرہ برابر مختلف نہیں نظر آتے جو پورے عالم اسلام میں پھیل رہی ہیں جس کی غالب اکثریت سنی ہے (وما تخفی صدورھم اکبر)

۴۔ یہ معلوم ہونے کے بعد کہ ایرانی انقلاب کی بنیاد شیعہ مذہب کے چند بنیادی عقائد پر مبنی نظریات پر رکھی گئی ہے، اور پھر یہ معلوم ہونے کے بعد کہ جناب خمینی صاحب خالصۃً اثنا عشری امامی شیعہ مذہب کے راسخ العقیدہ عالم وداعی ہیں یہ معلوم ہونا ضروری ہے کہ یہ اثنا عشری امامی مذہب کب اور کیوں وجود میں آیا؟ اور اُس کے بنیادی اصول وعقائد کیا ہیں؟ تاکہ ان کی روشنی میں ہم میں سے ہر شخص خود اس بارے میں آزادانہ رائے قائم کر سکے کہ ان عقائد ونظریات کے حامل شخص اور ان پر مبنی انقلاب دعوت انقلاب کا محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے اسلام سے کس حد تک تعلق تسلیم کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ اسی ضرورت سے ناچیز راقم سطور نے اس مذہب کے تقریباً تمام ہی اہم مآخذ کا ازسرنو مطالعہ کیا، اس مطالعہ کا صرف حاصل اس کتاب کے دو سو سے زائد صفحات میں پیش کیا جا سکا ہے۔ آپ نے اس میں ملاحظہ فرمایا کہ۔

ا۔ شیعیت، اسلام کی اندر سے تخریب کاری اور مسلمانوں میں اختلاف وشقاق پیدا کرنے کے لیے یہودیت ومجوسیت کی مشترکہ کاوش سے اس وقت وجود میں

آئی تھی جب یہ دونوں قوتیں طاقت کے بل پر اس کی برق رفتاری سے پھیلتی ہوئی دعوت کو روکنے میں ناکام رہی تھیں اور اسی لیے شیعیت کا تانا بانا پولوس کی تصنیف کردہ مسیحیت کے تانے بانے سے بہت کچھ ملتا جلتا ہے۔ جس نے عیسائی بن کر اندر سے عیسائیت کی تحریف اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لائے ہوئے دین حق کی تخریب کی کامیاب کوشش کی تھی، جس کا نتیجہ موجودہ عیسائی مذہب ہے۔

ب ۔ شیعیت، خاص کر اثنا عشری مذہب کا اساسی و بنیادی عقیدہ "امامت" ہے۔ اتنی بات، اتنے ہی اجمال و ابہام کے ساتھ عام طور سے ہم سنی لوگ جانتے ہیں لیکن منصب امامت کی جو حقیقت اور ائمہ کا جو درجہ، اور اُن کے اختیارات کا جو طول و عرض آپ نے گزشتہ صفحات میں ملاحظہ فرمایا ہے اس سے اس مسئلہ کی ایک بالکل نئی تصویر سامنے آتی ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ منصب امامت الوہیت و نبوت کا ایک مرکب ہے اور اس منصب کے حامل ائمہ خداوندی صفات و اختیارات اور مقام نبوت دونوں کے جامع ہیں یعنی عقیدۂ امامت کی زد براہ راست عقیدہ توحید اور عقیدۂ ختم نبوت پر پڑتی ہے۔

پھر آپ نے گذشتہ صفحات میں اثنا عشری مذہب کے چند اور عقائد و مسائل ملاحظہ فرمائے جو فی الحقیقت عقیدۂ امامت ہی کے لازمی نتائج میں سے ہیں، جن میں سرفہرست قرآن میں تحریف کا عقیدہ اور تمام صحابہ کرام، ازواج مطہرات اور بالخصوص خلفائے ثلاثہ کے بارے میں سب و شتم ہی نہیں، ان کو منافق، کافر، زندیق اور مرتد قرار دینے والے وہ فتوے ہیں جو کسی بدسے بدتر کافر و زندیق کے بارے میں ہی صادر کیے جا سکتے ہیں۔

اسی ضمن میں آپ نے اثنا عشری مذہب کے دو اہم اصولوں اخفاء و کتمان

(رازداری) اور تقیہ کے بارے میں چند روایات ملاحظہ فرمائیں جو اسلام کو ایک ایسے نظام تربیت کی شکل میں پیش کرتی ہیں جو اپنے ہر پیرو کو ذلیل قسم کے نفاق، عیاری ومکاری اور بزدلی وروباہی سکھاتا ہے۔

پھر عقیدۂ امامت ہی کے لوازم ونتائج میں سے ایک اہم عقیدہ، عقیدۂ رجعت کے بارے میں بھی آپ نے پڑھا، خدارا سوچا جائے کیا اس کا اسلام کے ساتھ کوئی جوڑ ہے؟ ـــ

نیز امام غائب کی پیدائش، غیبوبت اور پھر ظہور کے بارے میں وہ دیومالائی کہانیاں بھی پڑھیں جن سے اُس صاف، مطابق عقل وفطرت، اور نکھرے ہوئے اسلام کی جگہ جس کی دعوت وتعلیم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی۔ ایک عجیب وغریب اساطیری وطلسماتی دین نگاہوں کے سامنے آتا ہے جو اوہام وخرافات من گھڑت کہانیوں، اور بے سرپا روایات سے مرکب کسی دوسرے دیومالائی مذہب سے کم نہیں ـــ پھر اثنا عشری مذہب کے کچھ اور عقائد ومسائل کے ضمن میں بعض شرمناک مسائل اور متعہ کے بارے میں آپنے جو تفصیلات پڑھیں جن کا پڑھنا یقیناً آپ کے ذوق پر بہت گراں گزرا ہوگا، اور ناچیز کا قلم بھی جس کے لکھنے سے بار بار رکا، لیکن بالآخر یہ سوچ کر کہ اثنا عشری مذہب کے تعارف میں بڑی کمی اس کے بغیر رہ جائے گی، مجبوراً اسے لکھا۔

اب یہ راقم الحروف اپنے ان تمام بھائیوں اور عزیزوں سے، خواہ وہ دنیا کے کسی حصے میں ہوں، اور کسی بھی حلقے یا مکتب فکر سے ان کا تعلق ہو، محض لوجہ اللہ نیازمندانہ اور مخلصانہ طور پر عرض کرتا ہے کہ ایرانی انقلاب اور اسکے قائد آیۃ اللہ روح اللہ خمینی صاحب کے وہ افکار اور ان کے مسلک اثنا عشری کے متعلق وہ حقائق معلوم ہونے کے بعد جو تفصیل کے ساتھ کتاب میں عرض کیے گئے اور جن کا خلاصہ سطور بالا میں عرض کیا گیا، آپ اس مسئلہ پر ازسر نو غور

فرمائیں۔ جب تک حقائق کا علم تفصیلی نہیں ہوتا مسئلہ کی نوعیت کچھ اور ہوتی ہے، لیکن علم ہو جانے کے بعد مسئلہ کی نوعیت بدل جاتی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ میرے جن بھائیوں نے بخاص کر امت اسلامیہ کے ان عزیز نوجوانوں نے جو مدت دراز کے جمود و تعطل سے اکتا گئے ہیں اور اسلام دشمن طاقتوں کی ذلت اور اسلام کو سربلند دیکھنے کے لیے بے چین و بے قرار ہیں، محض اسلامی حمیت اور غلبۂ اسلام کی امید سے ایرانی انقلاب اور اس کے قائد جناب خمینی صاحب کا استقبال سرگرم تائید و محبت سے کیا تھا، اب وہ اپنے اس رویہ پر ایک سچے خدا پرست مسلمان کی طرح نظر ثانی کریں گے ۔۔۔

بلاشبہ اس بارے میں اُن جماعتوں، تنظیموں اور ان کے اخبارات و رسائل کی ذمہ داری دوچند ہے جن سے اس بارے میں حقائق سے ناواقفی ہی کی وجہ سے غلطی ہوئی ۔۔۔ امید ہے کہ یہ حضرات اس غلطی کی اصلاح و تلافی اور امت مسلمہ کے عام افراد پر پڑنے والے اس کے اثرات کے ازالہ کی کسی کوشش سے دریغ نہیں فرمائیں گے۔

قرآن مجید کے بالکل آغاز میں اور اس کے بعد بھی جا بجا غلطی اور غلط کام کرنے والے دو کرداروں کا ذکر ہماری رہنمائی اور سبق آموزی کے لیے کیا گیا ہے۔ ایک ابلیس کا کہ اُس نے بھی ایک غلط کام کیا حکم الٰہی کی نافرمانی کی، پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے تنبیہ اور باز پرس کے بعد بھی اس نے غلطی سے رجوع اور توبہ استغفار کے ذریعہ تلافی کی کوشش نہیں کی بلکہ غلطی کی تاویل و توجیہ کر کے اس کو صحیح ثابت کرنے کی کوشش کی ۔۔۔ اور اس کے مقابلہ میں دوسرا کردار ہمارے ابوالآباء حضرت آدم علیہ السلام کا ذکر کیا گیا ہے کہ ان سے بھی ایک غلطی اور بظاہر اللہ کے ایک حکم کی نافرمانی ہوئی لیکن جب ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے غلطی پر متنبہ کیا گیا تو انھوں نے اپنی غلطی کی کوئی تاویل نہیں کی بلکہ اپنے قصور کا اعتراف کر کے عرض کیا۔ ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفرلنا وترحمنا لنکونن

من الخسرین ٥ پھر قرآن پاک میں دونوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے معاملہ اور انجام کا بھی ذکر فرمایا گیا۔

بہر حال ہمارے جن بھائیوں سے خمینی صاحب کے بارے میں غلطی ہوئی (جو یقیناً سنگین غلطی تھی) اللہ تعالیٰ ان کو توفیق دے کہ وہ سیدنا آدم علیہ السلام کی سنت کو اپنائیں اور رب کریم کی مغفرت و رحمت اور جنت کے مستحق ہوں۔ اللہ تعالیٰ اس عاجز راقم سطور کو بھی ہمیشہ اپنے قصوروں کے احساس و اعتراف اور توبہ و استغفار کی توفیق عطا فرمائے۔ ویتوب اللہ علی من تاب

حضرات علمائے کرام کی خدمت میں

اس کتاب میں آپ نے شیعہ اثنا عشریہ کی مستند ترین کتابوں اور ان کے مسلّم علماء و مجتہدین کی واضح تصریحات کی روشنی میں ملاحظہ فرمایا کہ ان کے اساسی عقیدۂ امامت کی حقیقت کیا ہے، اور یہ کہ اس کا درجہ نبوت سے برتر اور ائمہ کا مقام و مرتبہ انبیاء و مرسلین سے بالاتر ہے، اور وہ خداوندی صفات و اختیارات کے بھی حامل ہیں، اور یہ کہ حضرات خلفائے ثلاثہ اور ان کے رفقا تمام اکابر صحابہ، منافق، اللہ و رسول کے غدار، جہنمی اور لعنتی ہیں، اور ام المومنین عائشہ و حفصہ منافقہ تھیں، انھوں نے زہر دے کر حضورؐ کو ختم کیا اور قرآن مجید محرف ہے۔ ان کے علاوہ بھی اثنا عشریہ کے جو معتقدات آپ کے سامنے آئے امید ہے کہ اس کے بعد آپ اس مذہب اور اس کے پیروؤں کے اسلام سے تعلق کے بارے میں کتاب و سنت کی روشنی میں قطعیت کے ساتھ فیصلہ فرماسکیں گے۔ آپ دین کے امین ہیں اور زیغ و ضلال سے امت کی حفاظت آپ کا فریضہ ہے۔ واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل ٥

محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

یہ کتاب
اکابر و مشاہیر کی نظر میں

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

"اس سلسلہ کی ایک کڑی رفیق محترم مولانا محمد منظور صاحب نعمانی کی یہ فاضلانہ اور محققانہ کتاب ہے،.... اس کتاب میں مذہب شیعہ کی مستند تاریخ، اس کے عقائد و مسلمات کا آئینہ، اور عقائد کا علمی و تحلیلی تجزیہ، ان کے نتائج کا استخراج، کتاب و سنت اور مستند تاریخ سے ان کا موازنہ اور عقائد اسلامی پر ان کے اثرات کی پوری بحث آگئی ہے، خاص طور پر مسئلہ امامت اور تحریف کے بارے میں کتب شیعہ کی روشنی میں اور ان کے حوالوں سے اتنا مواد جمع ہوگیا ہے جو کم کتابوں میں ہوگا....... اس طرح یہ کتاب اس موضوع پر ایک جامع، پُر از معلومات اور فکر انگیز کتاب بن گئی، جس کے مطالعہ سے ہر صاحب انصاف شیعیت کی حقیقت، امامت و عقیدۂ تحریف کے خطرناک نتائج تک اور اسلام اور مسلمین اوّلین کے بارے میں اس خطرناک بے اعتمادی کی حقیقت تک پہنچ سکتا ہے جو یہ عقائد ان مسلمانوں میں جن کا مطالعہ عمیق اور وسیع نہیں ہے اور غیر مسلموں میں پیدا کر سکتے ہیں....."

(ماخوذ از مقدمہ)

مولانا سعید احمد اکبر آبادی

"...... اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے ہمارے برادر محترم مولانا محمد منظور نعمانی کو کہ انھوں نے نہایت محنت اور جاں نشانی سے ان کتابوں کا براہِ راست مطالعہ کیا جو خود علامہ خمینی کے قلم کی رہین منت ہیں۔ اور اس دقیق اور عمیق و وسیع مطالعہ کے نتائج صاف اور شستہ زبان میں نہایت سنجیدگی اور متانت کے ساتھ ماہنامہ الفرقان کی گزشتہ چند اشاعتوں میں شائع کر دیئے ہیں۔

میں نے مولانا کے یہ مقالات بڑی دلچسپی سے از اوّل تا آخر پڑھے اور اب میں یہ اعلان کرتا ہوں ـــ کہ ایرانی انقلاب یا موجودہ ایرانی حکومت کے متعلق میں نے اب تک "برہان" میں جو کچھ لکھا ہے، میں اس سے رجوع کرتا ہوں۔

مولانا کے یہ مضامین اس درجہ اہم اور بصیرت افروز ہیں کہ اُن کے مطالعہ کے بعد میں نہیں سمجھتا کہ کوئی بھی صحیح العقیدہ مسلمان ان سے اختلاف کی جرأت کر سکتا ہے....."

(ماہنامہ برہان بابت ماہ اکتوبر ۸۴ء)

(یہ مضامین جن کا مولانا اکبرآبادی نے اِن سطور میں حوالہ دیا ہے، اس کتاب کا ابتدائی حصہ ہیں۔)

Printed by : CLASSIC PRINTERS, Near Kaiserbagh Kotwali Lucknow.

نکل کر تشریف لائیں گے ـــــ جب بھی ایسا وقت آئے ـــــ اس وقت تک کا زمانہ شیعہ حضرات کی خاص اصطلاح میں غَیْبَتِ کُبریٰ کا زمانہ کہا جاتا ہے۔

ملحوظ رہے کہ مذہب شیعہ کی رو سے یہ عقیدۂ امامت، توحید، رسالت اور عقیدۂ آخرت کی طرح اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے اس کے نہ ماننے والے توحید، رسالت و آخرت کے منکرین ہی کی طرح غیر مومن، غیر ناجی اور جہنمی ہیں ـــــ جیسا کہ عرض کیا جاچکا ہے اس کے بارے میں مذہب شیعہ کی بنیادی کتابوں کی تصریحات اور ان کے ائمہ معصومین کے ارشادات ناظرین کرام انشاء اللہ اپنے موقع پر اسی مقالہ میں ملاحظہ فرمائیں گے ـــــ اس وقت تو عقیدۂ امامت اور امام آخر الزماں کی غیبت کبریٰ کا یہ اجمالی بیان صرف اس لیے کیا گیا ہے کہ امام خمینی کے برپا کیے ہوئے ایرانی انقلاب کو اس کے بغیر سمجھا نہیں جا سکتا تھا ـــــ اسی لیے ہم نے اس عجیب و غریب عقیدہ پر یہاں کوئی تنقید بھی نہیں کی ہے، صرف وہ بیان کر دیا ہے جو اُن حضرات کا مسلمہ عقیدہ ہے اور مذہب شیعہ کی بنیادی کتابوں اور ان کے ائمہ معصومین کے ارشادات سے معلوم ہوا ہے۔

"الحکومۃ الاسلامیہ" کی روشنی میں ایرانی انقلاب کی بنیاد

جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا ہے خمینی صاحب کی کتاب "الحکومۃ الاسلامیہ" ان کے برپا کیے ہوئے اس انقلاب کی مذہبی و فکری بنیاد ہے۔ قریباً ڈیڑھ سو صفحہ کی اس کتاب میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ بارھویں اور آخری امام (مہدی منتظر) کی غیبتِ کبریٰ کے اس زمانے میں جس پر ہزار سال سے زیادہ گزر چکے ہیں اور بقول امام خمینی ہو سکتا ہے کہ ہزاروں سال کا زمانہ اسی طرح اور گزر جائے[1] فقہا یعنی شیعہ مجتہدین کا حق بلکہ ان کی

---

[1] امام خمینی نے اس موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے "الحکومۃ الاسلامیہ" میں لکھا ہے: (بقیہ آگے صفحہ پر)

ذمہ داری اوران کا فرض ہے کہ وہ امام آخرالزماں (امام غائب) کے نائب اور قائم مقام کی حیثیت سے حکومت کا نظام اپنے ہاتھ میں لینے کی جدوجہد کریں اور جب ان مجتہدین میں سے کوئی ایسا فرد جو اس کی اہلیت وصلاحیت رکھتا ہو اس مقصد کے لیے اٹھ کھڑا ہو اور جدوجہد کرے تو وہ معاشرے اور حکومت سے متعلق معاملات میں امام ہی کی طرح بلکہ خود نبی ورسول کی طرح واجب الاطاعت ہوگا، اسی کتاب میں ولایۃ الفقیہ کا عنوان قائم کر کے خمینی صاحب نے لکھا ہے:

واذا نهض بامر تشكيل الحكومة	اور جب کوئی فقیہ (مجتہد) جو صاحب علم ہو عادل
فقيه عالم عادل فانه يلي من امور	ہو حکومت کی تشکیل و تنظیم کے لیے اٹھ کھڑا
المجتمع ما كان يليه النبي (ص)	ہو تو اس کو معاشرے کے معاملات میں وہ سارے
منهم، ووجب على الناس ان	اختیارات حاصل ہوں گے جو نبی کو حاصل تھے اور سب
يسمعوا له ويطيعوا ويملك هذا	لوگوں پر اس کی سمع وطاعت واجب ہوگی۔ اور
الحاكم من امر الادارة والرعاية	یہ صاحب حکومت فقیہ و مجتہد حکومتی نظام اور
والسياسة للناس ما كان يملكه	عوامی وسماجی مسائل کی نگہداشت اور امت کی سیاست
الرسول (ص) وامير المومنين (ع)	کے معاملات میں اسی طرح مالک و مختار ہوگا جس طرح نبیؐ
(الحكومة الاسلامية ص ۴۹)	اور امیر المومنین علی علیہ السلام مالک و مختار تھے۔

(بقیہ صفحہ گذشتہ) قد مر على الغيبة الكبرى لامامنا	ہمارے امام مہدی کی غیبت کبریٰ پر ایک ہزار
المهدى اكثر من الف عام وقد	سال سے زیادہ گزر چکے اور ہو سکتا ہے کہ
تمر الوف السنين قبل ان تقتضى	ہزاروں سال اس وقت کے آنے سے پہلے اور گزر
المصلحة قدوم الامام	جائیں جب مصلحت کا تقاضا ان کے ظہور
المنتظر ص ۲۶	کا ہو اور وہ تشریف لائیں۔

نیز اسی کتاب میں آگے امام خمینی نے ایک موقع پر تحریر فرمایا ہے:

ان الفقہاء ہم اوصیاء الرسول (ص)	فقہاء (یعنی مجتہدین) ائمہ معصومین کے بعد
من بعد الائمہ وفی حال	اور ان کی غیبت کے زمانے میں رسول خدا
غیابہم وقد کلفوا بالقیام	کے وصی ہیں اور وہ مکلف ہیں ان سب امور و
بجمیع ما کلف الائمہ (ع)	معاملات کی انجام دہی کے جن کی انجام دہی کے
بالقیام بہ ص۷۵	مکلف ائمہ علیہم السلام تھے۔

الغرض امام خمینی کے ذریعہ ایران میں جو انقلاب برپا ہوا اُس کی یہی مذہبی اور فکری بنیاد ہے اور اُن کی حیثیت دوسرے ملکوں کے قائدین انقلاب اور سربراہان حکومت کی نہیں بلکہ مذہب شیعہ کی اساس و بنیاد عقیدۂ امامت اور امام آخر الزماں کی غیبت کبریٰ اور اس غیبت کبریٰ کے زمانے میں "ولایت فقیہ" کے اصول و نظریے کی بنیاد پر وہ شیعوں کے بارھویں امام معصوم (امام غائب) کے قائم مقام، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی اور اس حیثیت سے امام اور نبی ہی کی طرح واجب الاطاعت ہیں اور اُن کے سارے اقدامات اور ساری کارروائیاں اسی حیثیت سے ہیں ___ جہاں تک ہمارا مطالعہ اور ہماری اطلاع ہے انھوں نے اپنی اس حیثیت پر پردہ ڈالنے کی کبھی کوئی کوشش نہیں کی ہے اور ان کی اس حیثیت کا لازمی تقاضا ہے کہ وہ پورے عالم اسلام بلکہ ساری دنیا کو اپنے زیر حکومت اور تحت اقتدار لانے کی جدوجہد کریں۔

یہ بھی ظاہر ہے کہ امام خمینی نے "ولایۃ الفقیہ" کے نظریہ کے بارے میں (جو اس انقلاب کی بنیاد ہے) جو کچھ "الحکومۃ الاسلامیہ" میں لکھا ہے اُس میں پوری صفائی کے ساتھ اس کا اظہار ہے کہ اس نظریہ کی بنیاد پر صرف وہ شیعہ فقیہ و مجتہد ہی امت کا امام و سربراہ حکومت ہو سکے گا جو عقیدۂ امامت اور امام آخر الزماں کی دنیا میں موجودگی اور گیارہ سو سال سے ان کی غیبت کبریٰ کے زمانے میں "ولایت فقیہ" کے نظریے کو بھی تسلیم کرتا ہو۔

کیا اس کے بعد اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش ہے کہ اس انقلاب کو "خالص اسلامی انقلاب" کہنا اور اجتماعات اور کانفرنسوں میں "ثورة اسلامية لاشيعية ولا سنية" کے نعرے لگوانا ایسا فریب ہے جس میں صرف وہی لوگ مبتلا ہو سکتے ہیں جنھوں نے اس انقلاب کے بارے میں ضروری معلومات حاصل کرنے کی بھی کوشش نہ کی ہو ـــــ

ایرانی انقلاب کی نوعیت کے بارے میں ہم اتنا ہی عرض کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔ اس کے بعد خمینی صاحب کی شخصیت بالخصوص ان کی مذہبی حیثیت کے بارے میں اختصار ہی کے ساتھ وہ عرض کرنا ہے جو ان کی تصانیف کے مطالعہ سے معلوم ہوا ہے۔

کسی تحریک خاص کر کسی انقلاب کے بارے میں رائے قائم کرنے کے لیے اس کے قائد کے نظریات و معتقدات کا جاننا جیسا ضروری ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ اس طرف سے غفلت وہی شخص جائز سمجھ سکتا ہے جس کے نزدیک ایمان اور عقیدے کی کوئی اہمیت نہ ہو وہ بس حکومت اور اقتدار ہی کو دین و ایمان سمجھتا ہو۔

ابھی نصف صدی بھی نہیں گزری ہے کہ ہمارے اسی ملک میں علامہ عنایت اللہ مشرقی اور ان کی خاکسار تحریک کا غلغلہ بلند تھا، ان کا فلسفہ اور ان کی دعوت یہی تھی کہ مادی قوت اور اقتدار و حکومت ہی حقیقی ایمان و اسلام ہے اور اس بنا پر ہمارے اس زمانے میں "مومنین صالحین" کا مصداق وہ یورپین اقوام ہیں جن کے پاس قوت و اقتدار ہے، اُن کی ضخیم کتاب "تذکرہ" جو ان کی دعوت و تحریک کی بنیاد تھی اس میں اُسی نظریہ اور فلسفہ کو قرآن پاک سے بھی ثابت کرنے کی کوشش کی گئی تھی ـــــ ہم میں سے جنھوں نے وہ زمانہ دیکھا ہے ان کو یاد ہوگا کہ ایک خاص ذہن رکھنے والا نوجوان طبقہ کیسے جوش و خروش سے ان کی دعوت پر لبیک کہہ رہا تھا اور ان کے لشکر میں شامل ہو رہا تھا ـــــ درحقیقت ملت میں ایسے لوگوں کا وجود ہمارے لیے سامان عبرت ہے ـــــ

ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ هديتنا وهب لنا من لدنك رحمة انك انت الوهاب۔

امام خمینی اپنی تصانیف میں

امام روح اللہ خمینی، صاحبِ تصنیف عالم ہیں، مجھے ان کی دو کتابیں دستیاب ہوسکیں[1] جو ان کی تصانیف میں خاص اہمیت رکھتی ہیں ــــــ ایک "الحکومۃ الاسلامیۃ" جس کا ذکر پہلے آچکا ہے اور جیسا کہ عرض کیا گیا یہ ان کی انقلابی تحریک و دعوت کی بنیاد ہے اور اُن کی شخصیت اور مذہبی معتقدات کو جاننے کے لیے بھی بڑی حد تک یہی کتاب کافی ہے ــــــ دوسری کتاب "تحریر الوسیلہ" یہ غالباً ان کی سب سے بڑی تصنیف ہے اس کا موضوع فقہ ہے، یہ بڑی تقطیع کی دو ضخیم جلدوں میں ہے، ہر جلد کے صفحات ساڑھے چھ سو کے قریب ہیں۔ یہ بلاشبہ اپنے موضوع پر بڑی جامع اور مبسوط کتاب ہے۔ طہارت یعنی استنجا اور غسل و وضو سے لے کر وراثت تک کے تمام فقہی ابواب پر حاوی ہے، زندگی میں جو مسائل لوگوں کو پیش آتے ہیں راقم سطور کا خیال ہے کہ ان میں کم ہی مسئلے ایسے ہوں گے جن کا جواب مذہب شیعہ کی رو سے اس کتاب میں نہ مل سکے، طرزِ بیان بہت ہی صاف اور سلجھا ہوا ہے، بلاشبہ اُن کی یہ تصنیف اپنے مذہب میں اُن کے علمی تبحر اور بلند مقامی کی دلیل ہے۔

خمینی صاحب کے جو نظریات و معتقدات اُن کی ان کتابوں کے مطالعہ سے معلوم ہوئے ہیں وہ انہی کی عبارتوں اور انہی کے الفاظ میں ان صفحات میں ناظرین کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں ــــــ مقصد صرف یہ ہے کہ جو حضرات نہیں جانتے اور اس لاعلمی کی وجہ سے اُن کے بارے میں غلط فہمی میں مبتلا ہیں وہ جان لیں ــــــ لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ ؕ

[1] ان کی تیسری کتاب "کشف الاسرار" بعد میں حاصل ہوئی۔

اپنے ائمہ کے بارے میں خمینی صاحب کے معتقدات

اس سلسلہ میں پہلی اصولی اور جامع بات تو یہ ہے کہ امام خمینی شیعوں کے فرقہ اثنا عشریہ کے بلند پایہ مجتہد اور امام و پیشوا ہیں اس لیے مسئلہ امامت اور ائمہ کے بارے میں اثنا عشریہ کے جو مخصوص عقائد و نظریات ہیں، جو ان کے نزدیک جزو ایمان ہیں وہ سب امام خمینی صاحب کے بھی معتقدات ہیں، اور ایک راسخ العقیدہ اور متصلب شیعہ مجتہد کی طرح وہ اُن پر ایمان رکھتے ہیں ـــــ ناظرین کرام انشاء اللہ ان عقائد و نظریات کو پوری تفصیل کے ساتھ اسی مقالہ میں آگے اپنے مقام پر ملاحظہ فرمائیں گے۔ اس سلسلہ میں جو کچھ لکھا جائے گا وہ مذہب شیعہ کی بنیادی کتابوں کی عبارات اور ان کے "ائمہ معصومین" کے ارشادات ہوں گے ہم صرف ان کو نقل کریں گے اور اپنے ناظرین کے لیے اردو ترجمہ کی خدمت انجام دیں گے۔ اسی سے امام خمینی کے معتقدات کسی قدر تفصیل اور وضاحت کے ساتھ ناظرین کو معلوم ہو سکیں گے۔ اس وقت تو ہم خود ان کی کتاب "الحکومۃ الاسلامیہ" ہی سے (جو ان کی انقلابی تحریک و دعوت کی بنیاد ہے) اپنے ائمہ کے بارے میں ان کے چند معتقدات ناظرین کرام کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

کائنات کے ذرہ ذرہ پر ائمہ کی تکوینی حکومت

"الحکومۃ الاسلامیہ" میں "الولایۃ التکوینیہ" کے زیر عنوان خمینی صاحب نے تحریر فرمایا ہے۔

فان للامام مقاما محمودا ودرجۃ	امام کو وہ مقام محمود اور وہ بلند درجہ اور
سامیۃ وخلافۃ تکوینیۃ تخضع	ایسی تکوینی حکومت حاصل ہوتی ہے

لولایتها وسیطرتها جمیع	کہ کائنات کا ذرہ ذرہ اس کے حکم واقتدار
ذرات الکون ص۵۲	کے سامنے سرنگوں اور تابع فرمان ہوتا ہے[1]

ائمہ کا مقام ملائکہ مقربین اور انبیاء و مرسلین سے بالاتر ہے

اسی عنوان "الولایۃ التکوینیۃ" کے تحت اور اسی سلسلۂ کلام میں خمینی صاحب آگے فرماتے ہیں:

وان من ضروریات مذهبنا	اور ہمارے مذہب (شیعہ اثنا عشریہ) کے
ان لائمتنا مقاما لایبلغه ملك	ضروری اور بنیادی عقائد میں سے یہ
مقرب ولا نبی مرسل ص۵۲	عقیدہ بھی ہے کہ ہمارے ائمہ معصومین کو وہ

مقام و مرتبہ حاصل ہے جس تک کوئی مقرب فرشتہ اور نبی مرسل بھی نہیں پہنچ سکتا۔

ائمہ اس عالم کی تخلیق سے پہلے انوار و تجلیات تھے جو عرش الٰہی کو محیط تھے۔ ان کے درجہ اور مقام قرب کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

اسی عنوان "الولایۃ التکوینیۃ" کے تحت اور اسی سلسلۂ کلام میں آگے خمینی صاحب نے

---

[1] اس وقت ہمارا مقصد امام خمینی اور ان کے فرقہ شیعہ اثنا عشریہ کے عقائد سے ناواقفوں کو صرف واقف کرانا ہے۔ ان کے بارے میں بحث و تنقید اس وقت ہمارے موضوع سے خارج ہے تاہم یہاں اتنا عرض کر دینا ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ جمہور امت مسلمہ کے نزدیک یہ شان صرف اللہ تعالیٰ کی ہے کہ کائنات کے ذرہ ذرہ پر اس کی حکمت اور فرمانروائی ہے اور ساری مخلوق اس کے تکوینی حکم کے سامنے سرنگوں اور تابع فرمان ہے۔ یہ شان کسی نبی و رسول کی بھی نہیں۔ قرآن پاک کی بیشمار آیات میں اس کا اعلان فرمایا گیا ہے لیکن خمینی صاحب اور ان کے فرقہ اثنا عشریہ کا عقیدہ اور ایمان یہی ہے کہ کائنات کے ذرہ ذرہ پر حکومت واقتدار ان کے ائمہ کو حاصل ہے۔

تحریر فرمایا ہے۔

وبموجب مالدینا من الروایات	اور جو روایات واحادیث (یعنی شیعی
والاحادیث فان الرسول	روایات واحادیث) ہمارے سامنے ہیں
الاعظم (ص) والائمہ (ع)	اُن سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اعظمؐ
کانوا قبل ھذ العالم انواراً	اور ائمہؑ اس عالَم کے وجود میں آنے
فجعلھم اللہ بعرشہ محدقین	سے پہلے انوار و تجلیات تھے پھر اللہ تعالیٰ
وجعل لھم من المنزلۃ	نے ان کو اپنے عرش معلیٰ کے گرداگرد کر دیا۔
والزلفی مالا یعلمہ الا	اوران کو وہ مرتبہ اور مقام عطا فرمایا جس کو
اللہ ص۵۲	بس اللہ ہی جانتا ہے اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

ائمہ سہو اور غفلت سے محفوظ اور منزہ ہیں

سہو و نسیان اور کسی وقت کسی معاملہ میں غفلت کا امکان بشریت کے لوازم میں سے ہے۔ انبیاء علیہم السلام بھی اس سے محفوظ نہیں۔ قرآن مجید میں بھی متعدد انبیاء علیہم السلام کے سہو و نسیان کے واقعات ذکر فرمائے گئے ہیں لیکن خمینی صاحب اپنے ائمہ کے بارے میں فرماتے ہیں۔

لا نتصور فیھم السھو او الغفلۃ	ان کے بارے میں سہو یا غفلت کا تصور بھی
(الحکومۃ الاسلامیہ ص۹۱)	نہیں کیا جا سکتا۔

ائمہ کی تعلیمات قرآنی احکام و تعلیمات ہی کی طرح دائمی اور واجب الاتباع ہیں

خمینی صاحب نے اسی کتاب الحکومۃ الاسلامیہ میں ایک جگہ ائمہ کی تعلیمات اور اُن کے احکام کے بارے میں فرمایا ہے۔

ان تعاليم الائمة كتعاليم	ہمارے ائمہ معصومین کی تعلیمات قرآن کی
القرآن لاتخص جيلاخاصاو	تعلیمات ہی کے مثل ہیں، وہ کسی خاص
انماهي تعاليم للجميع في كل	طبقے کے اور خاص دور کے لوگوں کے
عصر ومصر والى يوم القيمة	لیے مخصوص نہیں ہیں، وہ ہر زمانے اور
يجب تنفيذها واتباعها	ہر علاقے کے تمام انسانوں کے لیے ہیں
ص ۱۱۳	اور تا قیام قیامت ان کی تنفیذ اور ان کا
	اتباع واجب ہے۔

اپنے ائمہ معصومین کے بارے میں خمینی صاحب کے یہ چند معتقدات "الحکومۃ الاسلامیہ" سے پیش کیے گئے ہیں ـــــ اس کے بعد ہم خمینی صاحب اور اثنا عشریہ کے ایک دوسرے اہم اور بنیادی عقیدے پر گفتگو شروع کرتے ہیں۔

صحابہ کرام خاصکر شیخین کے بارہ میں خمینی صاحب کا عقیدہ اور رویہ

جو شخص شیعہ اثنا عشریہ کے مذہب سے کچھ بھی واقفیت رکھتا ہوگا وہ اتنا ضرور جانتا ہوگا کہ اس مذہب کی بنیاد ہی اس عقیدے پر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات طیبہ ہی میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت علی مرتضیٰ (رضی اللہ عنہ) کو اپنے بعد کے لیے خلیفہ و جانشین اور امت کا دینی و دنیوی امام اور سربراہ نامزد فرما دیا تھا اور انہی کی نسل میں سے گیارہ اور حضرات کو بھی قیامت تک کے لیے اسی طرح امام نامزد فرما دیا تھا ـــــ اور اس سلسلہ میں آپ نے آخری اور انتہائی درجہ کا اہتمام یہ فرمایا کہ حجۃ الوداع سے واپسی میں غدیر خُم کے مقام پر ایک میدان کو صاف کرنے کا حکم دیا اور اپنے لیے ایک منبر تیار کرایا۔ اس کے بعد خصوصی اعلان اور منادی کے ذریعہ اپنے تمام رفقائے سفر کو (جن میں مہاجرین و انصار اور دوسرے حضرات

سب ہی شامل تھے اور ہزاروں کی تعداد میں تھے) اس میدان میں جمع ہونے کا حکم فرمایا۔ جب سب جمع ہو گئے تو آپ نے منبر پر کھڑے ہو کر اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو اپنے دونوں ہاتھوں سے اوپر اٹھا کے ـــــ تاکہ سب حاضرین دیکھ لیں ـــــ اپنے بعد کے لیے اُن کے خلیفہ وجانشین اور امت کے دینی ودنیوی سربراہ وامام اور ولی الامر (یعنی حاکم وفرمانروا) ہونے کا اعلان فرمایا، اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ یہ میری تجویز نہیں ہے بلکہ اللہ کا حکم ہے اور میں اس حکم خداوندی کی تعمیل ہی میں یہ اعلان کر رہا ہوں ـــــ پھر آپ نے سب حاضرین سے اس کا اقرار اور عہد لیا ـــــ اس سلسلہ کی مذہب شیعہ کی مستند ترین روایات میں یہ بھی ہے کہ اس موقع پر آپ نے خصوصیت سے شیخین (حضرت ابوبکر وحضرت عمر رضی اللہ عنہما) سے فرمایا کہ تم "السلام علیک یا امیر المومنین" کہہ کر علی کو سلامی دو! چنانچہ ان دونوں نے اس حکم کی تعمیل کرتے ہوئے اسی طرح سلامی دی (غدیر خم کے اس واقعے (یا افسانے) کے بارے میں کتب شیعہ کی وہ روایات اور ان کے ائمہ معصومین کے وہ ارشادات جن میں پوری تفصیل سے وہ سب کچھ بیان کیا گیا ہے جو اجمالی طور پر اوپر کی سطروں میں عرض کیا گیا، انشاء اللہ ناظرین کرام اسی مقالہ میں آئندہ اپنے مقام پر ملاحظہ فرمائیں گے)

آگے کتب شیعہ کی روایات میں یہ بھی ہے کہ غدیر خم کے اس اعلان اور صحابہ کے اس اجتماعی عہد واقرار کے قریباً اسّی دن ہی کے بعد جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا تو (معاذ اللہ) ابوبکر وعمر اور ان کے ساتھ عام صحابہ نے سازش کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قائم کیے ہوئے اس نظام کو جو آپ نے اپنے بعد قیامت تک کے لیے اللہ تعالیٰ کے حکم سے قائم فرمایا تھا، مسترد اور ملیامیٹ کر دیا اور اپنے عہد واقرار سے منحرف ہو گئے اور حضرت علی کے بجائے ابوبکر کو آپ کا خلیفہ وجانشین اور امت کا سربراہ بنا دیا ـــــ (معاذ اللہ) اس "غدّاری" اور "جرم عظیم" کی بنیاد پر

کتب شیعہ کی روایات اور اُن کے ائمہ معصومین کے ارشادات میں عام صحابہ اور خاص کر شیخین (حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما) کے لیے مرتد۔ کافر۔ منافق۔ جہنمی۔ شقی بلکہ اشقیٰ (اعلیٰ درجہ کے بدبخت) کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں اور ان پر لعنت کی گئی ہے ـــــ (یہ روایات اور ان کے ائمہ معصومین کے یہ ارشادات بھی ناظرین کرام انشاء اللہ اسی مقالہ میں آگے اپنے موقع پر ملاحظہ فرمائیں گے)

اور اس میں کیا شک ہے کہ اگر غدیر خم کے اس افسانے کو (جو مذہب شیعہ کی اساس و بنیاد ہے) حقیقت اور واقعہ مان لیا جائے تو پھر شیخین اور عام صحابہ کرام (معاذ اللہ) ایسے ہی مجرم قرار پائیں گے اور ان ہی بد سے بدتر الفاظ کے مستحق ہوں گے جو شیعی روایات کے حوالہ سے اوپر لکھے گئے ہیں ـــــ جن لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قیامت تک کے لیے قائم کیے ہوئے اُس نظام کو جو امت کی دینی و دنیوی صلاح و فلاح کے لیے آپ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے قائم فرمایا تھا اور جس کے لیے اتنے اہتمام سے عہد و اقرار لیا تھا، غداری اور سازش کر کے تباہ و برباد کیا ان کے کفر و ارتداد اور جہنمی و لعنتی ہونے میں کیا شبہ! ـــــ بہر حال یہ دونوں باتیں عقل و نقل کے لحاظ سے لازم و ملزوم ہیں۔ اسی لیے شیعوں کے عام مصنفین اور علماء و مجتہدین کا رویہ یہ رہا ہے کہ وہ اپنی روایات کے مطابق غدیر خم کے واقعہ کا ذکر کرتے ہیں اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد شیخین اور عام صحابہ نے جو کچھ کیا اس کی بنا پر وہ ان کو اپنے ائمہ کے ارشادات کے مطابق مرتد، کافر، منافق، یا کم سے کم اعلیٰ درجہ کے فاسق و فاجر اور مستحق لعنت قرار دیتے ہیں۔

لیکن خمینی صاحب صرف شیعہ عالم و مجتہد یا شیعہ مصنف ہی نہیں ہیں بلکہ وہ ہمارے اس دور کی ایک سیاسی شخصیت (ڈپلومیٹ) اور ایک انقلابی دعوت و تحریک کے قائد بھی ہیں اور اس انقلابی تحریک میں ان کی اصل طاقت اگرچہ شیعہ ہیں لیکن غیر شیعہ مسلمانوں کو

بھی ممکن حد تک اس میں استعمال کرنا ان کی سیاسی ضرورت ہے، اس لیے "الحکومۃ الاسلامیہ" میں انھوں نے اس سلسلہ میں یہ رویہ اختیار فرمایا ہے کہ وہ اپنے ذاتی عقیدہ وایمان کے تقاضے سے اور شیعی دنیا کو مطمئن رکھنے کے لیے بھی، غدیرِ خم کے واقعہ کا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اپنے بعد کے لیے وصی اور خلیفہ وجانشین اور امت کے ولی الامر کی حیثیت سے حضرت علی مرتضیٰ کی نامزدگی کا ذکر کرتے ہیں اور بار بار کرتے ہیں، لیکن اُس کے لازمی اور منطقی نتیجہ کے طور پر شیخین اور عام صحابہ کرام پر اللہ ورسول سے غداری اور کفر وارتداد کی جو فردِ جرم عائد ہوتی ہے وہ سیاسی مصلحت سے صراحت کے ساتھ اس کے ذکر سے اپنے قلم کو روک لیتے ہیں ــــــ اس معاملہ میں انھوں نے اتنی احتیاط ضروری سمجھی ہے کہ پوری کتاب "الحکومۃ الاسلامیہ" میں شیخین (حضرت ابوبکر اور حضرت عمر) کا کہیں نام تک نہیں آنے دیا ہے۔ حالانکہ اس کتاب کا موضوع ہی جیسا کہ اس کے نام سے بھی ظاہر ہے "اسلامی حکومت" ہے۔ اور اسلام کی تاریخ سے ادنیٰ واقفیت رکھنے والا شخص بھی جانتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد انہی دو حضرات کا دورِ خلافت اسلامی حکومت کا کامل اور مثالی نمونہ تھا[1] ــــــ لیکن خمینی صاحب

---

[1] راقم سطور یہاں اس واقعہ کا ذکر مناسب سمجھتا ہے کہ انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء کی بنیاد پر جب برطانوی دورِ حکومت ہی میں ۱۹۳۷ء میں ہندوستان کے سات صوبوں میں کانگریس کی حکومتیں قائم ہوئیں تو کانگریس کے رہنما مہاتما گاندھی جی نے ان حکومتوں کے کانگریسی وزیروں کے لیے اپنے اخبار "ہریجن" میں ایک ہدایت نامہ لکھا تھا جو اس وقت کے دوسرے اخبارات میں بھی شائع ہوا تھا اس میں انھوں نے ان وزیروں کو ہدایت کی تھی کہ وہ ابوبکر و عمر کے طرزِ حکومت کو مثالی رہنما کے طور پر اپنے سامنے رکھیں اور ان کے طریقہ کی پیروی کریں۔ (آگے گاندھی جی نے یہ بھی لکھا تھا کہ) میں اس لیے لکھ رہا ہوں کہ مجھے تاریخ میں ان دو کے سوا کوئی مثال نہیں ملی جس نے فقیری کے ساتھ ایسی حکومت کی ہو گاندھی جی کا یہ ہدایت نامہ "ہریجن" کے جولائی یا اگست ۱۹۳۷ء کے کسی شمارہ میں شائع ہوا تھا۔ میں نے اس وقت ہدایت نامہ کا یہ مضمون اپنی یادداشت سے لکھا ہے کہ گاندھی جی کے مضمون کا اصل متن اخبارات کے ۱۹۳۷ء کے فائلوں میں آسانی سے تلاش کیا جا سکتا ہے۔

کا رویہ یہ ہے کہ جہاں سلسلہ کلام میں تاریخی تسلسل کے لحاظ سے بھی ان کے دور خلافت کا تذکرہ ضروری تھا وہاں بھی ان کا نام تک ذکر کرنے سے پرہیز کیا ہے ـــــ اس کی دو مثالیں نذر ناظرین ہیں۔

ایک جگہ اسلامی حکومت کی ضرورت پر گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

فقد ثبت بضرورة الشرع والعقل	شریعت اور عقل کی رو سے یہ بات ثابت
ان ما کان ضروریا ایام الرسول (ص)	ہو چکی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ
وفی عهد امیر المومنین علی بن ابی	کے زمانے میں اور امیر المومنین علی بن
طالب (ع) من وجود الحکومة لا	ابی طالب علیہ السلام کے زمانے میں حکومت
یزال ضروریا الی یومنا هذا	کا وجود جس طرح ضروری تھا اسی طرح ہمارے
(الحکومة الاسلامیہ ص۲۶)	اس زمانے میں ضروری ہے۔

ایک دوسری جگہ اسی موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے کہ علماء جو دین کے امین ہیں ان کا کام صرف دین کی باتیں بتلانا نہیں ہے بلکہ اس پر عمل کرنا اور کرانا بھی ان کی ذمہ داری ہے، خمینی صاحب نے تحریر فرمایا ہے۔

وقد کان الرسول (ص) وامیر	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ اور امیر المومنین
المؤمنین (ع) یقولون ویعلمون	علیہ السلام بتلاتے بھی تھے اور اس کو
ص۷۱	عمل میں بھی لاتے تھے۔

ان دونوں جگہوں پر اور اسی "الحکومۃ الاسلامیہ" میں ان کے علاوہ بھی بعض مقامات پر خمینی صاحب نے اسلامی حکومت کے سلسلہ میں عہد نبوی کے بعد حضرت علی مرتضیٰ ہی کے عہد حکومت کا ذکر کیا ہے اور شیخین اور حضرت عثمان کے ذکر سے ہر جگہ دانستہ پرہیز کیا ہے ـــــ یہ رویہ انھوں نے اسی لیے اختیار کیا کہ اگر وہ خلفاء ثلاثہ کی حکومت کو بھی "اسلامی حکومت" قرار دے کر یہاں ذکر کرتے جیسا کہ تاریخی تسلسل کا تقاضا تھا تو شیعہ جو ان کی اصل طاقت ہیں ان کو

"ولایت فقیہ" کے منصب کے لیے نااہل قرار دے کر ان کے خلاف بغاوت کر دیتے ——— اور اگر خمینی صاحب اپنے عقیدہ و مسلک کے مطابق اُن کے بارے میں صفائی سے اظہار رائے کرتے تو جو غیر شیعہ طبقے اسلامی انقلاب کے نعرہ کی کشش یا اپنی سادہ لوحی سے اُن کا آلۂ کار بنے ہوئے ہیں، ان کی ہمدردی اور ان کا تعاون اُن کو حاصل نہ ہو سکتا۔

بہر حال خمینی صاحب کے اس رویہ سے شیخین اور حضرت عثمان کے بارے میں اُن کا باطن پوری طرح ظاہر ہو جاتا ہے۔ عرض کیا جا چکا ہے کہ خلافت و امامت کے لیے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حضرت علی مرتضیٰ کی نامزدگی کے شیعی عقیدے کا لازمی و منطقی نتیجہ ہے کہ شیخین اور عام صحابہ کرام کو معاذاللہ ویسا ہی سمجھا جائے جیسا کہ شیعی روایات میں بتلایا گیا ہے۔

اب ناظرین کرام خمینی صاحب کی وہ عبارتیں ملاحظہ فرمائیں جن میں انھوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حضرت علی مرتضیٰ کی اپنے وصی، خلیفہ و جانشین اور امت کے ولی الامر کی حیثیت سے نامزدگی کا مختلف عنوانات سے بیان فرمایا ہے۔

"الحکومۃ الاسلامیہ" میں شیعوں کے بنیادی عقیدے ولایت و امامت، اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اپنے بعد کے لیے خلیفہ کی حیثیت سے حضرت علی مرتضیٰ کی نامزدگی کے بارے میں اپنا عقیدہ بیان کرتے ہوئے خمینی صاحب فرماتے ہیں۔

نحن نعتقد بالولاية ونعتقد	اور ہم ولایت (امامت) پر عقیدہ رکھتے ہیں
ضرورة ان يعين النبى	اور ہمارا یہ بھی عقیدہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ
خليفة من بعده وقد	وآلہ وسلم کے لیے ضروری تھا کہ وہ اپنے
فعل۔	بعد کے لیے خلیفہ معین اور نامزد کرتے
الحکومۃ الاسلامیہ ص۲۱	اور آپ نے ایسا ہی کیا۔

اسی سلسلہ کلام میں چند سطر کے بعد خمینی صاحب نے لکھا ہے کہ اپنے بعد کے لیے خلیفہ

کونامزد کردینا ہی وہ عمل ہے جس سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے فریضۂ رسالت کی ادائیگی کی تکمیل ہوئی۔ فرماتے ہیں۔

وکان تعیین خلیفۃ من بعدہ.... عاملا متمماً ومکملا لرسالتہ ص۱۹

اور اپنے بعد کے لیے خلیفہ کو نامزد کردینا ہی وہ عمل تھا جس سے آپ کے فریضۂ رسالت کی ادائیگی کی تکمیل ہوئی۔

یہی بات خمینی صاحب نے اس سے زیادہ وضاحت کے ساتھ دوسری جگہ ان الفاظ میں فرمائی ہے۔

بحیث کان یعتبر الرسول (ص) لولا تعیین الخلیفۃ من بعدہ غیر مبلّغ رسالتہ ص۲۳

اگر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اپنے بعد کے لیے خلیفہ نامزد نہ کرتے تو سمجھا جاتا کہ امت کو جو پیغام پہنچانا اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کے ذمہ کیا گیا تھا وہ آپ نے نہیں پہنچایا اور رسالت کا فریضہ ادا نہیں کیا۔

خمینی صاحب نے ان عبارتوں میں جو کچھ فرمایا ہے اس کی بنیاد ایک روایت پر ہے اُس روایت کا مضمون معلوم ہونے کے بعد ہی خمینی صاحب کی ان عبارتوں کا پورا مطلب سمجھا جاسکتا ہے وہ روایت شیعہ صاحبان کی اصح الکتب "اصول کافی" کے حوالہ سے انشاء اللہ آگے اپنے موقع پر درج ہوگی یہاں اس کا صرف اتنا حاصل ذکر کرنا کافی ہے کہ امام باقر علیہ السلام نے بیان فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ملا کہ اپنے بعد کے لیے علی کی امامت وخلافت کا اعلان کردیں، تو آپ کو یہ خطرہ پیدا ہوا کہ اگر میں نے ایسا اعلان کیا تو بہت سے مسلمان مرتد اور میرے خلاف ہوجائیں گے اور مجھ پر تہمت لگائیں گے کہ یہ کام میں علی کے ساتھ اپنی قرابت اور رشتہ داری کی وجہ سے کر رہا ہوں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا حکم نہیں آیا ہے، اس لیے آپ نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ اس حکم پر نظرثانی فرمائی

جائے اور یہ اعلان نہ کرایا جائے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ آیت نازل ہوئی کہ یَاَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَہٗ۔ الآیۃ جس کا حاصل یہ ہے کہ اے رسول جو کچھ آپ پر آپ کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے وہ آپ لوگوں کو پہنچا دیجئے، اور اعلان کر دیجئے اور اگر آپ نے ایسا نہیں کیا تو آپ نے اس کا پیغام نہیں پہنچایا اور فریضۂ رسالت ادا نہیں کیا ـــــ چنانچہ اس کے بعد ہی آپ نے غدیر خم کے مقام پر وہ اعلان فرمایا ـــــ

اس سلسلہ کی روایات میں (جو انشاء اللہ ناظرین اسی مقالہ میں آگے ملاحظہ فرمائیں گے) یہ بھی ہے کہ اس موقع پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ دھمکی بھی دی گئی تھی کہ اگر تم نے علی کی خلافت و امامت کا یہ اعلان نہیں کیا تو ہم تم پر عذاب نازل کریں گے۔ (نعوذ باللہ)

الغرض خمینی صاحب کی مندرجہ بالا عبارتوں میں انہی روایات کی بنیاد پر یہ فرمایا گیا ہے کہ اگر آپ اپنے بعد کے لیے خلیفہ نامزد نہ کرتے تو اس کا مطلب یہ ہوتا کہ آپ نے رسالت کا حق اور فریضہ ادا نہیں کیا ـــــ

ناظرین کرام خمینی صاحب کی اس سلسلہ کی چند تصریحات اور ملاحظہ فرمائیں:

والرسول الکریم (ص)... قد کلمہ اللہ وحیا ان یبلغ ما انزل الیہ فیمن یخلفہ فی الناس و بحکم ھذا الامر فقد اتبع ما امر بہ وعین امیر المومنین علیًا للخلافۃ۔
(الحکومۃ الاسلامیہ ص ۴۲-۴۳)

اور رسول کریم صلے اللہ علیہ و آلہ سے اللہ تعالیٰ نے وحی کے طور پر کلام فرمایا اور اس میں یہ حکم دیا کہ جو شخص اُن کے بعد اُن کا خلیفہ و جانشین ہوگا اور حکومت کا نظام چلائے گا اُس کے بارے میں اللہ کا جو حکم اُن پر نازل ہوا ہے وہ لوگوں کو پہنچا دیں اور اس کی تبلیغ اور اعلان

کردیں ۔ تو آپ نے اللہ کے اس حکم کی تعمیل کی اور خلافت کے لیے امیر المومنین علی کو نامزد کر دیا۔

آگے اسی کتاب میں ایک جگہ فرماتے ہیں:

وفی غدیر خم فی حجۃ الوداع	اور حجۃ الوداع میں غدیر خم کے مقام پر
عینہ النبی (ص) حاکماً من بعدہٖ	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ نے علی
ومن حینہا بدأ الخلاف	علیہ السلام کو اپنے بعد کے لیے حکمراں نامزد
الی نفوس القوم۔	کر دیا اور اسی وقت سے قوم کے دلوں
(الحکومۃ الاسلامیہ ص۱۳۱)	میں مخالفت کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

اس سلسلہ میں خمینی صاحب کی اسی کتاب سے ایک عبارت اور پڑھ لی جائے، فرماتے ہیں۔

قد عین من بعدہ والیاً	اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے
علی الناس امیر المؤمنین (ع)	اپنے بعد کے لیے امیر المومنین علیہ السلام کو
واستمر انتقال الامامۃ و	لوگوں پر حاکم اور والی کی حیثیت سے
الولایۃ من امام الی امام الی	نامزد کر دیا اور پھر امامت وولایت کا یہ منصب
ان انتہی الامر الی الحجۃ	ایک امام سے اگلے امام کی طرف برابر منتقل
القائم (ع) ص۹۵	ہوتا رہا یہاں تک کہ الحجۃ القائم (یعنی

امام غائب مہدی منتظر) تک پہنچ کر یہ سلسلہ اپنی نہایت کو پہنچ گیا۔

کیا کسی بھی ایسے شخص کو جس کو اللہ نے عقل وفہم سے بالکل ہی محروم نہ کر دیا ہو اس میں شبہ ہو سکتا ہے کہ جو شخص رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف سے خلافت وامامت کے لیے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی نامزدگی کا وہ عقیدہ رکھتا ہو جو خمینی صاحب نے اپنی ان عبارتوں میں ظاہر کیا ہے (اور جو شیعیت کی اساس وبنیاد ہے) یقیناً اس کی رائے اور

اُس کا عقیدہ شیخین اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عام صحابہ کرام کے بارے میں وہی ہوگا جو مذہب شیعہ کی مستند کتابوں کی روایات اور اُن کے ائمہ کے ارشادات کے حوالہ سے اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ یعنی یہ کہ معاذاللہ انھوں نے غداری کی اور وہ مرتد اور لعنتی و جہنمی ہو گئے ـــــــ جیسا کہ بار بار عرض کیا گیا ہے مستند ترین کتب شیعہ کی یہ روایات اور ان کے ائمہ کے یہ ارشادات ناظرین کرام انشاءاللہ اسی مقالہ میں آئندہ اپنے موقع پر ملاحظہ فرمائیں گے۔

اس سلسلہ کی ایک مختصر سی روایت یہاں بھی پڑھ لی جائے ـــــــ شیعہ حضرات کی "اصح الکتب" "الجامع الکافی" کے آخری حصہ "کتاب الروضہ" میں اُن کے پانچویں امام ابوجعفر یعنی امام باقر (علیہ السلام) کا یہ ارشاد روایت کیا گیا ہے۔

کان الناس اهل ردة بعد النبی	رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ کی وفات کے
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الا ثلاثة	بعد سب لوگ مرتد ہو گئے سوائے تین
فقلت ومن الثلاثة فقال	کے (راوی کہتا ہے) میں نے عرض
المقداد بن الاسود وابوذر	کیا کہ وہ تین کون تھے؟ تو انھوں نے فرمایا
الغفاری وسلمان الفارسی رحمة	مقداد[1] بن الاسود اور ابوذر[2] غفاری اور
اللہ علیهم وبرکاته (فروع کافی جلد	سلمان[3] فارسی۔ ان پر اللہ کی رحمت ہو
سوم کتاب الروضہ ص۱۱۵ طبع لکھنؤ)	اور اس کی برکات

اس عقیدے کے خطرناک نتائج

اس تحریری کاوش سے ہمارا مقصد خمینی صاحب کے نظریات و معتقدات سے ان حضرات کو صرف واقف کرنا ہے جو ناواقف ہیں، ان پر بحث و تنقید اس وقت ہمارا موضوع نہیں، تاہم اس عقیدے کے بعض خطرناک اور دور رس نتائج کی طرف اُن ہی حضرات کی

توجہ مبذول کرانا بھی ہم ان کا حق سمجھتے ہیں تاکہ وہ غور کر سکیں۔

اگر خمینی صاحب کی یہ بات تسلیم کر لی جائے (جو مذہب شیعہ کی اساس و بنیاد بھی ہے) کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے خلافت و امامت کے منصب کے لیے حضرت علی کو نامزد کر دیا تھا اور غدیر خم کے مقام پر اس کا اعلان بھی فرما دیا تھا تو اس کے لازمی نتیجہ کے طور پر یہ بھی ماننا پڑے گا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اپنی امت کی تعلیم و تربیت اور کردار سازی میں ایسے ناکام رہے کہ اللہ کا کوئی پیغمبر بلکہ کوئی مرشد و مصلح بھی اتنا ناکام نہ رہا ہوگا ـــــ آپ نے ابتدائے دور نبوت سے وفات تک جن لوگوں کی تعلیم و تربیت پر محنت کی اور جو سفر و حضر میں ساتھ رہے، دن رات آپ کے ارشادات اور مواعظ و نصائح سنتے رہے ـــــ آپ کی آنکھ بند ہوتے ہی انھوں نے ایسی غداری کی کہ حکومت اور اقتدار پر قبضہ کرنے کی ہوس میں آپ کے قائم کیے ہوئے اس نظام ہی کو ملیامیٹ کر دیا جو آپ نے قیامت تک کے لیے اللہ کے حکم سے امت کی صلاح و فلاح کے لیے قائم فرمایا تھا اور جس کے لیے چند روز پہلے ہی اُن سب سے عہد و اقرار لیا تھا ـــــ کیا تاریخ میں کسی مصلح اور ریفارمر کی ناکامی کی ایسی مثال مل سکتی ہے ؟

اسی طرح اس عقیدہ کا نتیجہ یہ بھی ہوگا کہ سارا دین ناقابل اعتماد ہو جائے گا کیونکہ وہ انہی صحابہ کے واسطے سے امت کو ملا ہے، ظاہر ہے کہ جو لوگ ایسے ناخدا ترس اور ایسے نفس پرست ہوں اُن پر دین و ایمان کے بارے میں کوئی اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔

اور خاص طور سے موجودہ قرآن تو قطعاً ناقابل اعتبار ٹھہرے گا کیونکہ یہ مسلّم ہے کہ یہ وہی نسخہ ہے جس کی ترتیب و اشاعت کا اہتمام و انتظام سرکاری سطح پر خلفائے ثلاثہ ہی کے زمانے میں ہوا تھا۔ اور خمینی صاحب کے عقیدے کے مطابق یہی تینوں حضرات رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے قائم کیے ہوئے نظام کو نیست و نابود کرنے کے اصلی ذمہ دار اور (معاذ اللہ) "اکابر مجرمین" ہیں ـــــ پھر تو قرین عقل و قیاس یہی ہے کہ ان لوگوں نے (معاذ اللہ) اپنی

سیاسی مصلحتوں کی بنا پر اس میں ہر طرح کی گڑبڑ اور تحریف کی ہوگی، جیسا کہ مذہب شیعہ کی معتبر ترین کتابوں کی سیکڑوں روایات اور ان کے ائمہ معصومین کے ارشادات میں بیان کیا گیا ہے ـــــ ناظرین کرام ان میں سے کچھ روایتیں اور ائمہ معصومین کے وہ ارشادات انشاء اللہ اس مقالہ میں بھی آئندہ اپنے موقع پر ملاحظہ فرمائیں گے۔

اس موقع پر خمینی صاحب کے بارے میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ وہ ہمارے اس زمانے کے عام شیعہ علماء کی طرح موجودہ قرآن ہی کو اصلی قرآن کہتے اور تحریف کے عقیدہ سے انکار کرتے ہیں۔ لیکن اپنی کتاب "الحکومۃ الاسلامیہ" ہی میں انھوں نے ایک جگہ ایک بڑے شیعہ عالم اور مجتہد علامہ نوری طبرسی کا ذکر بڑے احترام کے ساتھ کیا ہے اور اپنے نظریہ "ولایت فقیہ" پر استدلال کے سلسلہ میں ان کی کتاب "مستدرک الوسائل" کے حوالہ سے ایک روایت نقل کی ہے۔ (الحکومۃ الاسلامیہ ص۶۶) حالانکہ خمینی صاحب جانتے ہیں اور ہر شیعہ عالم کو علم ہے کہ ان علامہ نوری طبرسی نے قرآن کے محرّف ہونے کے ثبوت میں ایک مستقل ضخیم کتاب تصنیف فرمائی ہے جس کا نام ہے "فصل الخطاب فی اثبات تحریف کتاب رب الارباب" اس کتاب میں انھوں نے عقلی اور نقلی دلائل سے یہ ثابت کرنے کی قابل دید کوشش کی ہے کہ موجودہ قرآن محرّف ہے اور لکھا ہے کہ ہمارے ائمہ معصومین کی دو ہزار سے زیادہ روایتیں ہیں جو یہ بتلاتی ہیں کہ موجودہ قرآن میں تحریف ہوئی اور ہر طرح کی تحریف ہوئی ہے اور ہمارے عام علمائے متقدمین کا یہی عقیدہ رہا ہے ـــــ اس وقت ہم اتنے ہی پر اکتفا کرتے ہیں، آگے یہ موضوع مستقل طور پر زیر بحث آئے گا۔ اور اس کتاب "فصل الخطاب" کے وہ اقتباسات ناظرین کرام کے سامنے پیش کیے جائیں گے جو عقیدۂ تحریف کے مسئلہ میں فیصلہ کن ہوں گے۔ وباللہ التوفیق۔

ایک تازہ انکشاف

خمینی صاحب اپنی کتاب کشف الاسرار کے آئینہ میں

روح اللہ خمینی صاحب کے معتقدات اور خاص کر حضرات خلفائے ثلٰثہ اور عام صحابہ کرام سے تعلق اُن کے عقیدہ اور رویہ کے بارے میں جو کچھ ناظرین کرام نے گزشتہ صفحات میں ملاحظہ فرمایا وہ ان کی صرف ایک کتاب "الحکومۃ الاسلامیہ" کی بنیاد پر لکھا گیا تھا ــــ یہ راقم سطور نے سنہ رواں ۱۹۸۴ء کے اوائل میں لکھا تھا (اور ماہنامہ الفرقان کے مارچ کے شمارہ میں شائع بھی ہو گیا تھا) اس وقت میرے پاس ان کی صرف یہی ایسی کتاب تھی جس میں انھوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے امامت و ولایت کے منصب پر حضرت علی مرتضیٰؓ کی نامزدگی کا جابجا اس طرح ذکر کیا تھا جس کا لازمی اور منطقی نتیجہ جیسا کہ ناظرین کرام ملاحظہ فرما چکے ہیں دو اور دو چار کی طرح یہ نکلتا تھا کہ حضرات خلفائے ثلاثہ اور اُن تمام صحابہ کرام کو جنھوں نے ان حضرات کو خلیفۂ رسول اور امت کا دینی و دنیوی سربراہ تسلیم کر کے ان سے بیعت کی تھی سب کو (معاذ اللہ) اللہ و رسول کا غدار اور مرتد و منحرف قرار دیا جائے، لیکن جیسا کہ راقم سطور نے عرض کیا تھا خمینی صاحب نے ان سب حضرات پر یہ فرد جرم اس کتاب میں ایسی ہوشیاری اور فن کاری سے لگائی تھی اور ایسی پردہ داری سے کام لیا تھا کہ پوری کتاب میں ان میں سے کسی ایک کا بھی نام نہیں آیا تھا اور یہ بھی عرض کیا جا چکا ہے کہ ایسا انھوں نے اپنی کس سیاسی

مصلحت سے کیا تھا۔

لیکن ماہ رواں رمضان المبارک ۱۴۰۴ھ (جون ۱۹۸۴ء) میں اللہ تعالیٰ کی تائید غیبی سے مجھے خمینی صاحب کی ایک دوسری کتاب "کشف الاسرار" مل گئی (جس کے متعلق چند ہی روز پہلے معلوم ہوا تھا کہ اس میں انھوں نے عام بدزبان تبرائی شیعوں کی طرح حضرات خلفائے ثلاثہ اور دیگر اکابر صحابہ پر مشق تبرا فرمائی ہے، ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوا تھا کہ وہ نایاب ہے یا نایاب کردی گئی ہے اور اب کہیں سے اُس کے حاصل ہونے کا کوئی امکان نہیں ہے، لیکن جیسا کہ عرض کیا اللہ تعالیٰ کی غیبی تائید سے وہ مجھے حاصل ہو گئی[1]) یہ فارسی زبان میں قریباً ساڑھے تین سو صفحات کی ضخیم کتاب ہے

---

[1] اللہ تعالیٰ کی جس غیبی تائید سے یہ کتاب "کشف الاسرار" راقم سطور کو حاصل ہوئی اُس کی شرح و تفصیل یہ ہے کہ حضرت مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلف الرشید ہمارے عزیز فاضل ڈاکٹر سید سلمان ندوی جو ڈربن یونیورسٹی (جنوبی افریقہ) میں شعبۂ اسلامیات کے صدر ہیں، اُن کے پاس اس کتاب کا نسخہ تھا، جب الفرقان کے مارچ کے شمارے میں خمینی صاحب سے متعلق میرا مضمون ان کی نظر سے گزرا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں یہ خیال پیدا فرمایا کہ وہ اس کی فوٹو کاپی مجھ کو بھیج دیں، چنانچہ ڈربن ہی کے ہمارے ایک مخلص دوست مولانا عبدالحق عمرجی (فاضل دیوبند) کے تعاون سے انھوں نے اس کتاب کی فوٹو کاپی تیار کرکے بھیج دی۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں حضرات کو میری اس مدد اور اس دینی خدمت کی بہتر جزا عطا فرمائے۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ کتاب اسم بامسمیٰ کشف الاسرار ہے، خمینی صاحب کی مذہبی حیثیت حضرات خلفائے ثلاثہ اور عام صحابہ کرام کے بارے میں ان کے قلبی عناد اور باطنی کیفیت کو صحیح طور سے اسی کتاب سے سمجھا جاسکتا ہے۔ اس عاجز نے اس کتاب کی دستیابی کو اللہ تعالیٰ کی غیبی تائید ہی سمجھا ہے۔ فللہ الحمد ولہ الشکر

اس میں انھوں نے پوری صراحت اور صفائی کے ساتھ بلکہ ادعائی انداز میں اپنے ناظرین کو بتلایا ہے کہ خلفائے ثلاثہ (حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان) اور ان کے رفقا تمام اکابر صحابہ (معاذ اللہ) دنیا کے طالب اور انتہائی درجہ کے بدکردار تھے، انھوں نے حکومت اور اقتدار کی طمع ہی میں صرف زبان سے اسلام قبول کیا تھا، یہ صرف ظاہر میں مسلمان لیکن باطن میں کافر اور زندیق تھے۔ یہ اپنے اس مقصد و نصب العین کے لیے ہر ناکردنی کر سکتے تھے، اس کے لیے اگر ضرورت ہوتی تو قرآن میں تحریف بھی کر سکتے تھے، جھوٹی حدیثیں بھی گھڑ سکتے تھے، اُن کے دل خدا کے خوف سے بالکل خالی تھے اور وہ فی الحقیقت ایمان سے محروم تھے، وہ اگر یہ دیکھتے کہ یہ مقصد اسلام چھوڑ کے اور ابوجہل و ابولہب کی طرح اس کی دشمنی کا موقف اختیار کر کے ہی حاصل ہو سکتا ہے تو یہ بھی کر گزرتے۔

ہم ذیل میں اس کتاب "کشف الاسرار" کی اصل فارسی عبارتیں درج کریں گے اور فارسی نہ جاننے والے ناظرین کی سہولت فہم کے پیش نظر اردو میں ان عبارتوں کا عام فہم حاصل مطلب ہی لکھیں گے۔

یوں تو اس کتاب میں بیسیوں صفحات مختلف مقامات پر ایسے ہیں جن میں حضرات خلفائے ثلاثہ اور صحابہ کرام کی شان میں انتہائی درجہ کی دل آزار گستاخیاں کی گئی ہیں۔ لیکن یہاں ہم اُن میں سے صرف ایک ہی بحث کی چند عبارتیں نذر ناظرین کرتے ہیں۔ ملحوظ رہے کہ اس مقالہ میں ہمارا مقصد جیسا کہ پہلے بھی عرض کیا جا چکا ہے خمینی صاحب کی مذہبی حیثیت اور ان کے معتقدات سے ناظرین کو صرف واقف کرانا ہے اس لیے ہم صرف ان کی بات ناظرین کے سامنے پیش کریں گے، ان کی غلط سے غلط باتوں کی تردید بھی اس وقت ہمارے موضوع سے خارج ہے۔

خمینی صاحب نے اس کتاب کے صفحہ ۱۱۲ پر "گفتار شیعہ در باب امامت" کا عنوان

قائم کر کے پہلے مسئلہ امامت کے بارے میں شیعہ سنی اختلاف کا ذکر اور شیعی نقطۂ نظر بیان فرمایا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت علی اور حسن وحسین، سلمان فارسی، ابوذر غفاری، مقداد، عمار اور عباس و ابن عباس، اِن حضرات نے امامت وخلافت کے بارے میں چاہا اور لوگوں سے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق عمل کیا جائے (یعنی حضرت علی کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا وصی اور آپ کا جانشین امام اور ولی الامر مان لیا جائے) لیکن وہ پارٹی بندی اور طمع وہوس جس نے ہمیشہ حقیقت کو پامال کیا ہے اور غلط کام کرائے ہیں اس نے اس موقع پر بھی اپنا کام کیا ــــ مذکورہ بالا حضرات (یعنی حضرت علی وغیرہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تدفین کے کام میں مشغول تھے کہ سقیفہ بنی ساعدہ کے جلسہ میں ابوبکر کا انتخاب کر لیا گیا اور یہ (عمارتِ خلافت کی) "خشت اول" (پہلی اینٹ) تھی جو ٹیڑھی رکھی گئی۔ وہیں سے اختلاف شروع ہو گیا ــــ شیعہ کہتے ہیں کہ امام کی تعیین اور نامزدگی خدا کی طرف سے ہونی چاہیے اور اس کی طرف سے علی اور ان کی اولاد میں سے ائمہ معصومین اولی الامر نامزد ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان کو ائمہ اولی الامر متعین اور نامزد کیا ہے۔

خمینی صاحب نے امامت وخلافت کے بارے میں اپنا اور اپنے فرقہ شیعہ اثنا عشریہ کا یہ موقف اور دعویٰ بیان کرنے کے بعد مندرجہ ذیل سوالیہ عنوان قائم کر کے لکھا ہے۔

"چرا قرآن صریحاً اسم امام را نبردہ؟

پس ازانکہ بحکم خرد و قرآن روشن شد کہ امامت یکے از اصول مہم اسلام است خدا ایں اصل مسلم را در چند جائے قرآن ذکر کردہ اینک در جواب ایں

گفتار میپردازیم کہ چرا خدا اسم امام را بانعرہ شناسا مہ ذکر نکردہ تا خلاف
برداشتہ شود وانیہمہ خونریزی نشود؟ کشف الاسرار ص ۱۱۲

سوال کا حاصل یہ ہے کہ اگر حضرت علی اور ان کی اولاد میں سے ائمہ معصومین کی امامت کا مسئلہ (خمینی صاحب اور عام شیعوں کے دعوے کے مطابق) از روئے عقل اور از روئے قرآن اسلام کے اہم اصولوں میں سے ہے اور قرآن میں چند جگہ اس کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ تو پھر خدا نے قرآن میں امام کا نام کیوں ذکر نہیں کر دیا؟ اگر صراحت کے ساتھ امام کا نام قرآن میں ذکر کر دیا جاتا تو اس مسئلہ میں امت میں اختلاف پیدا نہ ہوتا اور جو خونریزیاں ہوئیں وہ نہ ہوتیں۔

خمینی صاحب کے جوابات

خمینی صاحب نے اس سوال کے چند جوابات دیے ہیں، ان میں سے پہلے دو جوابوں کا چونکہ ہمارے موضوع سے خاص تعلق نہیں ہے اس لیے ہم ان کو نظر انداز کرتے ہیں، تاہم ان کے بارے میں بھی اتنا عرض کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کی کتاب "الحکومۃ الاسلامیہ" اور "تحریر الوسیلہ" کے مطالعہ سے (عقیدہ سے قطع نظر) اُن کے علم و دانش کے بارہ میں جو اندازہ ہوا تھا یہ دو جواب اس سے کوئی مطابقت نہیں رکھتے بلکہ اس بات کی دلیل اور مثال ہیں کہ جب کوئی صاحب علم و دانش آدمی بھی ایک غلط عقیدہ قائم کر لیتا ہے اور اس کی حمایت کے لیے کمربستہ ہو جاتا ہے تو انتہائی درجہ کی بے تکی جاہلانہ اور سفیہانہ باتیں بھی اس سے سرزد ہوتی ہیں، اگر ہم کو خمینی صاحب پر تنقید اور ان کی تنقیص سے دلچسپی ہوتی تو ہم ان دو جوابوں کو بھی نقل کرتے اور ان پر بحث کر کے ناظرین کو دکھاتے کہ خالص علم و دانش کے لحاظ سے یہ دونوں جواب کس قدر لچر اور بے تکے ہیں۔ لیکن جیسا کہ عرض کیا جا چکا کہ ان کا ہمارے موضوع

سے تعلق نہیں اس لیے ہم نے ان کو نظرانداز کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔

خمینی صاحب نے اس سوال کا تیسرا جواب یہ دیا ہے جس کا ہمارے موضوع سے تعلق ہے۔

"۳۔ آنکہ فرضاً در قرآن اسم امام را ہم تعیین میکرد از کجا کہ خلاف بین مسلمانہا واقع نمیشد آنہا نیکہ سالہا در طمع ریاست خود را بدین پیغمبر چسپاندہ بودند و دستہ بندیہا میکردند ممکن نبود بگفتہ قرآن از کار خود دست بردارند، یا ہر حیلہ بود کار خود را انجام میدادند بلکہ شاید در اینصورت خلاف بین مسلمانہا طورے میشد کہ بانہدام اصل اسلام منتہی میشد، زیرا کہ ممکن بود آنہا کہ در صدد ریاست بودند چوں دیدند کہ باسم اسلام نمی شود بمقصود خود برسند یکرہ حزبے بر ضد اسلام تشکیل میدادند"...... الخ

کشف الاسرار ص۱۱۳-۱۱۴

اس جواب کا حاصل یہ ہے کہ اگر بالفرض قرآن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کے لیے امام کا (یعنی حضرت علی کا) نام بھی ذکر کر دیا جاتا تو یہ کہاں سے سمجھ لیا گیا کہ اس کے بعد امامت وخلافت کے بارے میں مسلمانوں میں اختلاف نہ ہوتا۔ جن لوگوں نے حکومت وریاست کی طمع ہی میں برسہا برس سے اپنے کو دین پیغمبر یعنی اسلام سے وابستہ کر رکھا اور چپکا رکھا تھا اور جو اسی مقصد کے لیے سازش اور پارٹی بندی کرتے رہے تھے، اُن سے ممکن نہیں تھا کہ قرآن کے فرمان کو تسلیم کر کے اپنے مقصد اور اپنے منصوبے سے دست بردار ہو جاتے۔ جس حیلے اور جس پینترے سے بھی ان کا مقصد (یعنی حکومت واقتدار) حاصل ہوتا وہ اس کو استعمال کرتے اور بہر قیمت اپنا منصوبہ پورا کرتے۔ بلکہ شاید اس صورت میں مسلمانوں کے درمیان ایسا اختلاف پیدا ہوتا جس کے نتیجہ میں اسلام کی بنیاد ہی منہدم ہو جاتی، کیونکہ ممکن تھا کہ اسلام قبول کرنے سے

جن لوگوں کا مقصد و نصب العین صرف حکومت واقتدار حاصل کرنا تھا جب وہ دیکھتے کہ اسلام کے نام سے اور اس سے وابستہ رہ کر ہم یہ مقصد حاصل نہیں کر سکتے تو اپنا یہ مقصد حاصل کرنے کے لیے اسلام ہی کے خلاف ایک پارٹی بنا لیتے اور اسلام کے کھلے دشمن بن کر میدان میں آجاتے....

یہ کن بدبختوں کا ذکر ہے؟

ہمارے بعض بھائی جو شیعہ مذہب سے واقف نہیں ہیں وہ شاید نہ سمجھ سکے ہوں کہ خمینی صاحب کن بدبخت لوگوں کے بارے میں فرمارہے ہیں کہ وہ حکومت وریاست ہی کی طمع اور طلب میں اسلام میں داخل ہوئے تھے اور اسی کی امید میں اس سے چپکے رہے اور اگر قرآن میں امت کے امام اور صاحب حکومت کی حیثیت سے حضرت علی کے نام کی صراحت بھی کر دی جاتی تب بھی وہ لوگ اس کو نہ مانتے، یہاں تک کہ اگر وہ دیکھتے کہ اسلام چھوڑ کے اور اس کی دشمنی کا موقف اختیار کر کے وہ حکومت واقتدار حاصل کر سکتے ہیں تو وہ ایسا ہی کرتے اور اسلام کے کھلے دشمن بن کر میدان میں آجاتے۔

تو ان ناواقف بھائیوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ مذہب شیعہ کے معروف مسلمات میں سے یہ بھی ہے کہ خلفائے ثلاثہ کا یہی حال تھا۔ حضرت ابوبکر کو ان کے ایک کاہن دوست نے (اور ایک دوسری شیعی روایت کے مطابق کسی یہودی عالم نے) بتلایا تھا کہ مکہ میں ایک نبی پیدا ہوں گے اور ان کی حکومت قائم ہو جائے گی، تم ان کے ساتھ لگ جاؤ گے تو ان کے بعد تم اُن کی جگہ حکمراں ہو جاؤ گے تو (معاذاللہ) ابوبکر نے اس کاہن (یا یہودی) کے کہنے کی بنیاد پر حکومت ہی کی طمع میں بظاہر اسلام قبول کیا تھا۔ "حملۂ حیدری"[1]

---

[1] حاشیہ اگلے صفحہ پر

کا مصنف باذل ایرانی، کاہن والی کہانی بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے ؎

باو کاہنے دادہ بود یک خبر — کہ مبعوث گردد یکے نامور
زبطحا زمیں در ہمیں چند گاہ — بود خاتم انبیائے الٰہ
تو با خاتم انبیا بگروی — چو او بگذرد جانشینش شوی
زکاہن چو بودش بیاد ایں نوید — بیاورد ایماں نشاں چوں بدید

(حملہ حیدری صـ۱۴۲ ۔ بحوالہ آیات بینات صـ۸۲)

اور اسی حملہ حیدری میں ہے۔

خبر دادہ بودند چوں کاہناں — کہ دین محمد بگیرد جہاں
ہمہ پیروانش بعزت رسند — تمام اہل انکار ذلت کشند
یکے کرد ازیں رہ ایماں قبول — یکے محض بہر خدا و رسول

ان اشعار کا حاصل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت و نبوت سے پہلے ایک کاہن نے ابوبکر کو اپنے فن کہانت کے حساب سے بتلایا تھا کہ قریبی زمانہ میں مکہ کی سرزمین سے ایک نبی اٹھے گا جو خاتم الانبیاء ہوگا، اس کا دین دنیا میں پھیل جائے گا، اس کے ماننے والوں کو عزت و سربلندی نصیب ہوگی اور اس کے منکر ذلیل و خوار ہوں گے ۔ اے ابوبکر تم اس کے ساتھ لگ جاؤ گے تو اُس کے انتقال کے بعد تم ہی اُس کے جانشین ہو جاؤ گے۔ ابوبکر کو کاہن کی یہ بات یاد تھی اس لیے

لـہ (گذشتہ صفحہ کا حاشیہ) حملہ حیدری شیعہ حضرات کی مقبول ترین کتابوں میں سے ہے۔ یہ شیعی نقطۂ نظر کے مطابق تاریخ اسلام کا منظوم دفتر ہے۔ اس کا مصنف باذل ایرانی بڑا قادر الکلام شاعر ہے۔ یہ کتاب ہندوستان میں پہلی بار تقریباً ڈیڑھ سو سال پہلے ۱۲۶۷ھ میں مطبع سلطانی لکھنؤ میں اس دور کے مجتہد اعظم سید محمد صاحب کی اصلاح اور تحشیہ کے ساتھ طبع ہوئی تھی۔

جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے نبوت کا دعویٰ کیا تو وہ ایمان لا کے
اُن کے ساتھ ہو گئے۔

اور شیعوں کے معروف مصنف علامہ باقر مجلسی نے رسالہ رجعیہ میں بارہویں امام معصوم
(امام مہدی) کی طرف نسبت کرکے ان کا ارشاد نقل کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ

ایشاں از روئے گفتہ یہود	انھوں نے یہود کے بتلانے کے
بظاہر کلمتین گفتند از برائے	مطابق کلمہ توحید اور کلمہ رسالت زبان
طمع اینکہ شاید ولایتے وحکومتے	سے پڑھ لیا تھا اس لالچ اور امید میں کہ
حضرت باایشاں بدہد و در باطن	شاید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حکومت
کافر بودند۔	اور اقتدار ان کو دے دیں اور اپنے
بحوالہ آیات بینات ص۸۵-۸۶	باطن میں اور دل میں یہ کافر ہی تھے۔

بہرحال خمینی صاحب نے اپنی مندرجہ بالا عبارت میں حضرات خلفائے ثلاثہ اور اُن کے
رفقاء کار تمام اکابر صحابہ ہی کے بارے میں فرمایا ہے کہ اسلام میں داخل ہونے سے
ان کا مقصد صرف حکومت واقتدار حاصل کرنا تھا اور اس کے لیے یہ قرآن کے صریح
فرمان کی مخالفت کر سکتے تھے اور اگر یہ دیکھتے کہ یہ مقصد اسلام چھوڑ کے اور (ابوجہل
وابولہب کی طرح) اس کی دشمنی کا موقف اختیار کرکے حاصل ہو سکتا ہے تو یہ لوگ
بے دریغ یہ بھی کر گزرتے[1] (آگے اسی سوال کا جواب دیتے ہوئے خمینی صاحب نے حضرات
شیخین کا نام لے کر بھی شق تبرا فرمائی ہے جیسا کہ ناظرین کرام ملاحظہ فرمائیں گے۔)

---

[1] چونکہ اس وقت ہمارا اصل خطاب اہلسنت سے ہے اس لیے ہم ان خرافات کی تردید میں کچھ کہنے کی ضرورت
نہیں سمجھتے، ہمیں یقین ہے کہ ہر مسلمان بلکہ وہ غیر مسلم بھی جو اسلام اور اس کی تاریخ کے بارے میں کچھ
جانتے ہیں ان خرافات کو خرافات ہی سمجھیں گے۔ قاتلهم الله انّٰی یوفکون

یہاں تک خمینی صاحب کے جواب ۳ پر گفتگو ہوئی۔ اب ناظرین کرام ان کا جواب ۴ ملاحظہ فرمائیں۔

۴۔ آنکہ ممکن بود در صورتیکہ امام را در قرآن ثبت میکردند آنہائیکہ جز برائے دنیا و ریاست با اسلام و قرآن سروکار نداشتند و قرآن را وسیلہ اجرائے نیات فاسدہ خود کردہ بودند آں آیات را از قرآن بردارند و کتاب آسمانی را تحریف کنند و برائے ہمیشہ قرآن را از نظر جہانیان بیندازند و تا روز قیامت ایں ننگ برائے مسلمانہا و قرآن آنہا بماند وہما عیبے را کہ مسلمانان بکتاب یہود و نصاریٰ میگرفتند عیناً برائے خود انہا ثابت شود۔ (کشف الاسرار ص ۱۱۴)

خمینی صاحب کے اس جواب ۴ کا حاصل یہ ہے کہ ___ اگر اللہ تعالیٰ قرآن میں امام کا نام بھی صراحتہً ذکر فرما دیتا تو جن لوگوں نے اسلام اور قرآن سے صرف دنیا اور حکومت ہی کے لیے تعلق قائم کیا تھا اور قرآن کو انھوں نے اپنی اغراض فاسدہ کا ذریعہ اور وسیلہ بنا لیا تھا اور اس کے سوا اسلام اور قرآن سے ان کو کوئی سروکار نہیں تھا ان کے لیے بالکل ممکن تھا کہ اُن آیتوں کو (جن میں امام کا نام ذکر کیا گیا ہوتا) وہ قرآن سے نکال دیتے اور اس مقدس آسمانی کتاب میں تحریف کر دیتے اور قرآن کے اس حصہ کو ہمیشہ کے لیے دنیا والوں کی نظر سے غائب کر دیتے اور روز قیامت تک مسلمانوں اور ان کے قرآن کے لیے یہ بات باعث شرم و عار ہوتی اور مسلمانوں کی طرف سے یہود و نصاریٰ کی کتابوں کے بارے میں تحریف کا جو اعتراض کیا جاتا ہے وہی اعتراض اُن پر اور اُن کے قرآن پر عائد اور وارد ہوتا ___

خمینی صاحب کے جواب ۳ کی وضاحت کرتے ہوئے اوپر جو کچھ لکھا گیا ہے اس کے بعد اس جواب ۴ پر کسی تبصرہ کی ضرورت نہیں، اس میں خمینی صاحب نے اپنے

اس عقیدہ کا عام تبرائی شیعوں کی طرح صفائی سے اظہار فرمایا ہے کہ حضرات خلفائے ثلاثہ اور ان سے بیعت کر کے مخلصانہ تعاون کرنے والے تمام ہی صحابہ کرام نے (معاذ اللہ) صرف دنیا اور حکومت و ریاست کی طمع میں اسلام سے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق جوڑا تھا اور وہ اپنے اس مقصد کے لیے ہر نا کردنی کر سکتے تھے یہاں تک کہ قرآن میں تحریف بھی کر سکتے تھے ۔۔۔ اس کے بعد خمینی صاحب کا جواب ۵ ملاحظہ فرمایا جائے۔

۵۔ فرضاً کہ ہیچ یک ازیں امور نمی شد باز خلاف از بین مسلمانہا برنمی خواست زیرا ممکن بود آں حزب ریاست خواہ کہ از کار خود ممکن نبود دست بردارند فوراً یک حدیث بہ پیغمبر اسلام نسبت دہند کہ نزدیک رحلت گفت امر شما با شوریٰ باشد، علی بن ابی طالب را خدا ازیں منصب خلع کرد۔ کشف الاسرار ص۱۱۴

خمینی صاحب کے اس جواب ۵ کا حاصل یہ ہے کہ فرض کر لیا جائے کہ اگر قرآن میں صراحت کے ساتھ امام اور ولی الامر کی حیثیت سے حضرت علی کا نام صراحت کے ساتھ ذکر کر دیا جاتا اور جواب ۳ و ۴ میں ہم نے جن باتوں کا ذکر کیا اُن میں سے بھی کوئی بات ظہور میں نہ آتی اور قرآن میں تحریف بھی نہ کی جاتی اور وہ آیت جوں کی توں قرآن میں موجود ہوتی جس میں علی بن ابی طالب کی امامت کی صراحت کی گئی ہوتی تب بھی یہ نہیں ہو سکتا تھا کہ امامت و خلافت کے مسئلہ میں مسلمانوں میں وہ اختلاف نہ ہوتا جو ہوا۔ کیونکہ جو پارٹی (یعنی معاذ اللہ ابوبکر و عمر کی پارٹی) صرف حکومت و اقتدار کی طالب تھی اور اسی کی طمع اور امید میں اُس نے اپنے کو اسلام کے ساتھ چپکایا تھا، ممکن نہ تھا کہ وہ قرآن کی اس آیت کی وجہ سے اپنے مقصد سے دستبردار ہو جاتی، وہ لوگ فوراً ایک حدیث اس مضمون کی گھڑ کے اور رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت کر کے پیش کر دیتے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے آخری وقت میں فرمایا تھا کہ تمہاری امارت وحکومت کا معاملہ باہمی شورہ سے طے ہوگا۔ علی بن ابی طالب کو خدا نے امامت کے منصب سے معزول کر دیا ہے۔ خمینی صاحب کا یہ جواب بھی ان کے باطن کا پورا آئینہ دار ہے اور کسی وضاحت اور تبصرہ سے بے نیاز ہے۔

اس جواب مـ۵ کے بعد خمینی صاحب نے حضرات شیخین کا نام لے کر مشق تبرا فرمائی ہے پہلے عنوان قائم فرمایا ہے "مخالفتہائے ابوبکر بانص قرآن" اس کے بعد دوسرا عنوان قائم کیا ہے "مخالفت عمر با قرآن خدا" پہلے عنوان کے تحت فرمایا ہے۔

"شاید بگویند اگر در قرآن امامت تصریح میشد شیخین مخالفت نمیکردند و فرضاً آنہا مخالفت می خواستند بکنند مسلمانہا از آنہا نمی پذیرفتند۔ ناچار دریں مختصر چند مادہ از مخالفتہائے آنہا بصریح قرآن ذکر میکنیم تا روشن شود کہ آنہا مخالفت میکردند مردم ہم میپذیرفتند"

کشف الاسرار مـ۱۱۱

مطلب یہ ہے کہ اگر آپ کہیں کہ قرآن میں اگر صراحت کے ساتھ حضرت علی کی امامت وولایت کا ذکر کر دیا جاتا تو شیخین (ابوبکر وعمر) اس کے خلاف نہیں کر سکتے تھے، اور اگر بالفرض وہ اس کے خلاف کرنا چاہتے تو عام مسلمان قرآن کے خلاف ان کی اس بات کو قبول نہ کرتے اور ان کی بات نہ چل سکتی۔ (خمینی صاحب اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ یہ خیال اور یہ خوش گمانی غلط ہے) ہم اس کی چند مثالیں یہاں پیش کرتے ہیں کہ ابوبکر نے اور اسی طرح عمر نے قرآن کے صریح احکام کے خلاف کام اور فیصلے کیے اور عام مسلمانوں نے ان کو قبول بھی کر لیا۔ کسی نے مخالفت نہیں کی۔

اس کے بعد خمینی صاحب نے (اپنے خیال کے مطابق) اس کی تین مثالیں حضرت

ابوبکر صدیق سے متعلق پیش کی ہیں ان میں پہلی مثال غالباً سب سے زیادہ وزنی سمجھ کر خمینی صاحب نے یہ پیش فرمائی ہے کہ قرآنی آیات اور اس کے بیان فرمائے ہوئے قانون وراثت کی رو سے آپ کی صاحبزادی فاطمہ زہرا آپ کے ترکہ کی وارث تھیں لیکن ابوبکر نے خلیفہ ہونے کے بعد صریح قرآنی حکم کے خلاف ان کو ترکہ سے محروم کر دیا اور رسول خدا کی طرف سے یہ حدیث گھڑ کے لوگوں کے سامنے پیش کر دی۔
"انا معشر الانبیاء لا نورث ما ترکناہ صدقۃ" (کشف الاسرار ص۱۱۵) (ہم پیغمبروں کا کوئی وارث نہیں ہوتا، ہم جو بھی چھوڑیں صدقہ ہے)

خمینی صاحب نے ابوبکر صدیق کی مخالفت قرآن کی یہ پہلی مثال پیش فرمائی ہے — جیسا کہ پہلے بھی ہم عرض کر چکے ہیں خمینی صاحب کی باتوں کا جواب دینا اس وقت ہمارا موضوع نہیں ہے تاہم یہاں اتنا اشارہ کر دینا ہم نامناسب نہیں سمجھتے کہ حضرت ابوبکر صدیق نے یہ حدیث بیان فرما کر خود اپنی صاحبزادی حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت عمر کی صاحبزادی حضرت حفصہ کو بھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ ہونے کی حیثیت سے آپ کی وارث تھیں آپ کے ترکہ سے ان کا حصہ نہیں دیا۔ (اس مسئلہ کی پوری بحث نواب محسن الملک مرحوم کی "آیات بینات" میں دیکھی جا سکتی ہے)

صدیق اکبر کی مخالفت قرآن کی خمینی صاحب کی طرف سے پیش کی ہوئی یہ پہلی مثال تھی۔ باقی دو مثالیں بھی اسی طرح کی ہیں — اس کے آگے خمینی صاحب نے "مخالفت عمر با قرآن خدا" کا عنوان قائم کر کے چار مثالیں حضرت عمر سے متعلق ذکر کی ہیں۔ جن میں سب سے پہلی مثال (غالباً اپنے دعوے کی سب سے زیادہ روشن اور وزنی دلیل سمجھتے ہوئے) خمینی صاحب نے یہ پیش فرمائی ہے کہ متعہ کو قرآن میں

جائز قرار دیا گیا تھا[1]، عمر نے قرآنی حکم کے خلاف اس کو حرام قرار دے دیا ـــــ باقی تین مثالیں بھی اسی طرح کی اور اسی وزن کی ہیں۔ ع

قیاس کن زگلستان من بہار مرا

حقیقت یہ ہے کہ یہ مثالیں ہی حضرات شیخین اور عام صحابہ کرام کے خلاف خمینی صاحب کے قلبی عناد کی دلیلیں ہیں ـــــ اور چوں کہ یہ سب وہی گھسے پٹے مطاعن اور مباحث ہیں جن پر گزشتہ سات آٹھ صدیوں میں عربی، فارسی اور اُردو میں بھی بلا مبالغہ سیکڑوں نہیں، ہزاروں چھوٹی بڑی کتابیں اور مضامین و مقالات لکھے جا چکے ہیں، اس لیے ہم نے ان مثالوں کا ذکر کرنا اور ان پر تبصرہ کرنا غیر ضروری سمجھا نیز یہ کہ ساتویں اور آٹھویں صدی کے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ سے لے کر ہماری چودھویں صدی کے حضرت مولانا عبدالشکور صاحب فاروقی لکھنویؒ تک اہل سنت کے متکلمین و مصنفین نے اِن موضوعات پر جو کچھ لکھا ہے (جو بجائے خود ایک وسیع کتب خانہ ہے) راقم سطور کے نزدیک اس پر کسی اضافہ کی نہ ضرورت ہے نہ گنجائش۔

علاوہ ازیں جیسا کہ پہلے بھی عرض کیا جا چکا ہے ہمارے اس مقالہ کا موضوع شیعہ سنی اختلافی مسائل پر بحث مباحثہ نہیں ہے۔ اس میں ہمارا خطاب اہل سنّت

---

[1] ہمارے اکثر ناظرین واقف نہ ہوں گے کہ متعہ شیعہ مذہب میں صرف جائز اور حلال ہی نہیں ہے بلکہ اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے۔ تفسیر منہج الصادقین میں رسول خدا صلعم کی طرف نسبت کر کے حدیث نقل کی گئی ہے۔

من تمتع مرۃ فدرجتہ کدرجۃ الحسینؑ	جو ایک دفعہ متعہ کرے وہ امام حسینؑ کا درجہ پائے گا اور
ومن تمتع مرتین فدرجتہ کدرجۃ الحسنؑ	جو دو دفعہ متعہ کرے وہ امام حسنؑ کا اور جو تین دفعہ متعہ
ومن تمتع ثلث مرات فدرجتہ کدرجۃ علیؑ	کرے وہ امیر المومنین کا درجہ پائے گا اور جو چار دفعہ
ومن تمتع اربع مرات فدرجتہ کدرجتی۔	متعہ کرے وہ میرا (یعنی رسول پاکؐ) کا درجہ
(منہج الصادقین جلد اول ص ۳۵۶)	پائے گا (نعوذ باللہ)

ہی سے، خاص کر اُن پڑھے لکھے اور دانشور کہلائے جانے والے حضرات سے ہے جو اُس پروپیگنڈے سے متاثر ہیں جو ایرانی سفارتخانوں اور اُن کے ایجنٹوں کے ذریعہ خمینی صاحب کی شخصیت کے بارے میں کیا جا رہا ہے کہ وہ شیعہ سنی اختلاف سے بالاتر بلکہ بیزار ہیں، وحدت اسلامی کے داعی ہیں، حضرات خلفائے راشدین کا احترام کرتے ہیں اور ایسے لوگوں کو وہ شیطان قرار دیتے ہیں جو شیعہ سنی اختلاف کی بات کریں ـــــــ یہ پروپیگنڈا (جو سو فیصد تقیہ اور جھوٹ پر مبنی ہے) اس طرح کیا جا رہا ہے کہ زمین و آسمان کے درمیان کی پوری فضا اس سے بھر دی گئی ہے[1]۔

الغرض اس مقالہ میں ہمارا خاص خطاب اہل سنت میں سے انہی حضرات سے ہے جو حقیقت سے ناواقفی اور سادہ لوحی کی وجہ سے اس پروپیگنڈے پر یقین کرتے ہیں ـــــــ ہمارا مقصد انہی حضرات کو خمینی صاحب کی حقیقت اور حضرات خلفائے راشدین

---

[1] ہندوستان و پاکستان کے ایرانی سفارتخانوں اور ان کی ایجنسیوں اور ایجنٹوں کے ذریعہ اخبارات و رسائل اور پمفلٹوں کی شکل میں اُردو زبان میں جو پروپیگنڈہ اس سلسلہ میں کیا جا رہا ہے اس کا حال تو کسی قدر تفصیل سے معلوم ہے۔ لیکن یورپ، امریکہ، افریقہ جیسے ممالک کے بارے میں خطوط اور دوسرے ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ وہاں کی زبانوں میں یہ پروپیگنڈہ اس سے بھی زیادہ وسیع پیمانے پر کیا جا رہا ہے اور عام طور سے پڑھے لکھے مسلمان جو حقیقت سے بالکل واقف نہیں اس پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر خمینی صاحب کے بارے میں ایسا ہی یقین رکھتے ہیں ـــ ان بیچاروں کو کیا معلوم کہ تقیہ (یعنی جھوٹ بول کر دوسروں کو دھوکہ دینا) شیعہ مذہب میں صرف جائز نہیں بلکہ اعلیٰ درجہ کی عبادت اور ائمہ معصومین کی سنت ہے۔ مذہب شیعہ کی معتبر کتابوں میں یہ مسئلہ لکھا ہوا ہے کہ سنیوں کے ساتھ جماعت میں ان کے امام کے پیچھے ازراہ تقیہ جو نماز پڑھی جائے اس کا ثواب پچیس درجہ زیادہ ہوگا (من لا یحضرہ الفقیہ ج ۱ ص ۱۲۷) تقیہ کے موضوع پر انشاء اللہ آگے تفصیل سے لکھا جائے گا۔

اور عام صحابہ کرام اور اہل سنت کے بارے میں ان کے خیالات اور موقف سے واقف کرانا ہے اور ہم سمجھتے ہیں کہ اگر عقلیں مسخ نہیں کر دی گئی ہیں اور ہدایت سے محرومی کا فیصلہ نہیں کر دیا گیا ہے تو خمینی صاحب کی جو عبارتیں ان صفحات میں ان کی کتاب "کشف الاسرار" سے نقل کی گئی ہیں وہی اس مقصد کے لیے کافی ہیں۔

ہاں اس سلسلہ میں حضرت فاروق اعظم کی شان میں خمینی صاحب کا ایک انتہائی دل آزار اور دلخراش جملہ ہم دل پر جبر کر کے ان فریب خوردہ حضرات کی عبرت وبصیرت کے لیے اور نقل کرتے ہیں۔

خمینی صاحب نے "مخالفتِ عمر با قرآن خدا" کے عنوان کے تحت، سب سے آخر میں "حدیث قرطاس" کا ذکر کیا ہے۔ اس سلسلۂ کلام میں فاروق اعظم کی شان میں اُن کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

"ایں کلام یاوہ کہ از اصل کفر و زندقہ ظاہر شدہ مخالفت است بایاتے از قرآن کریم۔" (کشف الاسرار ص ۱۱۹)

اس جملہ میں حضرت فاروق اعظم کو صراحۃً کافر و زندیق قرار دیا گیا ہے۔ خمینی صاحب کی اس گستاخی پر لکھنے کو تو بہت کچھ دل چاہتا ہے لیکن اس سے اپنے غیظ وغضب کے اظہار کے سوا کوئی فائدہ نہ ہوگا اس لیے اس کا انتقام "عزیز ذو انتقام" ہی کے سپرد کرتے ہیں۔

خمینی صاحب نے اس بحث کے آخر میں ایک عنوان قائم فرمایا ہے:

نتیجہ سخن ما در ایں بارہ (یعنی شیخین کی طرف سے قرآن کی مخالفت کے بارے میں ہماری مندرجہ بالا گفتگو کا نتیجہ) اس عنوان کے تحت خمینی صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

"از مجموعہ ایں مادہا معلوم شد مخالفت کردن ۔ شیخین از قرآن در حضور
مسلماناں یک امر خیلے مہمے نہ بود و مسلماناں نیز یا داخل در حزب خود آنہا
بودہ و در مقصود با آنہا بودند، و یا اگر ہمراہ نبودند جرأت حرف زدن در مقابل
آنہا کہ با پیغمبر خدا و دختر او ایں طور سلوک میکردند نداشتند، و یا اگر گاہے
یکے از آنہا یک حرفے میزد بسخن او ارجے نمیگذاشتند و جملہ کلام آنکہ اگر در
قرآن ہم ایں امر با صراحت لہجہ ذکر میشد باز آنہا دست از مقصود خود بر نمیداشتند
و ترک ریاست برائے گفتہ خدا نمی کردند ۔ منتہا چوں ابوبکر ظاہر سازیش
بیشتر بود با یک حدیث ساختگی کار را تمام میکرد چنانچہ راجع بآیات ارث
دیدید و از عمر ہم استبعادے نداشت کہ آخر امر بگوید خدا یا جبرئیل یا پیغمبر در
فرستادن یا آوردن ایں آیت اشتباہ کردند و مہجور شدند، آنگاہ
سنیاں نیز از جائے برنخواستند و متابعت او را میکردند چنانچہ در ایں ہمہ
تغییرات کہ در دین اسلام داد متابعت از او کردند و قول او را بآیات قرآنی
و گفتہہائے پیغمبر اسلام مقدم داشتند ۔" کشف الاسرار ص ۱۱۹-۱۲۰

خمینی صاحب نے اس طول طویل عبارت میں اپنے ناظرین کے سامنے اس بحث
کا نتیجہ اور خلاصہ پیش کیا ہے جو انھوں نے شیخین (حضرت ابوبکر و حضرت عمر) کی مخالفت
قرآن کے بارہ میں کی ہے، (جو ہمارے ناظرین کرام نے گزشتہ صفحات میں ملاحظہ
فرمائی) خمینی صاحب کی اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ ہم نے ابوبکر و عمر کی مخالفتِ
قرآن کی جو مثالیں پیش کی ہیں ان سے معلوم ہوگیا کہ مسلمانوں کی موجودگی میں اور
علانیہ ان کے سامنے صریح قرآنی احکام کے خلاف رویہ اختیار کرنا ان دونوں کے لیے
کوئی اہم اور غیر معمولی بات نہیں تھی، اس وقت کے مسلمانوں (یعنی صحابہؓ) کا حال
یہ تھا کہ یا تو وہ ان کی پارٹی میں شامل اور حکومت و اقتدار طلبی کے ان کے مقصد

نصب العین میں اُن کے ساتھ شریک، اُن کے رفیق کار اور پورے ہمنوا تھے، یا اگر ان کی پارٹی میں شامل اور ان کے پورے ہم نوا نہیں تھے تو بھی ان کا حال یہ تھا کہ وہ ان جفا پیشہ طاقتور منافقین کے خلاف ایک حرف بھی زبان سے نکالنے کی جرأت نہیں کر سکتے تھے جو خود رسول خدا اور آپ کی لخت جگر فاطمہ زہرا کے ساتھ ظالمانہ سلوک کر چکے تھے،[1] وہ ان سے ڈرتے تھے اس وجہ سے اُن کے خلاف زبان کھولنے کی ان میں جرأت و ہمت ہی نہیں تھی، اور اگر اُن میں سے کوئی بات کرنے کی ہمت

---

[1] اس ظالمانہ سلوک سے خمینی صاحب کا اشارہ اُن شیعی روایات کی طرف ہے جن میں بیان کیا گیا ہے کہ (معاذ اللہ) شیخین اور ان کی پارٹی کے خاص ساتھیوں نے رسول خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) کو کیسی ایذائیں پہنچائیں اور کیسے کیسے ستایا اور آپ کی وفات کے بعد آپ کی لخت جگر فاطمہ زہرا کے ساتھ کیسا ظالمانہ سلوک کیا، ابوبکر نے ان کو باپ کے ترکہ سے محروم کیا اور (معاذ اللہ) عمر نے ان کے بازو پر ایسا تازیانہ مارا جس سے ان کا بازو سوج گیا، اور گھر کا دروازہ ان پر گرا دیا جس سے ان کی پسلیاں ٹوٹ گئیں اور پیٹ میں جو بچہ تھا جس کا نام پیدائش سے پہلے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم محسن رکھ گئے تھے وہ شہید ہو گیا" یہ (خرافاتی) روایت ملا باقر مجلسی نے "جلاء العیون" میں ذکر کی ہے (اس کے اُردو ترجمہ مطبوعہ لکھنؤ کے حصہ اول ص۱۸۲ پر بھی دیکھی جا سکتی ہے) اور واضح رہے کہ خمینی صاحب نے اپنی اس کتاب کشف الاسرار کے ص۱۲۱ پر مجلسی کی کتابوں کو معتبر قرار دیکر اُن کے مطالعہ کا مشورہ دیا ہے۔ نیز یہ روایت شیعہ مسلک کی معتبر ترین کتاب احتجاج طبرسی ص۴۷ میں بھی ہے۔ علاوہ ازیں خود خمینی صاحب نے حضرت عمر کے بارے میں کشف الاسرار ہی میں لکھا ہے کہ انھوں نے رسول خدا کے آخری وقت میں آپ کی شان میں ایسی گستاخی کی کہ روح پاک کو انتہائی صدمہ ہوا اور آپ اسی صدمہ کو لے کر دنیا سے رخصت ہوئے۔ (ص۱۱۹) اور اسی کشف الاسرار میں حضرت عمر کے بارے میں لکھا ہے کہ انھوں نے رسول خدا کے گھر میں آگ لگائی (درخانہ پیغمبر آتش زد ص۱۱۱) معاذ اللہ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ ۱۲

بھی کرتا اور کچھ بولتا تو وہ اس کی کوئی پروا نہ کرتے اور جو کرنا ہوتا وہی کرتے ـــــ حاصل یہ کہ اگر قرآن میں امامت کے منصب کے لیے حضرت علی کے نام کی صراحت بھی کر دی گئی ہوتی تب بھی یہ لوگ (شیخین اور ان کی پارٹی) اللہ کے فرمان کی وجہ سے حکومت پر قبضہ کرنے کے اپنے مقصد اور منصوبے سے ہرگز دستبردار نہ ہوتے، ابوبکر جنھوں نے پہلے سے پورا منصوبہ تیار کر رکھا تھا، قرآن کی اُس آیت کے خلاف ایک حدیث گھڑ کے پیش کر دیتے اور معاملہ ختم کر دیتے جیسا کہ انھوں نے حضرت فاطمہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث سے محروم کرنے کے لیے کیا ـــــ اور عمر سے بالکل بعید نہیں تھا کہ وہ (اس آیت کے بارے میں جس میں صراحت کے ساتھ امامت کے منصب پر حضرت علی کی نامزدگی کا ذکر کیا گیا ہوتا) یہ کہہ کر معاملہ ختم کر دیتے کہ یا تو خود خدا سے اس آیت کے نازل کرنے میں یا جبرئیل یا رسول خدا سے اس کے پہنچانے میں بھول چوک ہو گئی، اُس وقت سنی لوگ بھی ان کی تائید کے لیے کھڑے ہو جاتے اور خدا کے فرمان کے مقابلہ میں اُن ہی کی بات مانتے ـــــ جیسا کہ ان ساری تبدیلیوں کے بارے میں ان کا رویہ ہے جو عمر نے دین اسلام اور اُس کے احکام میں کی ہیں، ان سب میں سنیوں نے قرآنی آیات اور رسول خدا کے ارشادات کے مقابلہ میں عمر کی بات ہی کو مقدم رکھا ہے اور اسی کی پیروی کر رہے ہیں۔

حضرت عثمان ذوالنورینؓ کے بارے میں:

شاید ناظرین نے بھی محسوس کیا ہو کہ حضرات شیخین، عام صحابہ کرام اور اس کے آگے اُن کے متبعین اولین و آخرین اہل سنت کے بارے میں تو خمینی صاحب نے اس موقع پر اپنے خیالات و "تحقیقات" کا اظہار فرمایا لیکن خلیفہ ثالث حضرت عثمانؓ کا کوئی ذکر ہی نہیں آیا ـــــ تو ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ خمینی صاحب کے نزدیک

(معاذاللہ) اس درجہ کے مجرم ہیں کہ ان کو اور ان کے ساتھ حضرت معاویہؓ کو انھوں نے یزید کے ساتھ مجرمین کے کٹہرے میں کھڑا کیا ہے۔ اسی کتاب "کشف الاسرار" میں مندرجہ بالا بحث سے چند صفحے پہلے یہ مضمون لکھنے کے بعد کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو بھیج کر دین اسلام کی، اور خداوندی قانون کے مطابق ایک حکومت عادلہ کی تعمیر و تکمیل کرائی اور یہ عمارت مکمل ہو گئی، تو عقل کا تقاضا ہے کہ وہ خدا اُس کی بقا اور حفاظت کا بھی انتظام کرے اور اپنے پیغمبر ہی کے ذریعہ اس کے بارے میں ہدایت دے، اگر وہ ایسا نہیں کرتا، تو وہ اس کا مستحق نہیں کہ اس کو خدا مان کر ہم اس کی پرستش کریں ـــــ آگے اسی سلسلہ میں خمینی صاحب نے لکھا ہے۔

> ماخدائے راپرستش میکنیم ومیشناسیم کہ کارہایش براساس عقل پائیدار وبخلاف گفتۂ عقل ہیچ کارے نہ کند نہ آں خدائے کہ بنائے مرتفع از خداپرستی وعدالت ودینداری بنا کند وخود بخرابی آں بکوشد ویزید ومعاویہ وعثمان وازیں قبیل چپاولچی ہائے دیگر رابمردم امارت دہد۔
>
> (کشف الاسرار صلاا)

مطلب یہ ہے کہ ہم ایسے خدا کی پرستش کرتے اور اسی کو مانتے ہیں جس کے سارے کام عقل و حکمت کے مطابق ہوں۔ ایسے خدا کو نہیں جو خداپرستی اور عدالت و دینداری کی ایک عالی شان عمارت تیار کرائے اور خود ہی اس کی بربادی کی کوشش کرے کہ یزید و معاویہ اور عثمان جیسے ظالموں بدقماشوں کو امارت اور حکومت سپرد کر دے۔

اس وقت ہم کو اس پر کوئی تبصرہ نہیں کرنا ہے ناظرین کو صرف یہ بتلانا ہے کہ حضرت عثمان بھی (جن کے ساتھ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے یکے بعد دیگرے دو صاحبزادیوں کا نکاح کیا اور یہ شرف اُن کے سوا کسی کو حاصل نہیں) خمینی صاحب

کے نزدیک اس درجہ کے مجرم ہیں۔ (کبرت کلمۃً تخرج من افواھھم)

اب رہ گئے بس حضرت علیؓ اور ان کے تین یا چار ساتھی (حضرت سلمان فارسی ابوذر غفاری، مقداد بن الاسود اور ایک روایت کے مطابق چوتھے عمار بن یاسر بھی) اس وقت کے ایک لاکھ سے اوپر مسلمانوں میں شیعی روایات کے مطابق بس یہی پانچ حضرات تھے، جو منافق نہیں تھے مومن صادق تھے، اور وفات نبوی کے بعد بھی یہ ثابت قدم رہے ـــــ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اس پانچ نفری جماعت میں قائد اور امیر کی حیثیت حضرت علی ہی کی تھی باقی چار اُن کے متبع اور پیروکار تھے ـــــ لیکن (شیعی روایات اور خمینی صاحب کے بیان کے مطابق) اُن کا بھی حال یہ تھا کہ یہ جاننے کے باوجود کہ ابوبکر (معاذ اللہ) مومن نہیں منافق ہیں اور انھوں نے صرف حکومت اور اقتدار کی طمع اور ہوس میں اپنے کو مسلمان ظاہر کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چپکا رکھا تھا، اور (معاذ اللہ) یہ ایسے بدکردار ہیں کہ حکومت طلبی کے مقصد کے تقاضے سے قرآن میں تحریف بھی کر سکتے ہیں، اور اس کے بعد بھی آگے یہ کہ اگر کسی وقت یہ محسوس کریں کہ اسلام چھوڑ کے (اور ابوجہل و ابولہب کی طرح) اسلام دشمنی کا موقف اختیار کر کے ہی یہ حکومت و اقتدار حاصل کر سکتے ہیں تو یہ بھی کر گزریں گے۔ (بہرحال ابوبکر کے بارے میں یہ سب کچھ جاننے کے باوجود) حضرت علی نے دباؤ کی مجبوری سے تقیہ کا راستہ اختیار کر کے ان کی بیعت کی اور اُن کے ساتھ اُن کے چاروں ساتھیوں نے بھی اسی طرح تقیہ کا راستہ اختیار کر کے ضمیر کے خلاف ان کی بیعت کی۔ شیعہ حضرات کی معتبر کتاب "احتجاج طبرسی" میں ہے۔

ما من الامۃ احدٌ	سوائے علی کے اور ہمارے ان چاروں
بایع مکرھاً غیر علی	کے امت میں سے کسی نے ابوبکر کی

دار بعتنا (ص۴۲) بیعت زور اور زبردستی سے مجبور ہو کر نہیں کی (یعنی ان کے سوا سب مسلمانوں نے ان کی بیعت برضا و رغبت کی۔)

پھر شیعہ مذہب کے مسلمات میں سے ہے کہ حضرت علی، ابوبکر کی پوری مدت خلافت میں اس تقیہ ہی کی روش پر قائم رہے، دن میں پانچ وقت اُن کے پیچھے نمازیں پڑھتے رہے، اور امور خلافت میں برابر تعاون کرتے رہے۔ پھر یہی رویہ ان کا حضرت عمر کے قریباً دس سالہ دور خلافت میں اور اس کے بعد حضرت عثمان کے قریباً بارہ سالہ دور خلافت میں بھی رہا ـــــ الغرض خلفائے ثلٰثہ کے پورے ۲۴ سالہ دور خلافت میں وہ اسی روش پر قائم رہے، انھوں نے کبھی جمعہ یا عیدین یا حج کے جیسے مجامع میں امامت و خلافت کے مسئلہ میں اپنے اختلاف کا اظہار نہیں کیا، ان کا رویہ تعاون اور وفاداری ہی کا رہا۔

پھر شیعی روایات میں اُس جبر اور زبردستی کی جو تفصیل بیان کی گئی ہے جس سے مجبور ہو کر حضرت علی نے بیعت کی تھی، وہ بڑی ہی شرمناک اور خود علی مرتضیٰ کے حق میں انتہائی توہین آمیز ہے ـــــ احتجاج طبرسی کی جس روایت میں اس جبری بیعت کا ذکر کیا گیا ہے اسی میں ہے کہ "حضرت علی کے گلے میں رسی ڈال کر گھر سے گھسیٹ کے ابوبکر کے پاس لایا گیا اور وہاں عمر اور خالد بن ولید وغیرہ تلواریں لیے کھڑے تھے اور (معاذ اللہ) عمر نے دھمکی دی کہ بیعت کرو ورنہ سر قلم کر دیا جائے گا، اس طرح ان کو مجبور کیا گیا تب آخر الامر انھوں نے بیعت کی" ـــــ

(ملخصاً، احتجاج طبرسی ص۴۷ و ص۴۸)

حیرت ہے کہ ان شیعہ مصنفین نے یہ خرافاتی روایت جس میں حضرت علی کی سخت ترین توہین و تذلیل کی گئی ہے اور ان کو انتہائی بزدل اور پست کردار دکھایا گیا ہے، اپنی تصنیفات میں شامل کرنا کس طرح مناسب سمجھا۔ ہمارے نزدیک تو اس کی

کوئی معقول توجیہ اس کے سوا نہیں کی جا سکتی کہ حضرات شیخین کی عداوت اور انکو ظالم و جابر ثابت کرنے کا جذبہ ان پر ایسا غالب آیا کہ وہ اس کو سوچ ہی نہ سکے کہ اس روایت سے خود حضرت علی کی تصویر کتنی خراب بنتی ہے۔؟

حضرت علی مرتضیٰ تو امت کے سابقین اولین میں ہیں، ان میں خداداد غیر معمولی طاقت و شجاعت اور فطری غیرت و حمیت کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت و تربیت کے فیض سے عزیمت و قربانی، راہ حق میں جانبازی اور شوق شہادت کے اوصاف مثالی حد تک راسخ ہو گئے تھے ان کے بارے میں ایسی بزدلی اور پست کرداری کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔۔۔ بعد کے دور میں بھی اس امت میں ایسے افراد پیدا ہوتے رہے ہیں جنھوں نے "کلمۃ حق عند سلطان جائر" کے جہاد کی تابناک مثالیں قائم کی ہیں۔۔۔ امام ابو حنیفہ نے خلیفۂ وقت کی خواہش و فرمائش کو پورا کرنے سے انکار کر دیا کیونکہ وہ ان کے نزدیک غلط اور خلاف دیانت تھی اور اس کی پاداش میں جیل جانے کو پسند کیا اور جیل کی سختیاں جھیلیں۔۔۔ امام مالک کو اس وقت کے عباسی حکمراں نے "طلاق مکرہ" کا مسئلہ بیان کرنے سے منع کیا، انھوں نے اس پابندی کو قبول کرنے سے انکار کر دیا، حکومت کی طرف سے ان کو سخت ترین سزا دی گئی اور اونٹ پر سوار کرا کے مجرموں کی طرح ان کو گشت کرایا گیا تاکہ لوگ دیکھ لیں اور سمجھ لیں کہ کوئی شخص کتنا ہی بڑا اور کیسا ہی مقتدا ہو اگر وہ حکمراں کی بات نہیں مانے گا تو اُس کا یہ حشر ہوگا! لیکن امام مالک اس گشت ہی کے دوران پکار پکار کر کہتے تھے۔

من عرفنی فقد عرفنی، و	(جو مجھے پہچانتا ہے وہ جانتا ہے اور جو نہیں
من لم یعرفنی فانا مالک بن	پہچانتا اسکو میں بتلاتا ہوں کہ میں مالک بن
انس اقول طلاق المکرہ لیس بشئ	انس ہوں، سن لو میں کہتا ہوں اور فتویٰ دیتا ہوں

([illegible])

پھر اسی طرح امام احمد بن حنبلؒ کو خلیفۂ وقت نے مجبور کیا کہ وہ "خلق قرآن" کے مسئلہ میں اس کے مسلک سے اتفاق اور اس کی ہمنوائی کریں، اس کے خلاف اپنے مسلک کا اظہار نہ کریں۔ لیکن جب امام ممدوحؒ نے اس سے انکار کر دیا تو ان پر جلاد مسلط کر دیئے گئے جو کوڑے برساتے تھے اور امام کے جسم سے خون کے فوارے چھوٹتے تھے، اس وقت بھی وہ پکار کر یہی کہتے تھے "القرآن کلام اللہ غیر مخلوق" (قرآن اللہ کا کلام ہے، مخلوق نہیں)

یہ تو اسلام کی ابتدائی صدیوں کی مثالیں ہیں، ہر دور میں امت میں ایسے صحابِ عزیمت و استقامت پیدا ہوتے رہے ہیں جن کے تذکرے تاریخ کی کتابوں میں دیکھے جا سکتے ہیں، اور خود ہمارا دور بھی اس طرح کی مثالوں سے خالی نہیں رہا۔ پہلی جنگ عظیم (۱۹۱۴ء تا ۱۹۱۸ء) جیت فتح حاصل کرنے کے بعد برطانوی حکومت اس کا ثبوت پیش کر چکی تھی کہ وہ دنیا کی سب سے بڑی طاقت ہے، ٹھیک اسی زمانے میں اسی حکومت کے خلاف ہمارے اسی ملک ہندوستان میں تحریک خلافت اٹھی، اللہ تعالیٰ کے ہزاروں باتوفیق بندے انگریزوں کی حکومت میں رہ کر انگریزی حکومت کے خلاف یہ جاننے کے باوجود باغیانہ تقریریں کرتے تھے کہ ہم اس کے نتیجہ میں جیل میں ڈال دیے جائیں گے اور پھر ایسا ہی ہوتا تھا (اس وقت کی جیل گویا اس دنیا کا جہنم تھی) اس سلسلہ میں خاص طور سے حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ واقعہ قابل ذکر ہے کہ انھوں نے ایک تقریر میں اعلان کیا کہ انگریزی حکومت کی فوج کی ملازمت حرام ہے۔ ان کی اس تقریر پر مقدمہ چلا "جو کراچی کے مقدمہ" کے نام سے مشہور و معروف ہے عدالت کی طرف سے ان سے پوچھا گیا کہ کیا آپ نے یہ تقریر کی تھی؟ آپ نے فرمایا کہ،

"ہاں! میں نے ایسا ہی کہا تھا، اور اب پھر کہتا ہوں کہ انگریزی حکومت کی فوج کی ملازمت حرام ہے۔"

جیسا کہ ہونا چاہیے تھا، عدالت کی طرف سے انھیں قید کا حکم سنایا گیا، اور وہ قید میں رہے۔

بہرحال شیعی روایات کا یہ بیان اور شیعہ حضرات کا یہ عقیدہ کہ حضرت علی نے دباؤ اور دھمکی سے مجبور ہو کر ایسے شخص کی بیعت کی جس کے بارے میں وہ جانتے تھے کہ وہ مومن نہیں منافق ہے اور اس کے بعد اُن کا رویہ بھی بظاہر وفاداری اور تعاون کا رہا اور پھر خلفائے ثلاثہ کے پورے ۲۴ سالہ دور میں تقیہ کے نام سے یہی روش اُن کی رہی ـــــ ہمارے نزدیک عقل و نقل کے لحاظ سے قطعاً غلط اور حضرت علی پر عظیم بہتان ہے اگر اس کو صحیح مان لیا جائے تو حضرت علی اس قابل بھی نہیں رہے کہ کسی عدالت میں ان کی شہادت قبول کی جا سکے۔

اور یہ کہنا کہ حضرت علی کو یہی اللہ اور اس کے رسول کا حکم تھا (جیسا کہ شیعی روایات میں کہا گیا ہے) "عذر گناہ بدتر از گناہ" اور اللہ و رسول کو اس گناہ عظیم کا ذمہ دار قرار دینا ہے۔ تعالی اللہ عن ذالك علواً کبیراً ۰

ہم نے حضرت علی مرتضیٰ کی پوزیشن صاف کرنے کے لیے یہاں اتنی تفصیلی گفتگو ضروری سمجھی، ورنہ ہم اپنے ناظرین کو صرف یہ بتلانا چاہتے تھے کہ شیخین، ذوالنورین اور عام صحابہ کرام کے بارے میں خمینی صاحب کے خیالات تو ان کو معلوم ہو چکے، حضرت علی مرتضیٰ کے بارے میں بھی ان کا وہ نقطۂ نظر اور عقیدہ اُن کے سامنے رہے جس سے واقف ہونا، شیعہ مذہب کو اور خمینی صاحب کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے۔

حضرات شیخین، ذوالنورین، عام صحابہ کرام اور اہل سنّت کے بارے میں خمینی صاحب کے فرمودات ایک نظر میں

خمینی صاحب کی کتاب "کشف الاسرار" کی جو عبارتیں گذشتہ صفحات میں ناظرین کرام نے ملاحظہ فرمائیں جن میں انھوں نے حضرات شیخین وذوالنورین عام صحابہ کرام اور اولین وآخرین اہل سنّت کے بارے میں تقیہ کی لاگ لپیٹ کے بغیر اپنے عقیدہ ومسلک کا صراحت وصفائی اور پورے ادّعا کے ساتھ اظہار فرمایا ہے اُن کے بارے میں جو کچھ ہم کو اپنے خاص مخاطبین سے عرض کرنا ہے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس سے پہلے مختصر الفاظ میں خمینی صاحب کے ان فرمودات کا حاصل چند نمبروں میں یکجا ناظرین کے سامنے "نقل کفر کفر نباشد" کی معذرت کے ساتھ پیش کر دیا جائے۔

---

(۱) شیخین ابوبکر وعمر دل سے ایمان ہی نہیں لائے تھے صرف حکومت اور اقتدار کی طمع وہوس میں انھوں نے بظاہر اسلام قبول کر لیا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ اپنے کو چپکا رکھا تھا۔ (جیسا کہ ناظرین کو معلوم ہو چکا ہے یہ چپکا رکھنا خود خمینی صاحب کی تعبیر ہے۔)

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حکومت واقتدار حاصل کرنے کا ان کا جو منصوبہ تھا اس کے لیے وہ ابتدا ہی سے سازش کرتے رہے اور انھوں نے اپنے ہم خیالوں کی ایک طاقتور پارٹی بنا لی تھی، ان سب کا اصل مقصد اور مطمح نظر

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد حکومت پر قبضہ کر لینا ہی تھا۔ اس کے سوا اسلام سے اور قرآن سے ان کو کوئی سروکار نہیں تھا۔

(۳) اگر بالفرض قرآن میں صراحت کے ساتھ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد امامت و خلافت کے لیے حضرت علی کی نامزدگی کا ذکر بھی کر دیا جاتا تب بھی یہ لوگ ان قرآنی آیات اور خداوندی فرمان کی وجہ سے اپنے اُس مقصد اور منصوبہ سے دستبردار ہونے والے نہیں تھے جس کے لیے انھوں نے اپنے کو اسلام سے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے چپکا رکھا تھا، اس مقصد کے لیے جو حیلے اور جو داؤ پیچ ان کو کرنے پڑتے وہ سب کرتے اور فرمان خداوندی کی کوئی پروا نہ کرتے۔

(۴) قرآنی احکام اور خداوندی فرمان کے خلاف کرنا ان کے لیے معمولی بات تھی۔ انھوں نے بہت سے قرآنی احکام کی مخالفت کی اور خداوندی فرمان کی کوئی پروا نہیں کی۔

(۵) اگر وہ اپنا مقصد (حکومت و اقتدار) حاصل کرنے کے لیے قرآن سے ان آیات کا نکال دینا ضروری سمجھتے (جن میں امامت کے منصب پر حضرت علی کی نامزدگی کا ذکر کیا گیا ہوتا) تو وہ ان آیتوں ہی کو قرآن سے نکال دیتے، یہ ان کے لیے معمولی بات تھی۔

(۶) اور اگر وہ ان آیات کو قرآن سے نہ نکالتے تب وہ یہ کر سکتے تھے اور یہی کرتے کہ ایک حدیث اس مضمون کی گھڑ کے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر کے لوگوں کو سنا دیتے کہ آخری وقت میں آپ نے فرمایا تھا کہ امام و خلیفہ کے انتخاب کا مسئلہ شوریٰ سے طے ہوگا اور علی جن کو امامت کے منصب کے لیے نامزد کیا گیا تھا اور قرآن میں بھی اس کا ذکر کر دیا گیا تھا، ان کو اس منصب سے معزول کر دیا گیا ———

(۷) اور یہ بھی ہو سکتا تھا کہ عُمر ان آیات کے بارے میں کہہ دیتے کہ یا تو خود خدا سے ان آیتوں کے نازل کرنے میں یا جبرئیل یا رسول خدا سے ان کے پہنچانے میں اشتباہ ہوگیا،

یعنی غلطی اور چوک ہو گئی۔

(۸) خمینی صاحب نے حدیث قرطاس ہی کا ذکر کرتے ہوئے بڑے دردناک نوحہ کے انداز میں (حضرت عمر کے بارے میں) لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ کے آخری وقت میں اُس نے آپ کی شان میں ایسی گستاخی کی جس سے روحِ پاک کو انتہائی صدمہ پہنچا اور آپ دل پر اس صدمہ کا داغ لے کر دنیا سے رخصت ہوئے ــــ اس موقعہ پر خمینی صاحب نے صراحت کے ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ عمر کا یہ گستاخانہ کلمہ دراصل اس کے باطن اور اندر کے کفر و زندقہ کا ظہور تھا، یعنی اس سے ظاہر ہو گیا کہ (معاذ اللہ) وہ باطن میں کافر و زندیق تھا۔

(۹) اگر یہ شیخین (اور ان کی پارٹی والے) دیکھتے کہ قرآن کی اِن آیات کی وجہ سے (جن میں امامت کے لیے حضرت علی کی نامزدگی کی گئی ہوتی) اسلام سے وابستہ رہتے ہوئے ہم حصول حکومت کے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتے، اسلام کو ترک کر کے اور اُس سے کٹ کر ہی یہ مقصد حاصل کر سکتے ہیں، تو یہ ایسا ہی کرتے اور (ابو جہل وابو لہب کا موقف اختیار کر کے) اپنی پارٹی کے ساتھ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف صف آرا ہو جاتے۔

(۱۰) عثمان و معاویہ اور یزید ایک ہی طرح کے اور ایک ہی درجہ کے "چاولچی" (ظالم و مجرم) تھے۔

(۱۱) عام صحابہ کا حال یہ تھا کہ یا تو وہ ان کی (شیخین کی) خاص پارٹی میں شریک شامل، اُن کے رفیق کار اور حکومت طلبی کے مقصد میں ان کے پورے ہم نوا تھے۔ یا پھر وہ تھے جو ان لوگوں سے ڈرتے تھے اور ان کے خلاف ایک حرف زبان سے نکالنے کی اُن میں جرأت و ہمت نہیں تھی۔

---

(۱۲) دنیا بھر کے اولین و آخرین اہل سنّت کے بارے میں خمینی صاحب کا ارشاد ہے

سنیوں کا معاملہ یہ ہے کہ ابو بکر و عمر قرآن کے صریح احکام کے خلاف جو کچھ کہیں، یہ لوگ قرآن کے مقابلہ میں اسی کو قبول کرتے اور اسی کی پیروی کرتے ہیں۔ عمر نے اسلام میں جو تبدیلیاں کیں اور قرآنی احکام کے خلاف جو احکام جاری کئے سنیوں نے قرآن کے اصل حکم کے مقابلہ میں عمر کی تبدیلیوں کو اور ان کے جاری کئے ہوئے احکام کو قبول کرلیا اور وہ انہی کی پیروی کر رہے ہیں۔

خمینی صاحب کے ان فرمودات کے لوازم و نتائج :۔

قرآنی آیات اور احادیث متواترہ کی تکذیب

خمینی صاحب نے "کشف الاسرار" کی اُن عبارتوں میں جو ناظرین کرام نے گذشتہ صفحات میں ملاحظہ فرمائیں (اور جن کا حاصل سطور بالا میں عرض کیا گیا) حضرات خلفائے ثلاثہ اور ان کے خاص رفقاء یعنی حضرت علی مرتضیٰ اور ان کے ۳-۴ ساتھیوں کے علاوہ تمام ہی سابقین اولین، مثلاً حضرت ابو عبیدہ بن الجراح حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت طلحہ، حضرت زبیر وغیرہ صف اول کے سارے ہی صحابہ کرام کے بارے میں جو کچھ فرمایا ــــــ یعنی یہ کہ یہ سب (معاذ اللہ) منافقین تھے، صرف حکومت اور اقتدار کی طمع اور ہوس میں اس پوری پارٹی نے بظاہر اسلام قبول کر کے اپنے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

سے چپکا رکھا تھا اور یہ ایسے شقی اور ناخدا ترس تھے کہ اپنے اس مقصد کے لیے بے تکلف قرآن میں تحریف اور قطع برید کر سکتے تھے۔ اور حد یہ کہ اگر یہ لوگ اپنے اس مقصد کے لیے اسلام کو چھوڑ کے (ابوجہل اور ابولہب کی طرح) اسلام دشمنی کا موقف اختیار کر کے مسلمانوں کے خلاف صف آرا ہو جانا ضروری سمجھتے تو یہ ایسا بھی کر سکتے تھے۔ وغیرہ وغیرہ۔

الغرض خمینی صاحب نے یہ جو کچھ فرمایا ظاہر ہے کہ یہ قرآن مجید کی ان تمام آیات کی تکذیب ہے جن سے قطعیت کے ساتھ معلوم ہوتا ہے کہ حضرات خلفائے راشدین (بشمول حضرت علی مرتضیٰ) اور تمام ہی سابقین اولین اور وہ تمام صحابہ کرام جو دین کی دعوت و نصرت اور جہاد فی سبیل اللہ میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے وہ سب مومنین صادقین ہیں، مقبولین بارگاہ خداوندی ہیں، جنتی ہیں، اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی ہیں۔

ان آیات کو پوری وضاحت اور تشریح کے ساتھ حضرت شاہ ولی اللہؒ کی اُزالۃ الخفا میں، اور نواب محسن الملکؒ کی آیات بینات حصہ اول میں دیکھا جا سکتا ہے۔ اِن دونوں بزرگوں کے بعد حضرت مولانا عبدالشکور فاروقی لکھنویؒ نے علٰحدہ علٰحدہ ان آیات کی تفسیر میں مستقل رسائل لکھے ہیں[1]، ان چیزوں کا

---

[1] حضرت مولانا عبدالشکور صاحبؒ کے اس سلسلہ کے چند رسائل کے نام یہ ہیں۔
مقدمہ تفسیر آیات خلافت ــــ تفسیر آیت استخلاف ــــ تفسیر آیت تمکین فی الارض ــــ تفسیر آیت فئ ــــ تفسیر آیت اظہار دین ــــ تفسیر آیت رضوان ــــ تفسیر آیت میراث ارض ــــ تفسیر آیت معیت ــــ تفسیر آیت دعوت اعراب (ان کے علاوہ بھی اس سلسلہ کے متعدد تفسیری رسائل حضرت مولانا لکھنوی علیہ الرحمہ کے ہیں) ــــ ان میں سے اکثر رسائل قریباً ساڑھے سات سو صفحات کے

(بقیہ آگے)

مطالعہ کرکے ہر وہ شخص جو عقل سلیم اور نور ایمان سے محروم نہیں کیا گیا ہے پورے یقین کے ساتھ اس نتیجہ پر پہنچے گا کہ اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں خاص معجزانہ انداز میں ان صحابہ کرام کے مومنین صادقین ہونے کی شہادت محفوظ کردی ہے۔ اور یہ اس لیے بھی کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی اللہ کی آخری کتاب قرآن مجید اور آپ کی ساری دینی تعلیمات انھیں کے ذریعہ بعد والوں کو پہنچنے والی تھیں اور یہی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے دعوائے نبوت، آپ کے واقعات حیات، آپ کی ہدایات، سیرت و تعلیمات اور آپ کے معجزات کے عینی شاہد تھے اور انہی کی دعوت و شہادت بعد والوں کے لیے ایمان لانے کا ذریعہ بننے والی تھی ــــ اور اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ان اصحاب کی امانت و صداقت اور عنداللہ مقبولیت کی شہادت کے علاوہ اِن کے وہ فضائل و مناقب بھی بیان فرمائے جو حدیث کی کتابوں میں محفوظ ہیں اور اہل علم جانتے ہیں کہ "قدر مشترک" کے اصول پر یہ احادیث متواتر ہیں۔

بہرحال خمینی صاحب نے جو کچھ فرمایا وہ اِن آیات کی اور ان احادیث متواترہ کی اسی طرح تکذیب ہے جس طرح کہ یہ عقیدہ کہ نبوّت کا سلسلہ ختم نہیں ہوا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی کوئی نبی آسکتا ہے ــ اُن آیات قرآنی اور احادیث

(بقیہ حاشیہ) ضخیم مجلد مجموعہ کی شکل میں حال ہی میں پاکستان میں طبع ہو کر شائع ہو چکے ہیں۔ اس مجموعہ کا نام "تحفۂ خلافت" ہے۔

یہ مجموعہ جامعہ حنفیہ تعلیم الاسلام۔ مدنی محلہ، شہر جہلم (پاکستان) سے طلب کیا جا سکتا ہے۔

(راقم سطور کو حضرتؒ مولانا لکھنویؒ کے حفید مولانا عبدالعلیم صاحب فاروقی نے بتلایا ہے کہ ان تمام رسائل کو تصحیح وغیرہ کے خاص اہتمام کے ساتھ عنقریب ہی شائع کرنے کا اُن کا ارادہ ہے۔)

متواترہ کی تکذیب ہے جن میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم کا خاتم النبیین اور آخری نبی ہونا بیان فرمایا گیا ہے۔ (اور بالکل ضروری نہیں کہ یہ تکذیب دانستہ شعوری اور بالارادہ ہو)

پھر بات ان آیات و احادیث کی تکذیب ہی پر ختم نہیں ہو جاتی بلکہ اس سے بدرجہا زیادہ سنگین

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک پر معاذ اللہ.....

یہ مسئلہ بھی سامنے آتا ہے کہ اگر خواص و عوام صحابہ کرام کے بارے میں خمینی صاحب کے ان فرمودات کو تسلیم کیا جائے تو اس کا لازمی اور بدیہی نتیجہ یہ بھی نکلتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں تسلیم کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی ہدایت واصلاح تزکیۂ نفس اور تعمیر سیرت کے جس مقصد عظیم کے لیے آپ کو خاتم الانبیاء بنا کر مبعوث فرمایا تھا اس میں آپ صرف ناکام ہی نہیں رہے (بلکہ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) خاکم بدہن انتہائی درجہ کے نااہل اور ناقابل ثابت ہوئے ـــ آپ کی زندگی میں ایک لاکھ سے اوپر آدمیوں نے اسلام قبول کیا، ان میں سے ایک بڑی تعداد ابتدائے دور نبوت سے آپ کی حیات طیبہ کے آخری دن تک آپ کے قریب اور سفر و حضر میں آپکی رفاقت و صحبت میں رہی، آپ کے مواعظ و خطبات اور مجلسی ارشادات خود آپ کی زبان مبارک سے دن رات سنتی رہی، آپ کے معاملات اور شب و روز کے معمولات دیکھتی رہی لیکن ان میں دس کو بھی ایمان نصیب نہیں ہوا، وہ (معاذ اللہ) منافق یعنی بظاہر مسلمان لیکن بباطن کافر ہی رہے۔ کیا کسی مرشد و مصلح کی ناقابلیت اور نااہلیت کا اس سے بڑا بھی کوئی ثبوت ہو سکتا ہے؟ ـــ پھر حضرت علی مرتضیٰ اور اُن کے جن تین چار ساتھیوں کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ مومن صادق تھے اُن کا بھی حال یہ بتلایا جاتا ہے کہ انھوں نے دھمکی دباؤ سے مجبور ہو کر ایسے لوگوں کو خلیفۂ رسول مان لیا اور اُن کی بیعت کر لی جن کے بارے میں وہ جانتے تھے کہ وہ

مومن ہی نہیں منافق ہیں، اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اہل بیت کے دشمن ہیں۔ اور پھر تقیہ کے نام سے اُن کے ۲۴ سالہ دورِ خلافت میں اُن کی اطاعت اور وفاداری کا رویہ اپنائے رہے۔

الغرض خمینی صاحب کے ان فرمودات کا لازمی اور بدیہی نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلقین ودعوت، تربیت وصحبت اور بیس سالہ جدوجہد بالکل ہی بے اثر رہی۔ اس سے ایک بھی مردِ مومن پیدا نہ ہو سکا، یا تو منافقین تھے یا وہ جو تقیہ کے نام سے منافقانہ رویہ ہی اختیار کیے رہے — معاذ اللہ ولاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

قرآن مجید قطعاً ناقابل اعتبار ازروئے عقل اس پر ایمان ناممکن

اسی طرح خمینی صاحب کے اِن فرمودات کا یہ بھی لازمی اور بدیہی نتیجہ ہے کہ قرآن مجید قطعاً ناقابل اعتبار ہو جاتا ہے۔ کیونکہ یہ حقیقت مسلّم ہے کہ قرآن پاک موجودہ کتابی شکل میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیق کی خلافت کے دور میں سرکاری اہتمام سے مدوّن ہوا۔ اور پھر حضرت عثمان نے اپنے دورِ خلافت میں اسی نسخہ کی نقلیں سرکاری طور پر اس وقت کے عالم اسلامی کے مرکزی شہروں میں بھیجیں — اور خمینی صاحب کے مندرجہ بالا فرمودات کے مطابق یہ خلفائے ثلٰثہ ایسے منافق اور ناخدا ترس تھے کہ اپنی دنیوی اور سیاسی مصلحتوں کے تقاضے سے قرآن پاک میں بے تکلف ہر طرح کی تحریف اور قطع و برید کر سکتے تھے اور اگر وہ ایسا کرتے تو عام صحابہ میں سے کوئی اُن کی اس حرکت کے خلاف آواز تک اٹھانے والا نہیں تھا۔ سب اُن سے خوف زدہ اور ان کی ہاں میں ہاں ملانے والے تھے — ظاہر ہے کہ خمینی صاحب کی اس بات کو تسلیم کر لینے کے بعد عقلی طور پر بھی اس کا امکان نہیں رہتا کہ موجودہ قرآن کے بارہ میں یقین کیا جائے کہ یہ فی الحقیقت وہی کتاب اللہ

ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی تھی اور اس میں کوئی تحریف اور قطع و برید کی کارروائی نہیں ہوئی۔ خمینی صاحب کے فرمودات کا یہ ایسا روشن اور بدیہی نتیجہ ہے کہ اس کے سمجھنے کے لیے کسی خاص درجہ کی ذہانت اور باریک بینی کی ضرورت نہیں۔ ہر موٹی عقل والا بھی اس کو دو اور دو چار کی طرح سمجھ سکتا ہے ــــ واضح رہے کہ ایمان اُس قلبی یقین و تصدیق کا نام ہے جس میں کسی شک و شبہ کا امکان اور گنجائش ہی نہ ہو اور ظاہر ہے کہ حضرات خلفائے ثلثہ اور عام صحابہ کرام کے بارے میں خمینی صاحب کی بات کو تسلیم کر لینے کے بعد قرآن پاک کے بارے میں ایسے یقین کا از روئے عقل امکان ہی نہیں رہتا ــــ

ملحوظ رہے کہ ایمان بالقرآن کے بارے میں یہاں جو کچھ عرض کیا گیا ہے وہ صرف خمینی صاحب کے فرمودات کی بنیاد پر عرض کیا گیا ہے، اس مسئلہ پر تفصیل کے ساتھ انشاء اللہ آگے اسی مقالہ میں اپنے مقام پر لکھا جائے گا، وہیں عرض کیا جائے گا کہ اس بارے میں کتب شیعہ میں "ائمہ معصومین" سے کیا ارشادات روایت کیے گئے ہیں اور اکابر و اعاظم علمائے شیعہ کا موقف کیا رہا ہے ــــ

خمینی صاحب کے فرمودات کے لوازم و نتائج کے سلسلہ میں آخری سنگین ترین بات

اس سلسلہ میں راقم سطور ایک بات اور عرض کرنا چاہتا ہے جو اس عاجز کے نزدیک سب سے زیادہ سنگین ہے، کاش شیعہ حضرات بھی اس پر سنجیدگی سے غور فرمائیں۔

حضرات شیخین، ذوالنورین اور ان کے خاص رفقاء صف اول کے قریباً تمام ہی صحابہ کرام کے بارے میں خمینی صاحب نے جو کچھ لکھا ہے اس کو پڑھ کے اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف معاندانہ جذبہ رکھنے والے غیر مسلم آج کل کی سیاسی مکر و فریب کی عام فضا میں، یہ نتیجہ بھی نکال سکتے ہیں کہ (معاذ اللہ) خود ان کے پیغمبر کا دعوئ نبوت اور ایک نئے مذہب اسلام کی دعوت اپنی حکومت قائم

کرنے ہی کی ایک ترکیب تھی، اصل مقصد بس حکومت حاصل کرنا تھا اور ابوبکر و عمر و عثمان جیسے مکہ کے کچھ سربرآوردہ اور ہوشیار و چالاک لوگ بھی اسی مقصد کو دل میں لیے ہوئے آپ کے ساتھ ہو گئے اور اس طرح اسلام کے نام پر ایک پارٹی بن گئی —— اس پارٹی میں شروع ہی سے دو گروپ تھے، ایک طرف خود پیغمبر صاحب تھے جن کا مقصد اور منصوبہ یہ تھا کہ حکومت قائم ہو جائے تو وہ ہمیشہ کے لیے اس کو اپنے گھر والوں کے لیے محفوظ کر دیں، نسلاً بعد نسل حکومت ہمیشہ انہی کے ہاتھ میں رہے۔ چنانچہ جب مدینہ میں حکومت قائم ہو گئی تو (شیعی روایات کے مطابق) مختلف موقعوں پر اللہ کے حکم کے حوالہ سے آپ نے اس کا اظہار بھی فرمایا اور آخری کام اس سلسلہ میں آپ نے یہ کیا کہ جب قریباً پورا ملک عرب آپ کے زیر اقتدار آ گیا تو آپ نے غدیر خم کے مقام پر بہت بڑے مجمع میں خدا کے حکم کا حوالہ دے کر اس کا اعلان فرمایا کہ میرے بعد ولی الامر یعنی حکمراں اور فرماں روا کی حیثیت سے میرے جانشین میرے داماد علی بن ابی طالب ہوں گے۔ اور ان کے بعد ہمیشہ حکومت ان کی نسل ہی میں رہے گی —— پھر اس کے بعد آپ نے اپنی آخری بیماری میں آخری دنوں میں (شیعی روایات کے مطابق حضرت علی کی اس جانشینی ہی کے لیے) ایک دستاویز لکھا دینے کا بھی ارادہ کیا، لیکن دوسرے گروپ کے سب سے طاقتور آدمی عمر کی مداخلت سے وہ لکھی نہیں جا سکی۔

اور پارٹی میں دوسرا گروپ ابوبکر و عمر وغیرہ کا تھا، اُن کا منصوبہ یہ تھا کہ پیغمبر صاحب کے بعد حکومت پر ہم قبضہ کر لیں گے۔ وہ اس کے لیے شروع ہی سے سازش کرتے رہے تھے اور بالآخر [illegible] گروپ اپنی چالاکی اور چابکدستی سے حکومت پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

واقعہ یہ ہے کہ خمینی صاحب نے "کشف الاسرار" میں حضرت ابوبکر، حضرت عمر،

حضرت عثمان رضی اللہ عنہم اور تمام ہی صحابہ کرام کی جو تصویر کھینچی ہے اور ان کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے اس نے اسلام اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے سیاہ باطن دشمنوں کے لیے اس طرح سوچنے اور کہنے کا پورا مواد فراہم کر دیا ہے، شیعہ حضرات میں جو سلیم الفطرت اور نیک دل ہیں کاش وہ بھی خمینی صاحب کے فرمودات کے ان لوازم ونتائج پر غور فرمائیں۔

حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کرام میں ہرگز اس طرح کا کوئی اختلاف اور کوئی گروپ بندی نہیں تھی۔ قرآن مجید میں ان کا یہ حال بیان فرمایا گیا ہے "اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ" (سورۃ الفتح) (یعنی ان اصحاب محمد کا حال یہ ہے کہ دین کے منکروں دشمنوں کے مقابلہ میں سخت مزاج ہیں اور آپس میں ایک دوسرے پر مہربان ہیں) ـــــ دوسری جگہ ان ہی کے بارے میں فرمایا گیا ہے "وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ (سورۃ الانفال) یعنی اللہ نے رسول خدا پر ایمان لانے والے آپ کے اصحاب کے دل جوڑ دیے ہیں اور ان میں باہم الفت ومحبت پیدا کر دی ہے ـــــ اور تاریخ کی، یہاں تک کہ غیر مسلم مؤرخین کی شہادت بھی یہی ہے کہ رسول اللہ پر ایمان لانے والے آپ کے صحابہ کرام میں اس طرح کا کوئی اختلاف اور کوئی گروپ بندی نہیں تھی جس کا نقشہ خمینی صاحب نے "کشف الاسرار" میں کھینچا ہے۔ سُبْحَانَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ ٥

اب ہم خمینی صاحب کے فرمودات سے متعلق اس سلسلۂ کلام کو یہیں ختم کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان گزارشات کو اپنے بندوں کے لیے موجب بصیرت بنائے۔

خمینی صاحب بعض فقہی مسائل کی روشنی میں:

اب تک خمینی صاحب کے بارے میں جو کچھ لکھا گیا وہ صرف ان کی کتاب "الحکومۃ الاسلامیۃ" اور "کشف الاسرار" ہی کی بنیاد پر لکھا گیا ہے، اور اس کا تعلق اصول اور اعتقادات سے ہے، ـــــ اب ذیل میں ان کی فقہی تصنیف "تحریر الوسیلہ" سے چند ایسے مسئلے نقل کیے جاتے ہیں جن سے خمینی صاحب کی شخصیت اور مذہبی حیثیت کے بارے میں ہمارے ناظرین کو ان شاء اللہ مزید بصیرت حاصل ہوگی۔

۱۔ "تحریر الوسیلہ" جلد اول کتاب الصلوٰۃ میں ایک عنوان ہے "القول فی مبطلات الصلوٰۃ" (یعنی ان چیزوں کا بیان جن سے نماز باطل ہوجاتی ہے اور ٹوٹ جاتی ہے) اس عنوان کے تحت دوسرے نمبر پر مسئلہ لکھا گیا ہے۔

ثانیها التکفیر وهو وضع احدی الیدین علی الاخری نحو ما یصنعه غیرنا، ولا بأس حال التقیه۔

(تحریر الوسیلہ جلد اول ص۱۸۶)

دوسرا عمل جو نماز کو باطل کر دیتا ہے وہ نماز میں ایک ہاتھ کو دوسرے ہاتھ پر رکھنا ہے جس طرح ہم شیعوں کے علاوہ دوسرے لوگ کرتے ہیں ہاں تقیہ کی حالت میں کوئی مضائقہ نہیں (یعنی ازراہ تقیہ بالکل جائز ہے)

۲۔ اسی سلسلہ میں ۹ پر تحریر فرمایا ہے:۔

تاسعها تعمد قول آمین بعد اتمام الفاتحة الامع التقیه فلا بأس به

(تحریر الوسیلہ جلد اول ص۱۹۰)

اور نویں چیز جس سے نماز باطل ہوجاتی ہے وہ ہے سورۂ فاتحہ پڑھنے کے بعد بالقصد آمین کہنا۔ البتہ تقیہ کے طور پر جائز ہے کوئی مضائقہ نہیں۔

توحید و رسالت کی شہادت کے ساتھ بارہ اماموں کی امامت کی شہادت دینا بھی جزو ایمان

(۳) اسی "تحریر الوسیلہ" میں موت سے متعلق مسائل بیان کرتے ہوئے خمینی صاحب نے لکھا ہے۔

یستحب تلقینه (المحتضر) الشهادتین والاقرار بالائمة الاثنی عشر علیهم السلام۔	(جو آدمی نزع کی حالت میں ہو) اس کو اللہ تعالیٰ کی توحید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ کی رسالت کی شہادت اور بارہ اماموں کی امامت کے اقرار کی تلقین کرنا مستحب ہے۔
تحریر الوسیلہ ص۶۵ ج۱	

۴۔ پھر اسی "تحریر الوسیلہ" میں آگے "مستحبات کفن" کے بیان میں لکھا ہے۔

وان یکتب علی حاشیة جمیع قطع الکفن ان فلان بن فلان یشهد ان لا اله الا الله وحده لاشریك له وان محمداً رسول الله صلی الله علیه وآله وان علیاً والحسن والحسین ـ ویعدّ الائمة علیهم السلام الی آخرهم ـ ائمته وسادته وقادته (ص۶۶ ج۱)	اور مستحب ہے کہ کفن کی چادروں کے کناروں پر یہ لکھا جائے کہ یہ (میت) فلاں ابن فلاں شہادت دیتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ایک ہی ہے کوئی اس کا شریک نہیں اور یہ کہ محمد اللہ کے رسول ہیں صلی اللہ علیہ و آلہ اور یہ کہ علی اور حسن اور حسین ـ اور آگے بارہویں امام تک سب کا ذکر کیا جائے ـ یہ اس کے امام ہیں اور آقا اور قائد ہیں۔

۵۔ آگے اسی "تحریر الوسیلہ" میں "مستحبات دفن" کے بیان میں لکھا ہے۔

ومنها ان یلقنه الولی او من یامره بعد تمام الدفن و رجوع المشیعین و انصرافهم اصول دینه و مذهبه بارفع صوته من الاقرار بالتوحید و رسالة سید المرسلین و امامة الائمة المعصومین والاقرار بما جاء به النبی صلی الله علیه و آله، والبعث والنشور و الحساب والمیزان والصراط والجنة والنار۔

(تحریر الوسیلہ ص ۹۲)

اور دفن کے مستحبات میں سے یہ بھی ہے کہ میت کا ولی خود یا کوئی دوسرا آدمی جس کو ولی کہدے، دفن کے بعد اور جنازہ کے ساتھ آنے والوں کے واپس چلے جانے کے بعد قبر پر میت کو زیادہ بلند آواز سے تلقین کرے اس کے دین و مذہب کے اصولی اور بنیادی عقائد و ایمانیات کی یعنی اللہ کی وحدانیت اور سید المرسلین کی رسالت اور ائمہ معصومین کی امامت کے اقرار کی، اور ان کے علاوہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے دین کے بارے میں جو تعلیم دی اس سب کے اقرار کی، اور حشر و نشر و آخرت اور حساب اور میزان اور پل صراط اور جنت اور دوزخ ان سب کے بھی اقرار کی تلقین کرے۔

خمینی صاحب نے میت اور اس کے کفن دفن سے متعلق یہ مسائل اگرچہ "تحریر الوسیلہ" میں لکھے ہیں جو فقہی مسائل کی کتاب ہے، لیکن انھوں نے ان عبارتوں میں پوری صراحت اور صفائی کے ساتھ یہ ظاہر فرمادیا ہے کہ ان کے نزدیک ائمہ اثنا عشر (ان کے بارہ اماموں) کی امامت کا عقیدہ توحید و رسالت کے عقیدہ ہی کی طرح جزو ایمان ہے، اور اس کا درجہ آخرت اور جنت دوزخ کے عقیدہ سے مقدم اور بالاتر ہے اور یہ ان کے

اصول دین میں سے ہے۔

متعہ

۶۔ متعہ مذہب شیعہ کا مشہور مسئلہ ہے۔ خمینی صاحب نے "تحریر الوسیلہ" کتاب النکاح میں قریباً چار صفحے پر متعہ سے متعلق جزئی مسائل لکھے ہیں، ان میں کئی مسئلے خاص طور سے قابل ذکر ہیں، لیکن بخوف طوالت اس باب کا صرف ایک آخری مسئلہ ہی نذر ناظرین کیا جاتا ہے۔ خمینی صاحب نے اسی مسئلہ پر متعہ کا بیان ختم فرمایا ہے۔ ملاحظہ فرمایا جائے۔

یجوز التمتع بالزانیة علی	زنا کار عورت سے متعہ کرنا جائز ہے مگر
کراھة خصوصا لوکانت من	کراہت کے ساتھ خصوصاً جب کہ وہ مشہور
العواھر المشھورات بالزنا	پیشہ ور زانیات میں سے ہو، اور اگر
وان فعل فلیمنعھا من	اس سے متعہ کرے تو چاہیے کہ اس کو
الفجور۔ (تحریر الوسیلہ جلد دوم ص ۲۹۲)	بدکاری کے اس پیشہ سے منع کرے۔

۷۔ یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ خمینی صاحب نے یہ بھی تصریح فرمائی ہے کہ متعہ کم سے کم مدت کے لیے بھی کیا جا سکتا ہے (مثلاً صرف ایک رات یا ایک دن اور اس سے کم وقت یعنی گھنٹے دو گھنٹے کے لیے بھی کیا جا سکتا ہے) لیکن بہر حال مدت اور وقت کا تعین ضروری ہے۔ (تحریر الوسیلہ جلد دوم ص ۲۹۰)

ناظرین کرام کو یہ بات پہلے معلوم ہو چکی ہے کہ متعہ مذہب شیعہ میں صرف جائز نہیں ہے بلکہ اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے اور ان کی قدیم مستند تفسیر "منہج الصادقین" کے حوالہ سے یہ حدیث بھی ذکر کی جا چکی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ نے فرمایا کہ "جو ایک دفعہ متعہ کرے وہ امام حسین کا درجہ پائے گا اور جو دو دفعہ کرے وہ امام حسن کا اور جو تین دفعہ کرے وہ امیر المومنین حضرت علی کا درجہ پائے گا اور جو شخص چار دفعہ

یہ نیک کام کرے وہ میرا (یعنی رسول پاکؐ) کا درجہ پائے گا۔ اور "کشف الاسرار" کی وہ عبارت ناظرین کرام چند ہی صفحے پہلے ملاحظہ فرما چکے ہیں جس میں جناب خمینی صاحب نے ارشاد فرمایا ہے کہ عمرؓ نے متعہ کے حرام ہونے کا جو اعلان فرمایا وہ ان کی طرف سے قرآن کی صریح مخالفت اور اُن کا کافرانہ عمل و کردار تھا۔ (معاذاللہ واستغفراللہ)

یہاں تک جو کچھ عرض کیا گیا اس کا تعلق خمینی صاحب کے برپا کیے ہوئے ایرانی انقلاب کی نوعیت اور خود ان کی شخصیت اور مذہبی حیثیت سے تھا۔ اب اس کے آگے حسب وعدہ شیعیت اور اثنا عشری مذہب کا تعارف ناظرین کرام سے کرانے کی کوشش کی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ شر نفس اور شر شیطان سے حفاظت فرمائے اور قلم سے وہی نکلے جو حق و صحیح اور واقعہ کے مطابق ہو۔

شیعیت کیا ہے؟

اسلام میں اس کا آغاز

اور

شیعہ اثنا عشریہ

شیعیت کیا ہے؟

جیسا کہ ناظرین کرام کو معلوم ہو چکا ہے اس تحریری کاوش کا مقصد ایرانی انقلاب کی اصل نوعیت وحقیقت اور اس کے قائد روح اللہ خمینی صاحب کی حقیقی شخصیت اور واقعی مذہبی حیثیت سے ان حضرات کو واقف کرانا ہے جو واقف نہیں ہیں اور اس ناواقفیت کی وجہ سے وہ اس پروپیگنڈے سے متاثر ہوئے ہیں جو اربوں ڈالر صرف کر کے ایرانی حکومت کی طرف سے اس انقلاب کی اسلامیت اور خالص اسلامیت کے بارے میں کیا اور کرایا جارہا ہے ___ اور جیسا کہ گزشتہ صفحات میں خود خمینی صاحب کی تحریروں کی روشنی میں تفصیل سے بتلایا جا چکا ہے، ان کے برپا کیے ہوئے اس انقلاب کی بنیاد شیعہ مذہب اور خاص کر اس کی اصل واساس "مسئلہ امامت" پر ہے لہذا اس کی نوعیت کو صحیح طور پر سمجھنے اور خمینی صاحب کی شخصیت کو جاننے پہچاننے کے لیے بھی مذہب شیعہ سے واقفیت ضروری ہے، اس لیے آئندہ صفحات میں بس اُس کے تعارف کی کوشش کی جائے گی ___ جو کچھ اس سلسلہ میں عرض کیا جائے گا وہ شیعہ مذہب کی مسلم ومستند کتابوں ہی سے نقل کیا جائے گا اور وہ ان کے "ائمہ معصومین" کے ارشادات ہی ہوں گے ___ شروع میں تمہید کے طور پر شیعیت کے آغاز کی تاریخ بھی ذکر کی جائیگی کیونکہ اس کے بغیر اس کو صحیح طور پر نہیں سمجھا جاسکتا۔

اور چونکہ شیعہ مذہب اور اس کے آغاز کو سمجھنا اُن لوگوں کے لیے بہت آسان

ہوتا ہے جو موجودہ مسیحیت اور اس کی تاریخ سے واقف ہوں اس لیے اختصار کے ساتھ ابتدا میں اس کا بھی ذکر کیا جائے گا اور سلسلۂ کلام حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے متعلق رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ایک اہم اور غیر معمولی پیشینگوئی اور اسی کے بارے میں خود حضرت علی کے ایک بیان سے شروع کیا جائے گا۔ یہ پیشین گوئی اسلام میں شیعیت اور اس کی مدمقابل دوسری گمراہی خارجیت کے ظہور کی بھی پیشین گوئی ہے اور اس سے شیعیت اور موجودہ مسیحیت کا وہ قرب و تعلق بھی ناظرین کے سامنے آجائے گا جس کی وجہ سے مسیحیت کی تاریخ جاننے والوں کے لیے شیعیت کو سمجھنا آسان ہو جاتا ہے ـــ واللہ الموفق

شیعیت اور مسیحیت

مسند احمد، مستدرک حاکم، کامل ابن عدی وغیرہ حدیث کی متعدد کتابوں میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی روایت سے یہ حدیث مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود انہی سے فرمایا۔

فیک مثل من عیسی بن مریم	اے علی تم کو عیسیٰ بن مریم سے خاص مشابہت
ابغضتہ الیہود حتی بھتوا	ہے۔ یہودیوں نے ان کے ساتھ بغض و عداوت
امہ واحبتہ النصاری حتی انزلوہ	کا رویہ اختیار کیا، یہاں تک کہ ان کی ماں
منزلتہ التی لیست لہ ثم قال	مریم پر (بدکاری کا) بہتان لگایا اور نصاریٰ
یھلک فی رجلان محب مفرط	نے ان کے ساتھ ایسی محبت کی کہ ان کو
یقرظنی بما لیس فی ومبغض	اس مرتبہ پر پہنچایا جو مرتبہ ان کا نہیں تھا۔
یحملہ شنآنی علی ان یبھتنی	(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد
(مشکوٰۃ المصابیح ص۵۶۵ و کنز العمال ج۱۱ ص۶۲۳)	نقل کرنے کے بعد) حضرت علی نے فرمایا

کہ (بیشک ایسا ہی ہوگا) دو طرح کے آدمی میرے بارے میں ہلاک ہوں گے، ایک محبت میں غلو کرنے والے، جو میری وہ بڑائیاں بیان کریں گے جو مجھ میں نہیں ہیں۔ دوسرے بغض و عداوت میں حد سے بڑھنے والے جن کی عداوت ان کو اس پر آمادہ کرے گی کہ وہ مجھ پر بہتان لگائیں[1]

(حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اس حدیث میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ ارشاد فرمایا تھا اور اسی کی بنیاد پر حضرت علی مرتضیٰ نے جو کچھ فرمایا، اس کا ظہور اُن کے دورِ خلافت ہی میں ہو گیا ــــــ خوارج کا فرقہ آپ کی مخالفت و عداوت میں اس حد تک چلا گیا کہ آپ کو مخرّبِ دین، کافر، اور واجب القتل قرار دیا اور انہی میں کے ایک شقی عبدالرحمٰن بن مُلجم نے آپ کو شہید کیا اور اپنے اس بدبختانہ عمل کو اس نے اعلیٰ درجہ کا جہاد فی سبیل اللہ اور داخلۂ جنت کا وسیلہ سمجھا ــــــ اور آپ کی محبت میں ایسے غلو کرنے والے بھی پیدا ہو گئے جنھوں نے آپ کو مقام الوہیت تک پہنچایا، اور ایسے بھی جنہوں نے کہا کہ نبوت و رسالت کے لائق در اصل آپ ہی تھے اور اللہ تعالیٰ کا مقصد آپ ہی کو نبی و رسول بنانا تھا اور جبرئیل امین کو وحی لیکر آپ ہی کے پاس بھیجا تھا، لیکن ان کو اشتباہ ہو گیا اور وہ وحی لے کر محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ گئے ــــــ اور ان کے علاوہ ایسے بھی جنہوں نے کہا کہ آپ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے وصی اور آپ کے بعد کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نامزد امام و خلیفہ اور سربراہ امت تھے ۔ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہی کی طرح معصوم اور مفترض الطاعۃ تھے اور مقام و مرتبہ میں دوسرے تمام انبیاء علیہم السلام سے افضل اور بالاتر تھے ، اور کائنات میں تصرف اور علم غیب جیسی خداوندی صفات کے بھی آپ حامل تھے ــــــ (حضرت علی مرتضیٰ کے بارے میں غلو کرنے والے اِن شیعہ فرقوں کی کچھ تاریخ و تفصیل ناظرین کرام کو انشاء اللہ آئندہ صفحات سے بھی معلوم ہو جائے گی)

اس وقت تو مندرجہ بالا حدیث نبوی کی روشنی میں یہ عرض کرنا ہے کہ شیعیت کی حقیقت کو سمجھنا ان لوگوں کے لیے بہت آسان ہوتا ہے جو مسیحیت اور اس کی تاریخ

حاشیہ صفحہ گزشتہ ۔ شیعوں کی مشہور مستند کتاب "نہج البلاغہ" میں بھی حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد قریب قریب انہی الفاظ میں روایت کیا گیا ہے ــــــ نہج البلاغہ طبع مصر ج ۱ ص ۲۶۱

سے کچھ واقفیت رکھتے ہوں، اور یقیناً ہمارے ناظرین میں ایسے بہت کم ہی ہوں گے، اس لیے پہلے اختصار کے ساتھ اس کا ذکر مناسب سمجھا گیا ہے۔

حضرت مسیح علیہ السلام اور موجودہ مسیحیت :

کسی مسلمان کو اس میں شک و شبہ نہ ہوگا کہ اللہ کے نبی و رسول سیدنا مسیح بن مریم علیہ السلام نے اپنی قوم کو اسی توحید خالص اور اللہ تعالیٰ کے اسی قانون نجات و عذاب اور جنت و دوزخ پر ایمان لانے کی دعوت دی تھی جس کی دعوت ان سے پہلے تمام انبیاء علیہم السلام اپنی امتوں کو دیتے آئے تھے اور انھوں نے اپنے کو اللہ کا بندہ اور اس کا نبی و رسول ہی بتلایا تھا۔ اس بارے میں سب سے زیادہ مستند اور ہر قسم کے شک و شبہ سے محفوظ بیان بالخصوص ہم مسلمانوں کے نزدیک اور حقیقت اور واقعہ کے لحاظ سے بھی قرآن مجید کا ہے ـــ سورۂ مائدہ میں حضرت مسیح کی دعوت و تعلیم کا ذکر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا ہے۔

وَقَالَ الْمَسِيحُ يَٰبَنِىٓ إِسْرَٰٓءِيلَ اعْبُدُوا اللَّهَ رَبِّى وَرَبَّكُمْ إِنَّهُۥ مَن يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوَىٰهُ النَّارُ ۖ وَمَا لِلظَّٰلِمِينَ مِنْ أَنصَارٍ ۝

(المائدہ۔ آیت ۷۲)

اور (ہمارے پیغمبر) مسیح نے کہا کہ اے بنی اسرائیل بس اللہ ہی کی عبادت اور بندگی کرو جو میرا اور تمہارا مالک و پروردگار ہے۔ یقیناً جو کوئی (کسی مخلوق کو) اللہ کے ساتھ شریک کرے گا تو اللہ نے جنت اس کے لیے حرام کر دی ہے اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہی ہوگا اور ایسے مجرموں کا کوئی حمایتی اور مددگار نہ ہوگا۔

اور سورہ آل عمران میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسیح علیہ السلام کو جو روشن معجزات عطا فرمائے تھے، اپنی قوم کے سامنے ان کو پیش کرنے کے بعد آپ نے قوم کو مخاطب کرتے ہوئے

فرمایا۔

وَجِئۡتُكُم بِاٰيَةٍ مِّن رَّبِّكُمۡ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيعُونِ ٥ اِنَّ اللّٰهَ رَبِّي وَرَبُّكُمۡ فَاعۡبُدُوهُ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسۡتَقِيمٌ ٥ (آل عمران آیت ۵۱)	میں تمھارے پاس اللہ کی طرف سے نشانی (یعنی معجزات) لے کر آیا ہوں، تو اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو، بلا شبہ اللہ ہی میرا اور تمھارا رب (مالک و پروردگار) ہے لہٰذا اُسی کی عبادت اور بندگی کرو۔ یہی سیدھی راہ ہے۔

اور سورہ مریم میں بیان فرمایا گیا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنی قوم کو اپنے بارے میں بتلایا۔

اِنِّي عَبۡدُ اللّٰهِ اٰتٰنِيَ الۡكِتٰبَ وَجَعَلَنِي نَبِيًّا ٥ (مریم آیت ۳۰)	میں اللہ کا بندہ ہوں اور اُس اللہ نے مجھے کتاب عطا فرمائی ہے اور مجھے نبی بنایا ہے۔

پھر اس سلسلۂ کلام کو حضرت مسیح علیہ السلام کے اس بیان پر ختم فرمایا گیا ہے۔

وَاِنَّ اللّٰهَ رَبِّي وَرَبُّكُمۡ فَاعۡبُدُوهُ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسۡتَقِيمٌ ٥ (مریم آیت ۳۶)	اور بلا شبہ اللہ ہی میرا اور تمھارا رب (مالک و پروردگار) ہے لہٰذا صرف اسی کی عبادت و بندگی کرو یہی سیدھی راہ ہے۔

اور سورہ مائدہ کے آخر میں بیان فرمایا گیا ہے کہ قیامت میں گمراہ عیسائیوں پر حجت قائم کرنے اور حضرت مسیح علیہ السلام کی برأت ظاہر کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے برسرِ عام عیسیٰ علیہ السلام سے پوچھا جائے گا کہ کیا تم نے ان لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو بھی خدا کے سوا معبود بنا لیو! (ءَاَنۡتَ قُلۡتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُونِي وَاُمِّيَ اِلٰهَيۡنِ مِن دُونِ اللّٰهِ) وہ عرض کریں گے کہ میں ایسی بات کیسے کہہ سکتا تھا۔

مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَا اَمَرْتَنِیْ بِهٖ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّیْ وَ رَبَّكُمْ ۔ الآیۃ
(المائدہ آیت ۱۱۷)

میں نے ان سے صرف وہی کہا تھا جس کا آپ نے مجھے حکم دیا تھا کہ بس اللہ ہی کی عبادت اور بندگی کرو جو میرا اور تمہارا مالک و پروردگار ہے۔

الغرض قرآن مجید کے ان بیانات کی روشنی میں اس میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنی قوم کو توحید خالص ہی کی دعوت دی تھی، اور اس میں بھی شبہ نہیں کہ ان کے حواریین جنھوں نے براہ راست انہی سے ہدایت و تعلیم حاصل کی تھی وہ بھی اسی توحید کے حامل تھے اور اسی کی منادی کرتے تھے، لیکن کچھ ہی مدت کے بعد حال یہ ہو گیا کہ مسیحی امت نے توحید کے بجائے تثلیث کو اور حضرت مسیح اور تمام انبیاء علیہم السلام کے بتلائے ہوئے قانونِ نجات و عذاب کے بجائے کفارہ کو بنیادی عقیدہ کے طور پر اپنا لیا اور اس کے بعد سے انہی دو عقیدوں پر عیسائیت کی پوری عمارت قائم ہے۔ اب جو شخص تثلیث اور کفارہ پر عقیدہ نہ رکھتا ہو بلکہ اس توحید خالص اور اس قانون مجازاۃ پر ایمان رکھتا ہو جس کی دعوت و تعلیم حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دی تھی وہ آج کسی بھی کلیسا کے قانون کے مطابق مسیحی اور عیسائی نہیں مانا جا سکتا۔

یہ ایک اہم تاریخی سوال ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی دعوت و تعلیم میں اتنی بڑی تحریف کیسے راہ پا گئی، اور کس طرح ان کی امت میں اس کو ایسا قبول عام حاصل ہو گیا کہ اب پوری مسیحی دنیا (مذہب اور عقیدہ کے چھوٹے بڑے بہت سے باہمی اختلافات کے باوجود) تثلیث اور کفارہ کو بنیادی عقیدہ ماننے کے بارے میں گویا بالکل متفق اور اور یک زبان ہے۔؟

اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کہ حق کے متلاشیوں کی رہنمائی اور ہماری عبرت آموزی کے لیے اس تحریف اور تبدیلی کی تاریخ بھی محفوظ ہے ــــ علمائے اسلام میں سے جن

حضرات نے تحقیق وتدقیق کے ساتھ مسیحیت اور اس کی تاریخ کا مطالعہ اور اس پر کام کیا ہے، انھوں نے اس موضوع پر ایسا مبسوط اور مدلل لکھا ہے کہ اس تحریف اور تبدیلی کی تاریخ آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے لیکن یہاں ہم کو اجمال واختصار ہی کے ساتھ اس کا ذکر کرنا ہے۔[1]

اس بارے میں جو کچھ عیسائیت کی تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے نبوت ورسالت کے منصب سے سرفراز فرمایا اور آپ نے اپنے کو اسی حیثیت سے اپنی قوم بنی اسرائیل (یہود) کے سامنے پیش کیا اور اللہ کا پیغام ہدایت ان کو پہنچایا اور باذن اللہ وہ روشن معجزات بھی آپ کے ہاتھ پر ظاہر ہوئے جن کا ذکر قرآن مجید میں بھی فرمایا گیا ہے تو سب سے پہلے ان کے عالموں اور مذہبی پیشواؤں نے اور ان کے ساتھ پوری قوم نے آپ کو جھوٹا مدعی نبوت اور جادوگر اور شعبدہ باز کہا اور یہودی شریعت کے قانون کے مطابق لعنتی اور واجب القتل قرار دیا، ہر طرح سے ستایا اور انتہائی

---

[1] جو حضرات اس تاریخی واقعہ کی پوری تفصیلات معلوم کرنا چاہیں وہ ان کتابوں کا مطالعہ فرمائیں جنہیں اس موضوع پر مستقل اور مفصل کلام کیا گیا ہے، خاص کر حضرت مولانا رحمۃ اللہ ہندی کیرانوی مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کی بے نظیر تصنیف "اظہار الحق" جو اب سے قریباً سوا سو سال پہلے عربی میں لکھی گئی تھی اور دنیا کی متعدد زبانوں میں اس کے ترجمے بھی شائع ہوتے رہے ہے۔ اردو میں اس کا بہترین ترجمہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی ثم کراچوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلف الرشید ہمارے فاضل دوست مولانا محمد تقی عثمانی (ایم اے۔ ایل ایل بی) نے کیا ہے جو اُن کے قریباً سوا دو سو صفحے کے مقدمے کے ساتھ اب سے چند سال پہلے تین جلدوں میں کراچی سے شائع ہو چکا ہے۔ ان کا یہ مقدمہ بجائے خود ایک مستقل قابل قدر تصنیف ہے۔ جزاهم الله تعالى عن الاسلام والمسلمين كما يليق بشانه